ساحلوں کے گیت

رخ چوہدری

ساحلوں کے گیت۔۔۔۔۔۔۔۔رخ چوہدری

"بے بی! چندااٹھ جائوناں' کتناسوئوگی۔دیکھوتوسات بج رہے ہیں۔اٹھ جائوجان' بے بی! بھئی اٹھ جائوشاباش! اتناسوناٹھیک نہیں۔"

وہ گزشتہ پندرہ منٹ سے اسے جگارہی تھیں۔وہ تو ٹس سے مس نہیں ہورہی تھی۔فاطمہ نے کمرے میں بکھری اس کی چیزیں سمیٹیں۔پردے سرکائے تاکہ سورج کی شفاف کرنیں اسے جگانے میں کامیاب ہوجائیں۔

"بہت گندابچہ ہے یہ ہمارا۔دیکھوتودودھ کاگلاس جوں کاتوں پڑاہے۔بے بی... سجیلہ... جان اٹھ جائو... اٹھ جائوسات بج رہے ہیں۔"

فاطمہ چیزیں سمیٹ کرپھراس کی طرف آگئیں۔پیارسے اس کے چہرے پرآئے بال درست کرتے ہوئے کہا۔

"کیاہے بجو!" قسم سے آپ توسونے بھی نہیں دیتیں۔کہاں سات بج رہے ہیں' پورے تین منٹ باقی ہیں' سونے دیں۔"

سجیلہ نے وال کلاک پرنظرڈالی اورپھرچادرتان کرلیٹ گئی۔

"سجیلہ جان! جب رات کے بے شارمنٹ تمہاری نیندپوری نہیں کرسکے تو یہ تین منٹ کہاں نیندکی پیاس کوبجھاسکیں گے۔" فاطمہ نے پھرچادرسرکا دی۔

"بجوپلیز!" سجیلہ نے منت بھرے لہجے میں کہا۔یوں نیندمیں بے حال منت کرتی چھوٹی بہن پرفاطمہ کوپیارآگیا۔

"سجو! تمہیں معلوم ہے کہ پپاجی کودیرتک سوناپسندنہیں۔"

یہ کہتے ہوئے فاطمہ کی نظروں میں پپاجی کاچہرہ گھوم گیا۔انہوں نے کتناغضبناک ہوکرکہاتھا۔"جائوبے بی کوبلاکرلائو۔" وہ ایک منٹ بھی ادھرادھرنہیں ہونے دیتے تھے۔

"بجو! پپاجی کوتوہماراسانس لینابھی پسندنہیں مگریہاں آکروہ خداسے مات کھاجاتے ہیں کہ زندگی دینااورلیناسب اس کے اختیارمیں ہے۔"

صبح ہی صبح اس نے تلخیوں کازہراندرانڈیلتے ہوئے درازبالوں کاجوڑابنایااوراٹھ بیٹھی۔

فاطمہ نے چونک کراسے دیکھا۔وہ ایسی ہی تھی۔ذراسی بات پرتلخ ہوجاتی تھی۔بغاوت پراترآتی۔کبھی کبھی توفاطمہ لرزجاتیں وہ اٹھ کراس کے قریب آ گئیں۔

"ہیں... ہیں سجیلہ... یہ کیابات ہوئی جانو' جیسے ہمارے پپاجی ہیں' مماجان ہیں۔کسی کے ایسے نہ ہوں گے' ایسے نہیں کہتے۔"

"ہاں واقعی بجو! یہاں میں آپ سے متفق ہوں کہ جیسے ہمارے والدین ہیں ناں ایسے کسی اورکے نہ ہوں گے۔" سجیلہ نے ایک اورکڑواگھونٹ حلق میں اتاراتوتلخی فاطمہ کومحسوس ہونے لگی۔یہ سجیلہ ایسی کیوں ہے۔وہ اسے دیکھنے لگیں۔

"بری بات چندا! ایسے نہیں کہتے ہیں' اب جلدی سے تیارہوجائو' یونیورسٹی کاپوائنٹ بھی توآنے والاہے۔"

"اوہ ہاں! آج تولیب بھی ہے۔"

سجیلہ پھرتی سے اٹھی اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

"باجی! آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ پپا جی ناشتے پر انتظار کر رہے اور آپ بھی آ کر بیٹھ گئیں۔ وہاں پپا جی خفا ہو رہے ہیں۔"

آمنہ حسب عادت تیز لہجے میں بولتے ہوئے آ گئی تو فاطمہ اس کی طرف بڑھیں۔

"ہاں' ہاں! ہم آ رہے ہیں۔ وہ بے بی رات دیر تک پڑھتی رہی ہے ناں تو آنکھ دیر سے کھلی' اب وہ باتھ روم میں ہے' ہم ابھی آتے ہیں' تم جاؤ پپا جی کو بتا دو۔"

"کیا ضرورت تھی رات دیر تک پڑھنے کی' پتا بھی ہے' پپا جی وقت کے معاملے میں کتنے سخت ہیں۔ یہ دلیلیں' تاویلیں وہ پسند نہیں کرتے۔ بے بی جلدی کرو بھئی کتنی دیر لگاؤ گی؟"

آمنہ نے زور سے آواز دی تو فاطمہ جلدی سے بولی۔

"آمنہ! ہم آتے ہیں' اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ بے بی ابھی بچی ہے' اس پر یوں ناراض ہونا مناسب نہیں' تم چلو ہم آتے ہیں۔"

فاطمہ طبعاً بے حد حلیم اور حد درجہ حساس تھیں اور ویسے بھی سجیلہ گھر میں سب سے چھوٹی تھی اور فاطمہ کو اس سے زیادہ ہی پیار تھا اور آمنہ جس قدر اکھڑ مزاج تھی' اسی قدر لہجہ اور انداز گفتگو اکھڑ تھا۔

"بجو! تمہیں خیال رکھنا چاہئے' وہ ابھی بچی ہے تم ابھی سے اسے سمجھاؤ کہ ہمیں اس گھر میں کس طرح زندگی بسر کرنی ہے۔ ہمیں پپا جی کے اصول و قوانین کی کس طرح پابندی کرنا ہے۔"

"یہ کیا صبح ہی صبح اصول و قوانین کی گردان شروع کر دی ہے' آ رہی ہوں۔"

سجیلہ نے تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے تیز نظروں سے آمنہ کو دیکھا۔ سجیلہ اور آمنہ کی ویسے بھی کم ہی بنتی تھی۔

"بے بی! اب تم اتنی بھی بچی نہیں ہو کہ سمجھ نہ سکو' اچھی طرح جانتی ہو کہ..."

"اچھا پلیز! صبح سویرے ہی لیکچر دینا نہ شروع کر دینا' سارا موڈ غارت ہو جاتا ہے۔ ہماری زندگی میں سوائے اصول و قوانین کے ہے ہی کیا۔ صبح کا ناشتہ ہو یا رات کا کھانا بس اصول' پابندیاں اور سختیاں۔"

بالوں میں برش کرتے ہوئے سجیلہ نے ترش لہجے میں کہا تو فاطمہ پریشان ہو گئیں کیونکہ انہیں خوف تھا کہ آمنہ اور سجیلہ یہیں تکرار نہ شروع ہو جائے۔

"اچھا... اچھا بے بی! اب صبح سویرے کوئی موڈ تو آف نہیں کرنا ناں' اللہ بہتر کرے گا۔ چلو اب چلتے ہیں نیچے۔"

''ہونہہ!'' آمنہ نے مزید کچھ کہنا شاید ضروری نہ جانا اور دھم دھم کرتی سیڑھیاں اتر گئی۔

آج اسے اٹھنے میں واقعی دیر ہو گئی تھی اور پھر تیاری میں وقت لگ گیا۔ اتنا کہ یونیورسٹی کے پوائنٹ کا وقت ہو گیا تھا۔ ناشتہ کرنے کا وقت ہی نہیں بچا۔

''سوری پپا! آئی ایم لیٹ۔''

سجیلہ نے کرسی کھسکاتے ہوئے پپا کو دیکھا' جو اسے خشمگیں نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''وائے؟'' انہوں نے بھاری لہجے میں وضاحت طلب کی۔

''وہ اس کے امتحان ہو رہے ہیں ناں تو یہ رات کو دیر تک پڑھتی رہی۔ پپاجی' اس لئے دیر سے سوئی اور دیر سے آنکھ کھلی۔''

سجیلہ کے بجائے فاطمہ نے جواب دیا تو فاروق احمد نے اتنی تیز نظروں سے اسے دیکھا کہ فاطمہ کے ہاتھوں میں چائے کا کپ لرز گیا۔

''فاطمہ! آئندہ ایسا نہ ہو' جس سے پوچھا جائے' وہی جواب دے' انڈراسٹینڈ!''

''سوری پپاجی! آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔''

فاطمہ نے چھلک جانے والی چائے کو ٹشو پیپر سے صاف کرتے ہوئے عہد کیا کہ آئندہ یہ گستاخی نہ ہو گی۔

''بے بی! تمہارے پپا نے تم سے کچھ پوچھا تھا!'' صوفیہ بیگم نے سجیلہ کی طرف دیکھا' جو اتنی معمولی بات کو اتنی اہمیت دیئے جانے پر کڑھ رہی تھی۔

''جی' بجو نے درست کہا ہے کہ امتحان کی وجہ سے دیر تک پڑھتی رہی اس لئے۔''

اس نے لہجے کو بمشکل نارمل کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''کیا ضرورت تھی اتنی دیر پڑھنے کی؟''

''سجیلہ بی بی! آپ کی بس آگئی ہے' میں نے ڈرائیور کو روکا ہے' جلدی سے آجائیں۔''

اس سے قبل کہ وہ راحیل بھائی کے سوال کا جواب اور ہی انداز میں دیتی' رشید نے پوائنٹ کی آمد کی اطلاع دی تو اس نے بیگ شانے سے لٹکایا اور فائل ہاتھوں میں پکڑ کر تیزی سے طویل لان کو عبور کرتے ہوئے پوائنٹ کے پچھلی طرف سے پچھلی سیٹ پر بیٹھی اور پھر... ایک طویل گہرا سانس فضا میں خارج کیا اور کچھ دیر کیلئے آنکھیں بند کر کے آزاد فضا کا احساس دل میں اتارنے لگی۔

دنیا کتنی خوبصورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی حسین کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ کتنا حسن ہے۔ یہاں روز ہی جب وہ گھر سے یونیورسٹی جانے کیلئے نکلتی تو اسے کائنات کے حسن اور خالقِ کائنات' خدائے واحد پر بے اختیار پیار آجاتا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ زور سے جھٹکا لگا' اس کی کمر میں ٹوٹے پھوٹے پوائنٹ کی سیٹ کی پشت زور سے لگی مگر اسے تکلیف کے بجائے ایک سکون محسوس ہوا۔

خستہ حال اور ٹوٹے پھوٹے یونیورسٹی کے اس پوائنٹ میں بیٹھ کر وہ خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین لڑکی سمجھتی' جو راحت اسے اس بس میں بیٹھ کر ملتی' وہ تو اپنی انتہائی قیمتی ایئر کنڈیشنڈ گاڑی میں بھی نہیں ملتی تھی۔ حالانکہ پپا نے بارہا اسے اپنی گاڑی پر یونیورسٹی جانے کی ہدایت کی تھی' مگر وہ پوائنٹ کی لذتوں سے محرومی کہاں برداشت کر سکتی تھی۔ اس نے ایک نظر سرخ بد حال پوائنٹ پر ڈالی۔ سیٹیں اکھڑی ہوئیں' پکڑنے والا ڈنڈا نداردا' انجن کھڑ کھڑ کرتا ہوا' بس یہ تو قدرت کے سہارے چلتے ہیں۔ اس نے مسکرا کر سوچا۔

پھر اس کی نظر کچھ کھڑے' کچھ بیٹھے اپنے طالب علم ساتھیوں پر پڑی۔ کتنے خوش و خرم اور مطمئن سے تھے۔ تمام چہرے کھلے' کھلے اور بے فکرے... نہ جانے ان کے گھروں کے ماحول بھی میری طرح ہوتے ہیں' ان کی زندگیاں بھی... پابند سلاسل ہوتی ہیں' یہ بھی اصول و قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوتے ہیں یا پھر یہ اور طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ نہ جانے کسی کے گھر کا کیسا ماحول ہوتا ہے' جیسا بھی ہوتا ہو کم از کم میرے گھرانے سے تو بہتر ہوگا۔ وہ مختلف چہروں کو دیکھتے ہوئے پس منظر میں اپنے گھر کے ماحول کو دیکھ رہی تھی۔

''السلام علیکم!''

نہ جانے کب سٹاپ آیا' کب پوائنٹ رکا اور کب حنا اس کی بہترین دوست اس کے برابر آکر دھم سے بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم بھئی! مجھے تو پتا بھی نہیں چلا کہ کہاں کھڑی تھیں' میں نے تو تمہیں نہیں دیکھا۔''

وہ حنا کو روز ہی دیکھ کر اسی طرح خوش ہوا کرتی۔ گویا عرصے بعد مل رہی ہو۔

''میں وہیں کھڑی تھی۔ آپ کو دیکھ کر ہاتھ بھی ہلایا تھا مگر جناب جانے کہاں گم تھیں۔'' حنا مسکرائی تو سجیلہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

یہ اس کی مخصوص ہنسی تھی وہ کھل کر ہنستی تھی۔ باہر نکل کر بات بے بات زوردار قہقہہ لگا کر ہنستی اور اتنی باتیں کرتی کہ پورے ڈیپارٹمنٹ میں باتونی مشہور تھی۔

''السلام علیکم رمضان صاحب!''

سب سے پہلے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے چپڑاسی کو سلام کرنا' حال احوال پوچھنا' تمام ملازمین کی خیریت معلوم کرنا اس کے اخلاق اور روز کے معمولات میں شامل تھا۔ ہر ایک سے اتنے خلوص سے پیش آتی کہ اگلا اپنے آپ کو معتبر سمجھنے لگتا۔

''ٹھیک ہوں بیٹی مگر...!''

''ہائے مگر کیا رمضان صاحب؟'' اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

''کچھ نہیں' کئی روز سے بچہ بیمار ہے۔''

''اوہو تو آپ نے اسے ڈاکٹر کو دکھایا کہ نہیں... اور ابھی تو آپ کو تنخواہ بھی نہیں ملی ہو گی' آپ یہ رکھ لیجئے۔''

اس نے جھٹ سو روپے نکال کر رمضان بابا کے ہاتھ پر رکھ دیئے تو وہ نادم سے ہو گئے۔

''بیٹی! میں نے اس لئے تو نہیں بتایا تھا کہ...''

''آپ رکھئے' سر آ رہے ہیں' میں بعد میں آپ سے بات کروں گی۔''

سجیلہ اور حنا سر محسن کو آتے ہوئے دیکھ کر جلدی سے آگے بڑھ گئیں تو رمضان بابا اسے دعائیں دیتے رہے' مگر وہ اس وقت سن نہیں رہی تھی' لیکن جب وہ اس کے سامنے اسے ہمیشہ خوش رہنے کی دعائیں دیتے... تو وہ اتنے زور سے ہنستی کہ بابا حیران رہ جاتے۔ نہ جانے کیوں ان کو اس کی ہنسی بہت مایوس اور کھوکھلی سنائی دیتی۔

''ہیلو آصف کیسے ہو؟''

وہ دونوں سر کو سلام کرنے کے بعد آگے بڑھیں تو کلاس فیلو آصف سے ملاقات ہو گئی۔

''ہیلو یار! کہاں تھیں تم دونوں؟ تم دونوں تو ایسے غائب ہو جاتی ہو' جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔''

''ہوں تو گویا ہم دونوں تمہارے سینگ ہیں جن کے غائب ہو جانے سے لوگوں کو تم سینگوں کے بغیر لگنے لگتے ہو' وہی جس کا تم نے ابھی نام لیا تھا۔''

سجیلہ کی شوخ بات پر آصف سر کھجا کر رہ گیا اور حنا ہنسنے لگی۔

''یار! تم تو کبھی بھی سنجیدہ نہیں ہوتیں۔'' آصف زچ ہو گیا۔

''ارے بھئی آصف! کون سی ایسی آفت ٹوٹی ہے' جس نے تمہیں اس حد تک سنجیدہ کر دیا ہے؟'' حنا نے شانے سے بیگ اتار کر برآمدے کے فرش پر رکھا اور سجیلہ کے ساتھ ہی فری سٹائل میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

''وہ اپنے سر سجاد ہیں ناں!''

''نہیں۔'' دونوں نے شوخی سے اسے مزید تنگ کیا۔

''ارے بابا میں!'' آصف زچ ہو کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''ارے بھئی اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ وہ تو گزشتہ چالیس برس سے ہیں اس دنیا میں اور خدا کرے کہ مزید ایک سو چالیس سال تک رہیں' اس لئے کہ مجھے بے حد پسند ہیں۔'' سجیلہ نے کمال اطمینان سے فائل نکالی اور کل کا لیکچر دیکھنے لگی۔

''لڑکیو! پلیز بی سیریس! وہ ایک میٹنگ میں شرکت کیلئے اسلام آباد جا رہے ہیں۔''

"تو آصف چندا! میرے بھیا اب وہ مجھے اتنے بھی عزیز نہیں' پسند نہیں کہ ان کے پاؤں پڑ کر التجا کروں کہ سر خدا کیلئے نہ جائیں' رک جائیں۔"

"ٹھیک ہے' آپ ان کے پاؤں پکڑ کر ان کو روکیں یا نہ روکیں' وہ آپ کے سر پر سوار ہو کر اپنا پیپر ایک دو روز میں لے لیں گے۔"

دونوں اونچی آواز میں اتنے زور سے چلائیں کہ ڈیپارٹمنٹ کے ایم ایس سی کے افلاطون پڑھا کو علیم الدین جن کو یہ سب چوری چھپے منشی فاضل کے نام سے پکارا کرتے تھے بے چارے تھے بھی ذرا دھان پان سے خواتین سے ویسے بھی ان کو ایک قسم کا... بیر تھا اور دوسرے ان کو تیز لڑکوں نے لڑکیوں سے پرہیز ہی بتایا تھا۔ سجیلہ اور حنا وغیرہ سے تو ویسے بھی ان کو خدا واسطے کا بیر تھا۔ اب جو ان دونوں کی طوفانی چیخ ان کی نازک سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ جو بڑی تیزی سے سیڑھیاں اتر رہے تھے ایک دم جو گھبرائے تو اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے اور سیڑھیوں سے لڑکھڑاتے ہوئے عین سجیلہ کے قریب آکر رک گئے۔ ہاتھ میں پکڑی فائل دور جا گری تو وہ جلدی میں اٹھے تاکہ فائل اٹھالیں مگر برا ہو اس صفائی کرنے والے کا' آج تو گویا اسے خبر ہو گئی تھی کہ آج علیم الدین صاحب گریں گے۔ گرد کا ایک ایک ذرہ صاف کر دیا تھا۔

فرش ایسا پھسلنے والا ہو رہا تھا کہ وہ دوبارہ اٹھے' تاکہ فائل اٹھالیں مگر دونوں مرتبہ دھڑام سے فرش پر ڈھیر ہو گئے اور اب تو غالباً چوٹ بھی لگی تھی۔ بے چاری لڑکیاں اس قدر مجبور کہ کھل کر نہ ہنس پا رہی تھیں اور ہنسی بھی ایسی منہ زور کہ آئے چلے جا رہی تھی۔ کچھ رکی' کچھ گھٹی سی ہنسی ہنستی لڑکیاں علیم الدین کو زہر لگ رہی تھیں۔

"ایک تو ہمارے معاشرے کا اخلاق اس حد تک بگڑ چکا ہے کہ ایک انسان پے در پے گرتا چلا جاتا ہے اور دوسرے ہنسے چلے جاتے ہیں۔"

آصف نے اس بار علیم الدین کو پکڑ کر کھڑا کیا تو وہ سجیلہ اور حنا پر برس پڑے' جن سے ہنسی ضبط کرنا محال ہو رہا تھا۔

"چھوڑیے فاضل صاحب! آج کل کی لڑکیاں تو بس ہیں ہی ایسی۔ نہ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا لحاظ۔" آصف نے فائل ان کی طرف بڑھائی۔

"میں فاضل نہیں ہوں' والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔"

علیم الدین نے فائل لے کر جھاڑتے ہوئے خفگی سے آصف کو دیکھا اور پھر عینک کی اوٹ سے لڑکیوں کو دیکھا۔ ان کی ہنسی کے سیلاب کا اب زور ٹوٹ چکا تھا۔

"ارے کہاں جا رہے ہیں علیم الدین صاحب؟ یہ پن تو جیب میں رکھ لیجئے۔"

انہیں آگے بڑھتے دیکھ کر سجیلہ ان کے پیچھے اپنا بال پوائنٹ لے کر لپکی۔

"جی وہ کس لئے؟" وہ خاصے بیزار لہجے میں بولے۔

"آپ بھی نرے احمق ہیں علیم الدین' دیکھ نہیں رہے' کتنی تیز ہوا چل رہی ہے' رکھ لیجئے جیب میں۔ وہ محاورہ تو آپ نے سنا ہو گا کہ اُڑتے ہوئے علیم الدین کو پین کا سہارا۔"

"آپ... آپ انتہائی..."

"حسین ہیں... یہ جملہ تو ہر روز مجھے کئی بار سننا پڑتا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے بھی تسلیم تو کیا کہ..."

"آپ لوگ انتہائی بدتمیز جونیئرز ہیں۔" وہ سر سے پاؤں تک سلگ اٹھے تھے۔

"تھینک یو سینئرز آں... آں... آگے دیکھئے۔"

اور جب تک علیم الدین صاحب آگے دیکھتے... چیئرمین آف دی ڈیپارٹمنٹ سے ٹکرا چکے تھے اور پھر رحیم صاحب نے ان کی خاطر و خدمت شاندار الفاظ میں کی تو وہ لوگ دم دبا کر وہاں سے بھاگ آئے۔

"ہیں... ہیں یہ آفتاب تو میرے ساتھ ہے پھر تمہارے پیچھے کون لگا ہوا ہے' جو یوں سرپٹ بھاگ رہے ہو؟"

سامنے سے آفتاب اور ساجد مل گئے تو سجیلہ نے علیم الدین کے گرنے کا واقعہ کچھ ایسے انداز میں سنایا کہ دونوں کو اس سین کے مس کر دینے کا ملال ہونے لگا۔

"یار آصف! گرا تو وہ تھا ہی۔ اوپر سے ایک دو اور جڑ دینی تھیں نہ جانے خود کو سمجھتا کیا ہے' مچھر کہیں کا۔ اس کی ساری کلاس تنگ ہے اس سے۔ وہ خالد بتا رہا تھا کہ جیسے ہی سر کلاس میں داخل ہوتے ہیں' اس کے سوالات شروع ہو جاتے ہیں۔ سر لیکچر کم دیتے ہیں اور اس کے سوالات کے جوابات زیادہ دیتے ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ یہ ہمارا کلاس فیلو نہیں۔"

حنا نے شکر ادا کیا۔

"ہائے کاش ہمارا کلاس فیلو ہوتا تو کتنا مزہ آتا۔ ہر روز ساری کلاس کو انجوائے کرواتی میں علیم الدین صاحب کے ذریعے۔"

سجیلہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ اسے ایسے کردار بہت پسند تھے جو نہ صرف اپنے لئے مسئلہ ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کیلئے بھی دلچسپ مسائل پیدا کرتے ہیں۔

"جی مجھے علم ہے' آپ اس بے چارے کا کیا حشر کرتیں۔ سنا نہیں تھا کیا کہہ رہا تھا' میں فاضل نہیں ہوں' اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔"

آصف نے علیم الدین کے انداز میں کہا تو وہ سب ہنس پڑے' مگر سب سے نمایاں کھنکتی ہنسی سجیلہ کی تھی۔

"یہ حسن اور ماریہ تو ابھی تک آئے نہیں' تب تک چل کر چائے پیتے ہیں' رمضان بابا ہم لوگ کیمسٹری کے کیفے ٹیریا جا رہے ہیں' ماریہ اور حسن آئیں تو ان کو وہیں بھیج دیا جائے۔"

سجیلہ نے رمضان بابا کو پیغام دیا اور کیفے کی طرف چل پڑے۔ اپنے ڈیپارٹمنٹ سے کیفے تک سجیلہ ہر کسی پر دلچسپ ریمارکس دیتی رہی' بات کر کے کسی کو چھیڑ کے وہ خود ہی اتنے زور سے ہنستی کہ اس کی دلکش ہنسی کے جلترنگ آس پاس کے لوگوں کو اس کی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیتے اور کچھ قدرت نے اسے دیکھنے اور سننے والی چیز بنایا تھا اور جب خدا نے دولت حسن سے بھی مالا مال کیا ہو اور سونے کا چمچہ منہ میں دے کر ایک کامیاب ترین صنعت کار کے گھر میں پیدا کیا ہو تو وہ خواہ مخواہ ہی لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتا ہے۔

اس کے پپا اور ممی دونوں کا تعلق وادی کشمیر کی وادی سے تھا' جس کو قدرت نے حسن بڑی فیاضی سے عطا کیا تھا۔اس کی ممی صوفیہ احمد بے حد حسین تھیں اور یہی حسن خدا کی طرف سے تینوں بیٹیوں کو ورثے میں ملا تھا' مگر سجیلہ نے خود کو کافی بنا سنوار کر رکھا ہوا تھا جبکہ دوسری دونوں انتہائی سادہ لڑکیاں تھیں۔سیاہ جین پر سیاہ اور سرخ پرنٹ کا ڈھیلا سا کرتا دراز بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی جس سے شوخ لٹیں چوٹی کے بالوں سے آزاد ہو کر چہرے پر جھول رہی تھیں۔ہلکے سے میک اپ میں بات بے بات ہنستی' قہقہے بکھرتی لاپرواسی سجیلہ' دوسری لڑکیوں کیلئے رشک یا حسد کا باعث بن جاتی اور لڑکوں کیلئے ایک خواہش' ایک حسرت کہ کاش یہ لڑکی ہماری ہو جائے یا ہمارے ساتھ دوستی ہی کر لے' ہمارے ساتھ ایک قدم ہی چل پڑے' مگر اس کے قریب رہنے والے جانتے تھے کہ وہ اندر سے کیا ہے۔

البتہ لڑکوں سے وہ کچھ اس قسم کا رویہ اختیار کرتی کہ وہ کسی قسم کی غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار نہ ہونے پائیں۔

''بچو! تم لوگوں نے منشی فاضل کو خفا کر دیا ہے اور وہ ہیں سر سجاد کے چچے۔''

''سوواٹ!'' آفتاب نے چائے کا مگ نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

''احمق آدمی! اگر علیم الدین ناراض نہ ہوتے تو ان کے ذریعے سر سجاد کو منایا جاسکتا تھا کہ وہ پیپر اسلام آباد سے واپسی پر لے لیں۔''

''ارے بھئی پیپر کو کیا تم لوگوں نے مسئلہ بنالیا ہے' دے دیں گے؟''

سجیلہ کسی بھی مسئلے کو سنجیدگی سے نہیں لیتی تھی اور نہ کسی کو سنجیدہ ہونے دیتی۔

''لڑکی ایک تو تم میری سمجھ سے بالاتر ہو۔کلاس میں سارا وقت شرارتیں کرتی رہتی ہو۔دھیان سے کبھی تم نہیں پڑھتیں' پھر بھی مزے سے پاس ہو جاتی ہو۔''

ساجد درست کہہ رہا تھا' وہ کبھی بھی پڑھائی کیلئے سنجیدہ نہیں رہی تھی بلکہ اسے تو پڑھنے کا کوئی ایسا خاص شوق بھی نہیں تھا۔وہ تو بس آزاد فضا میں سانس لینا چاہتی تھی' اسی لیے وہ یونیورسٹی کی ان گھڑیوں کو خوب انجوائے کرنا چاہتی تھی۔وہ اس آزاد فضا میں بے شمار اضافی سانس لینا چاہتی تھی تاکہ گھر کی گھٹی فضا میں کام آسکیں۔وہ تو پاس ہونا بھی نہیں چاہتی تھی' مگر یہ قدرت کی بخشی ہوئی ذہانت تھی کہ لیکچر پر ہی وہ پیپر دے دیا کرتی اور پاس ہو جاتی جبکہ دوسرے خوب سر کھپاتے پڑھائی میں تب جا کر پاس ہوتے۔

''ارے بھئی! اس میں بسورنے کی کیا ضرورت ہے۔بھلا ہم لوگ اس روز غائب ہو جائیں گے اور سر سجاد کا تو تمہیں پتا ہی ہے کہ ایک بھی سٹوڈنٹ غائب ہو تو پیپر نہیں لیتے۔چلو حسن اور ماریہ بھی آ گئے' مشورہ کر لیتے ہیں۔''

اور پھر حسن اور ماریہ کے ساتھ مل کر پیپر کے بارے میں پروگرام بنتے رہے' اسی دوران کلاسز بھی ہوتی رہیں۔

''اللہ جلدی کریں سر! پوائنٹ نکل جائے گا۔''

سر لیکچر دے رہے تھے اور حنا' ماریہ کو جلدی پڑی تھی پوائنٹ کی' حالانکہ ایک کا پوائنٹ چلنے میں بیس منٹ باقی تھے۔

''یہ تم لوگوں کو گھر جانے کی اتنی جلدی کیوں ہوتی ہے ماریہ۔''

سجیلہ نے عجیب سی نظروں سے ماریہ کو دیکھا جو اس کی بات کے جواب میں حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی' یوں جیسے اس نے انتہائی انہونی بات کہہ دی ہو۔

"ارے بھئی' گھر ہی تو ایسی جگہ ہوتی ہے' جہاں ہر انسان کو جلدی جانے کی خواہش ہوتی ہے' تمہیں گھر جانے کی جلدی نہیں ہوتی کیا؟"

لیکچر ہو رہا تھا' مگر وہ تینوں سب سے آخر میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ماریہ کی بات پر وہ چپ سی ہو گئی۔اب وہ اسے کیا بتاتی کہ گھر واپسی کے خیال سے اس کے دل کی بستی ویران ہونے لگتی ہے' دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔

"ہاں کیوں نہیں' تم نے خود ہی تو کہا تھا گھر جانے کی جلدی کسے نہیں ہوتی۔"

اس نے اپنے دل میں اترتی ویرانی لفظوں کی آڑ میں چھپاتے ہوئے کہا۔

وقت کا کام تو آگے بڑھنا ہوتا ہے' کوئی اس کے ساتھ چلے یا نہ چلے یہ بڑھتا چلا جاتا ہے' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ایک کے پوائنٹ سے گھر واپسی کیلئے بیٹھ گئی تھی۔پوائنٹ وہی تھا ٹوٹا پھوٹا' لرزتا' بے رنگ' اجڑا ہوا مگر صبح تو یہی پوائنٹ بہت اچھا لگ رہا تھا' شاید اس لئے کہ یہ اسے قید سے قفس سے آزاد فضا میں لاتا ہے' کتنے انمول ہوتے تھے' یہ چند گھنٹے جن میں وہ زندگی کو بھرپور انداز میں انجوائے کرتی تھی۔

"سجو! کیا بات ہے' چپ چپ ہو۔"

حنا محسوس کر رہی تھی' وہ خاصی چپ سی ہے۔

"ہوں... نہیں تو بس سر میں درد ہے۔"

کتنے مہربان ہو جاتے ہیں ایسے چھوٹے موٹے درد جو دل کی ٹیسوں کو چھپانے کا بہانہ بن جاتے ہیں۔

حنا اس کی اچھی اور مخلص دوست ضرور تھی مگر ابھی دوستی اس حد تک آگے نہیں بڑھی تھی کہ وہ دل کے داغ اسے دکھاتی۔

"کیا روز واپسی پر تمہارے سر میں درد ہوتا ہے؟"

حنا کی کھوجتی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پر پڑیں تو وہ چونک پڑی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم روز واپسی پر اسی طرح ہو جاتی ہو۔یونیورسٹی سے خاصی مختلف لگتی ہو یوں جیسے... اچھا خیر میرا خیال ہے میرا اسٹاپ آنے والا ہے' گیٹ تک پہنچ جاؤں رش بھی بہت ہے۔"

حنا نے خود ہی محسوس کیا کہ وہ کچھ پرسنل ہونے لگی ہے' فوراً کھڑی ہو گئی۔

یونیورسٹی سے اس کے گھر تک کا فاصلہ پوائنٹ گھنٹے یا پون گھنٹے میں طے کرتا تھا' مگر اسے روز ہی ایسا محسوس ہوتا پوائنٹ اڑتا ہوا آیا ہے' تب ہی تو اتنی جلدی گھر آ گیا۔

اس کے سٹاپ پر کافی لوگ اترے تھے اور ان سب سے اس کی ہائے ہیلو تھی۔ ان میں کچھ تو صرف پوائنٹ فیلو تھے اور کچھ کلاس فیلو یا ڈیپارٹمنٹ فیلو' وہ سب کو خدا حافظ کہتی اپنے گیٹ پر پہنچ گئی۔

''سلام بی بی!'' چوکیدار نے گیٹ کھولتے ہی سلام جھاڑا۔

''ہوں' اس کا مطلب ہے پپا' راحیل' عدیل اور نبیل آ چکے ہیں۔''

اس نے چوکیدار کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پپا' عدیل' راحیل اور نبیل کی الگ الگ کھڑی گاڑیوں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

اس وقت تقریباً دو بجے کا وقت تھا اور حسب معمول گھر میں ہو کا عالم تھا۔ کھانا ان کے ہاں ایک بجے کھا لیا جاتا تھا اور اس وقت بھی سب کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ سکوت اس قدر تھا کہ سوئی بھی گرتی تو گھر گونج اٹھتا اور اسے ان ہی سناٹوں سے خوف آتا تھا۔

''ارے بے بی! تم آ گئیں آج کچھ دیر نہیں ہو گئی۔''

حسب سابق اس نے فاطمہ باجی کو منتظر پایا۔ وہ روز ہی اس کیلئے اپنا آرام برباد کیا کرتیں۔

''ہونہہ! گھر ہے کہ قبرستان' ایمان سے بجو اتنی خاموشی' سناٹا تو وہاں بھی نہیں ہوتا۔''

اس نے زور سے بیگ فرش پر پٹخا' جس سے خاموش فضا میں خاصا شور ہوا۔

''آہستہ بے بی جان! پتا جی اور مما جان سو رہے ہیں اور بھائی لوگ بھی آرام کر رہے ہیں۔''

''یہ ابھی شور کیسا ہوا تھا؟'' آمنہ کی سماعت خاصی حساس تھی۔ تب ہی تو اوپر آواز سن لی تھی اس نے۔

''بیگ گرا تھا فرش پر' بم نہیں پھٹا تھا۔'' سجیلہ نے خاصا چلا کر کہا۔

''تم سے تو بات کرنا گناہ ہے۔'' آمنہ کو غصہ آ گیا۔

''تو برائے مہربانی مت کیا کیجئے یہ گناہ آپ۔''

آمنہ کی آواز تو دبی ہوئی تھی لیکن سجیلہ کی آواز خاصی بلند تھی۔

''یہ کیا مچھلی بازار گرم کر رکھا ہے تم لوگوں نے... تمیز نہیں تم لوگوں کو کہ سب آرام کر رہے ہیں اور جاہل عورتوں کی طرح لڑ رہی ہو' کیا ہوا' کیا مسئلہ ہے؟''

راحیل بھائی کی نیند خراب ہو گئی تو وہ باہر آ گئے۔ فاطمہ اپنی جگہ سہم گئیں کہ اب بڑا ہنگامہ نہ ہو جائے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''کچھ بھی تو نہیں ہوا راحیل بھیا! آپ آرام کریں یہ تو دونوں بچیاں ہیں۔ یوں ہی الجھ پڑتی ہیں۔'' فاطمہ نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

"فاطمہ ان دونوں کو سمجھادو کہ گھر میں کس طرح رہنا چاہئے۔ یہ کوئی تک ہے کہ آرام کے وقت اودھم مچایا جا رہا ہے۔"

راحیل کی اپنی بھاری آواز سے گہرے سکوت میں جو شگاف پڑے تھے اس کا اسے احساس نہیں تھا شاید۔

"ہاں... ہاں بھائی! میں سمجھادوں گی۔ آپ آرام کریں جاکر۔"

فاطمہ کی یقین دہانی پر راحیل نے ایک تیز نگاہ آمنہ اور... سجیلہ پر ڈالی اور دروازہ بند کر لیا۔ سجیلہ بیگ وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ اے سی آن کیا اور منہ پر چھینٹے مار کر بیڈ کے بجائے قالین پر اوندھی لیٹ گئی۔ آنکھوں میں جلن سی ہو رہی تھی۔ پھر اس نے کتنے... آنسو بے مقصد ہی قالین میں جذب کر دیئے۔ کیا نہیں دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے۔ ماں' باپ' بہن بھائی۔ اتنی پر آسائش زندگی۔ اس کا کمرہ تھا کہ آسائشات کی آماجگاہ تھا۔ اپنا ذاتی ٹیلی فون' اے سی' قیمتی دبیز قالین' بیش قیمت ساز و سامان' کئی ہزار کا تو اس کے کارنر پر رکھا چھوٹا سا شو پیس تھا مگر نجانے خلا کہاں تھا۔ کس چیز کی کمی تھی جو اسے ہر وقت بے چین رکھتی۔ اس کے خیال میں وہ لوگ نارمل لوگ نہیں تھے۔ ایب نارمل لوگ تھے' کیونکہ نہ تو ان کی زندگی عام لوگوں جیسی تھی اور نہ عام لوگوں جیسے مسائل تھے۔ مسائل تو سارے پیسے کے ہوتے ہیں مگر ان کے ہاں تو دولت کے انبار لگے تھے۔ ایسی دولت کے جس سے سکون خریدا نہیں جا سکتا تھا۔ لیکن بے سکون تو فقط وہ تھی باقی سب تو نارمل تھے' پر سکون تھے۔ ممی' پپا' بھائی لوگ حتیٰ کہ فاطمہ' آمنہ... بھی پھر اسے ایسی کیا بے چینی تھی کہ کسی کل قرار نہیں تھا۔

"بے بی!" فاطمہ نے ہلکے سے دستک دی تو اس نے جھٹ بھیگی پلکیں رگڑیں اور دروازہ کھول دیا۔

"ارے تم سو گئی تھیں سجیلہ؟"

فاطمہ نے اس کی بوجھل آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی بس ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔"

"تو کھانا کس نے کھانا تھا۔ چلو کھانا کھاؤ۔ میں گرم کر کے لگا کر آئی ہوں۔"

فاطمہ کبھی بھی اس کے کاموں میں ملازم پر اعتبار نہیں کرتی تھیں۔ خود ہی اس کے کام کرتی تھیں۔

"سوری بجو! میں تو کھانا کھا کر آئی ہوں یونیورسٹی سے۔ سچ بجو یونیورسٹی میں کھانا اتنا لذیذ بنتا ہے۔ خصوصاً بریانی کل لے کر آؤں گی آپ کیلئے بھی۔"

وہ چٹخارے لے کر یونیورسٹی کے کھانے کی تعریف کر رہی تھی اور فاطمہ حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہائے سجیلہ! چندا تم نے یونیورسٹی کا کھانا کھایا۔" فاطمہ بے ہوش ہونے کو تھیں۔

"ہاں بجو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ اتنا لذیذ ہوتا ہے کہ کیا بتاؤں۔" وہ پھر یونیورسٹی کی گرلز کینٹین میں پہنچ گئی۔

"ٹھیک ہے بے بی لذیذ ہوتا ہوگا مگر تمہیں خبر ہے۔ کتنا مضر ہوتا ہے صحت کیلئے۔ جراثیم سے بھرپور نہ صفائی کا خیال نہ کسی اور بات کا۔ تمہیں اسی لیے کھانا ساتھ دیا جاتا ہے کہ یونیورسٹی سے تم گندی چیزیں نہ کھاؤ۔

تمہیں کچھ احساس ہے کہ کتنا گندا ہوتا ہے باہر کا کھانا۔ اگر پپا جی یا ممی کو خبر ہو گئی تو مانو قیامت آجائے گی۔ جانتی ہو ناں کہ پپا جی کتنا خلاف ہیں بازار کی بنی

چیزوں کے۔"

فاطمہ تو ایسے کہہ رہی تھیں گویا سجیلہ سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔

"اوہو کچھ بھی نہیں ہوتا بجو! ساری دنیا تو کھاتی ہے۔ اتنے بے شمار سٹوڈنٹ کھانا کھاتے ہیں۔ پتا ہے تمام کنٹینوں پر انتارش ہوتا ہے کہ کتنا انتظار کرنا پڑتا ہے اور پھر آپ کو کیا خبر کہ وہاں صفائی کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے۔ ذرا کوئی گند نظر آ جائے تو لڑکے ہنگامہ کر دیتے ہیں۔ آپ چلنا میرے ساتھ کسی روز خود دیکھ لینا کتنی صفائی ہوتی ہے گرلز کینٹین میں۔"

سجیلہ پوری دلیلوں کے ساتھ یقین دلا کر ساتھ چل کر دیکھنے کی دعوت تو دے بیٹھی تھی۔ مگر اب خوفزدہ بھی ہو گئی تھی۔ کیونکہ اگر فاطمہ بجو ایک بار چل کر دیکھ لیتیں تو شاید یونیورسٹی جانا ہی بند ہو جاتا کیونکہ جس انداز میں تنور پر بندے روٹیاں لگا رہے تھے کہ شلواروں پر بنیان پہنے پہلے ان کے ہاتھوں سے پسینہ پونچھتے ان ہی ہاتھوں سے روٹیاں لگاتے۔ اگر وہ ایک بار دیکھ لیتیں تو قیامت آ جاتی اور جس انداز میں برگر بن رہے تھے یا جس طرح بریانی بنتی اور کھائی جاتی اگر وہ دیکھ لیتیں تو یقیناً اسے وہاں سے اٹھوا لیا جاتا کہ کوئی ضرورت نہیں یونیورسٹی جانے کی۔

"کیا روز وہاں سے کھانا کھاتی ہو؟" فاطمہ کو وہم ہی پڑ گیا تھا۔

"نہیں تو۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اتنی ہی پیٹو ہوں کہ وہاں بھی کھا آتی ہوں اور گھر پر آ کر بھی کھاتی ہوں۔ وہ تو آج حنا کے کہنے پر۔"

اس نے ہنس کر بات کو ٹالنا چاہا۔ اب وہ ان کو کیسے بتاتی کہ وہ اس سے کتنی بدعہدی کرتی ہے۔ اپنا کھانا دوسروں کو دے دیتی ہے اور خود یونیورسٹی کے کچن کے کھانے کھاتی ہے۔ اسے ایک طرح کا سکون ملتا تھا۔ یوں سب میں مل بیٹھ کر یہ محسوس کر کے وہ خاص نہیں ہے' ان ہی میں سے ہے اور وہ بھی سب کچھ کھا پی سکتی ہے۔

"اچھا اب بھولے سے بھی پپا جی کے سامنے یہ ذکر نہ کرنا کہ تم نے یونیورسٹی سے کھانا کھایا تھا۔"

"اوہو بجو! آپ تو یوں خوفزدہ ہو رہی ہیں گویا میں نے زہر کھا لیا ہو۔"

"ہائے بے بی خدا نہ کرے کیسی بدفال منہ سے نکال دی تم نے۔"

فاطمہ نے یکدم اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بجو! کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم لوگ بہت غریب ہوتے۔ ہمیں چھوٹی چھوٹی خواہشات کیلئے تڑپنا سسکنا پڑتا اور جب دعاؤں سے ہماری کوئی خواہش بڑی مشکل سے پوری ہو جاتی تو... تو ہمیں کتنی خوشی ہوتی۔ ہم بھی عام لوگوں کی طرح رہتے۔ ہمارا گھر پتھروں سے بنا ہوتا۔ ٹاٹ کا پھٹا ہوا پردہ لگا ہوتا۔ ہم سب بہن

بھائی میلے کچیلے ہوتے۔ ممی سر پر پٹی باندھے لکڑیوں کا چولہا بھی جلاتیں اور ہمیں گالی گلوچ سے بھی نوازتیں اور پپا تھکے ہارے سائیکل پر کام پہ آتے جاتے تب۔ تب کتنا مزہ آتا بجو! وہ زندگی ہماری اپنی ہوتی۔ سوچیں ہماری اپنی ہوتیں۔ ہم... ہم... بجو میرا دل اس شیش محل میں گھبرانے لگتا ہے۔ بجو کیوں ہیں ہم اتنے امیر۔ کہاں سے آگیا پپا کے پاس اتنا پیسہ۔ کیا سارے پیسے والے ہماری ہی طرح ادھورے نامکمل اور بے سکون ناآسودہ حال ہوتے ہیں۔ ہماری طرح وہ بھی کھوکھلے ہوتے ہیں یا بھرپور زندگی بسر کرتے ہیں۔"

وہ بولتے بولتے عجیب سی ہو جاتی۔ بہت تنہا' بہت دکھی۔ یوں جیسے اسے دنیا جہان کے غم لاحق ہوں۔ کتنی مختلف اور عجیب سی سوچیں تھیں اس کی۔ کچھ باغیانہ سی۔ ایسا سوچنے کی بھلا کب اجازت دی تھی اس کے ممی پپا کی تربیت نے۔

"سجیلہ! جان تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ایسی باتیں نہ کیا کرو کتنی بری بات ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر رہی ہو۔ ذرا ان لوگوں کے بارے میں سوچو جو ایسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کتنی دشوار ہے ان کی زندگی تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اتنی پرآسائش زندگی عطا کی۔"

"میں خدا کی ناشکری نہیں کر رہی بجو! صرف انسانوں کے رویے پر رو رہی ہوں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو درست طور پر استعمال نہیں کرتے۔ اچھا بجو! چائے تو پلوا دیں۔"

"وہ بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔"

"ہاں تم لیٹو... میں بناتی ہوں چائے۔ اب سونہ جانا۔"

فاطمہ اٹھ کر چلی گئی تو وہ میگزین دیکھنے لگی۔ چائے بھی پی لی گئی' مگر رات کو اس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ معدے میں نہ جانے کیسا انفیکشن ہوا کہ اس کی طبیعت خاصی خراب ہو گئی۔ الٹیاں ہونے لگیں۔ گھر میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ کئی ڈاکٹرز سے رابطہ کیا گیا تو پتا چلا کہ فوڈ پوائزن ہوا ہے۔

"کیا کھایا تھا بے بی نے۔ احتیاط نہیں ہوتی آپ لوگوں سے۔"

پپا کی گونجدار آواز سے گھر بھر ہل رہا تھا۔ فاطمہ چور سی بنی کھڑی تھیں۔ گویا سارا قصور انہی کا ہو۔

"فاروق صاحب! بے بی نے کچھ بہت تیز مسالے والی چیزیں کھائی ہیں۔ جن کو اس کا کمزور معدہ قبول نہیں کر سکا۔" ڈاکٹر احسان اس کے معدے کو کھنگالنے کے بعد بولے۔ تو

فاروق احمد نے فاطمہ' آمنہ پر ایسی نگاہ ڈالی کہ رگوں میں ان کا خون منجمد ہونے لگا۔

"گھر میں تو کبھی تیز مسالے والی چیز نہیں بنی پھر اس نے کیا اور کہاں سے کھایا ہے۔" پپا کے تفتیشی انداز سے فاطمہ سب کچھ بتانے پر

مجبور ہو گئی۔

"وہ پپا جی! بے بی بتا رہی تھی کہ اس نے یونیورسٹی سے بریانی کھائی تھی۔ ہو سکتا ہے اسی سے ہوا ہو۔" اس نے کانپتے لہجے میں سب کچھ بتا دیا۔

"واٹ... یونیورسٹی سے۔" وہ غصے میں لرزتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ فاطمہ نے سانس روک لیا۔ بھائی بھی انہیں اور بے ہوش سجیلہ کو تیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

"کس نے اجازت دی اسے کہ یہ یونیورسٹی سے کھانا کھاتی پھرے۔ پتا بھی ہے تم لوگوں کو کہ باہر کی چیزیں کس طرح تیار ہوتی ہیں۔ کتنے گندے طریقے سے بنتی ہیں پھر سجیلہ کو کس نے اجازت دی وہ۔"

"اوہو فاروق صاحب! یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے۔ یہی انسانی معدہ کبھی تو بہت کچھ ہضم کر جاتا ہے اور کبھی معمولی سی چیز بھی برداشت نہیں کر پاتا اس میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

ڈاکٹر احسان تو یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ بیٹی کی بیماری کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں۔ مگر یہ بات... فاطمہ سمیت سب جان رہے تھے' سمجھ رہے تھے کہ اصل غصہ ان کو اس بات پر آ رہا تھا کہ ان کی حکم عدولی کی جرأت کیونکر ہوئی سجیلہ کو۔

"فاروق! آپ ناحق پریشان ہو رہے ہیں' سجو ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو جائے گا۔ آپ مت سوچیں زیادہ۔" صوفیہ بیگم کو سجیلہ سے زیادہ شوہر کی فکر لاحق ہو گئی۔

"بیگم فاروق بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ فاروق صاحب آپ پرسکون رہیں اب میں چلتا ہوں کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ بے بی انشاءاللہ صبح ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"

"حد ہو گئی۔ یہاں تو پرواہی نہیں کسی کو کہ باپ نے جس بات سے منع کیا ہے وہ نہ کی جائے۔ تم لوگوں کو من مانی کی جرأت کیونکر ہوئی۔ آج اس نے اس بات میں من مانی کی ہے کل نجانے۔"

"پپا! آپ کو یاد ہے میں نے کتنی مخالفت کی تھی۔ سجیلہ کے یونیورسٹی ایڈمیشن کی مگر اس وقت بھی یہ فاطمہ صاحبہ کو ہمدردی چڑھی ہوئی تھی کہ نہیں یہ یونیورسٹی ضرور جائے گی۔ نہیں گئی تو گویا قیامت ہی تو آ جائے گی۔"

راحیل بھائی کو تو بس بہنوں کے خلاف بولنے کا موقع چاہئے تھا۔ فاطمہ بے چاری نظریں جھکائے سر نیچے کیے واقعی مجرمہ بنی کھڑی تھیں۔

"بس کل سے اس کا یونیورسٹی جانا بند' کوئی ضرورت نہیں کہ یہ ایم ایس سی کرتی پھرے۔ اسے کوئی نوکری نہیں کرنی۔ فاطمہ اور آمنہ باجی نے بھی بی اے کر رکھا ہے۔ یہ بھی کرے اور ختم بس' اب یہ نیورسٹی نہیں جائے گی۔"

عدیل اپنا فیصلہ سنا کر باہر نکل گیا۔ اسی طرح آمنہ اور نبیل کا بھی یہی فیصلہ تھا کہ سجیلہ چونکہ من مانی کرنے لگی ہے اس لئے یہ یونیورسٹی

نہیں جائے گی۔

''ٹھیک ہے فاطمہ ! سجیلہ کو بتادو کہ اب وہ یونیورسٹی نہیں جائے گی۔ میں دیکھ رہا ہوں یہ خود سر ہوتی جا رہی ہے اور مجھے لڑکیوں کی خود سری اور ہٹ دھرمی قطعی پسند نہیں۔ بیگم میری طبیعت خراب ہو رہی ہے دوا دے دو۔''

فاروق احمد اپنا فیصلہ سنا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ساتھ ہی صوفیہ بیگم بھی اٹھ گئیں۔

''نجانے کیسی اولاد ہے کہ یہ نہیں دیکھتی کہ بات بے بات باپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے تب بھی یہ اپنی من مانی کریں گی۔ فاطمہ ' بے بی کی اس خود سری میں تمہارا زیادہ ہاتھ ہے۔ ٹھیک ہو جائے تو اسے بتا دینا جو باپ بھائیوں نے کہا ہے۔''

جاتے جاتے پلٹ کر صوفیہ بیگم نے تیز نظروں سے فاطمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی بہتر ممی کہہ دوں گی۔''

سجیلہ اس وقت کچھ تو نقاہت کی وجہ سے اور کچھ دوا کے زیر اثر بے ہوش تھی۔ اسے خبر ہو جاتی کہ اس سے آزادی کے وہ چند گھنٹے جن میں وہ زندگی کو بھرپور انداز میں انجوائے کرتی ہے۔ چھن رہے تو وہ ایسا ہنگامہ کرتی کہ سب کو پریشان کر کے رکھ دیتی۔ اس کے سرہانے بیٹھی فاطمہ یہی سوچ رہی تھیں کہ وہ کس طرح سجیلہ کو پپا اور بھائیوں کا فیصلہ سنائیں گی۔

فاروق احمد خاندانی رئیس تھے۔ قیام پاکستان سے قبل ان کے آباؤ اجداد بے شمار جاگیر کے مالک تھے۔ نوابانہ زندگی تھی مگر پاکستان بنا تو وطن کی محبت میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ

آئے۔ یہاں ان کو جو کچھ ملا وہ ان کی اصل جاگیر کے تو پاسنگ بھی نہیں تھا مگر پھر بھی اتنا تھا کہ معاشرے میں سر اٹھا کر چل سکتے تھے... اور جب خدا مہربان ہو تو سب کچھ حق میں ہوتا چلا جاتا ہے۔ فاروق احمد کے والد قسمت کے کچھ اتنے دھنی تھے کہ مٹی کو بھی ہاتھ ڈالتے تو سونا بن جاتی تھی۔ اور انہوں نے جو بزنس شروع کیا اس میں اتنی ترقی ہوئی کہ ان کے نوابانہ ٹھاٹ بھی لوٹ آئے۔ فاروق احمد دو ہی بہن بھائی تھے۔ والد صاحب نے اپنی زندگی میں دونوں کو حصہ دے دیا تاکہ کسی کو کوئی شکایت نہ رہے۔

والد کے انتقال کے بعد فاروق احمد نے کاروبار کو مزید چمکایا اور معاشرے کی اپر کلاس میں داخل ہو گئے۔ فاروق احمد فطری طور پر بہت سخت اور اصول پرست واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی ذات کیلئے ' بیوی کیلئے اور بچوں کیلئے بہت سخت اصول بنائے تھے۔ کوئی بات ان کے حکم کے خلاف ہو جائے یہ تو وہ برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔

صوفیہ بیگم سے ان کی چونکہ پسند کی شادی تھی اس لئے دونوں ایک دوسرے پر جان دیتے' ان کے تین بیٹے تھے۔ راحیل' عدیل اور نبیل جبکہ تین ہی بیٹیاں فاطمہ' آمنہ اور سجیلہ تھیں۔ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود فاروق احمد بہت روایتی اور قدرے سطحی سوچ رکھتے تھے۔ بیٹوں اور بیٹیوں میں وہ خاصا فرق رکھتے تھے' ان کے مطابق بیٹے تو مان ہوتے ہیں' ان ہی سے تو نام چلتا ہے تو ان ہی کی قدر

کرنی چاہئے لیکن عجیب بات تھی کہ صوفیہ بیگم بھی شوہر کی ہم خیال تھیں۔

کلفٹن جیسے علاقے میں تین ہزار گز پر عالی شان کوٹھی تیار کر کے جدید آسائشوں سے مزین کر کے بیٹیوں کے کمروں کو ہر آسائش سے سجا کر وہ یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنا حق ادا کر دیا۔ لہٰذا اب ان کو کسی چیز کی ضرورت نہیں' کوئی طلب نہیں اور نہ ہی ان کو کچھ کہنے کا حق ہے' جب بن کہے ہر خواہش پوری کر دی جاتی ہے تو پھر ان کو کیا حق ہے کہ وہ زبان چلائیں یا ان کے حکم کے خلاف کام کریں۔ فاطمہ' آمنہ کو واقعی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی جو پاپا جی اور ممی نے کہہ دیا جی بہتر جیسا حکم کہہ کر سر جھکا لیا۔ البتہ سجیلہ چونکہ سب بہن بھائیوں میں چھوٹی تھی اسے سب کی طرف سے بہت پیار و محبت ملا تھا۔ وہ اس کا فائدہ بھی حاصل کر لیتی تھی اور کچھ وہ فطری طور پر کچھ انقلابی سوچ اور انحراف کرنے کا حوصلہ رکھتی۔ وہ کچھ زیادہ ہی حساس تھی۔ وہ اپنے گھر کے ماحول کا دوسرے گھروں کے ماحول سے موازنہ کرتی تو اسے اپنے گھر کا ماحول ایب نارمل لگتا۔ سب ہی کچھ تو جدا گانہ تھا بھلا ایسا کہاں ہوتا تھا جیسا ان کے ہاں ہوتا تھا کہ ماں کو اپنے بچوں سے زیادہ شوہر سے پیار ہو' وہ شوہر کی خوشنودی کیلئے بچوں کی جائز خواہشات کا بھی گلا گھونٹ دے' یہ حقیقت تھی کہ نہیں یا صرف سجیلہ کے محسوسات تھے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بہت محسوس کرتی تھی' جبکہ آمنہ اور فاطمہ کو تو لگتا تھا کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ کتنی خاموش... اور صابر تھیں' یا وہ اس ماحول کا حصہ بن چکی تھیں۔ اسے تو اس گھر کے ماحول سے کوفت ہوتی اس کا خیال ہی نہیں یقین تھا کہ اتنا سخت ماحول' اتنی سخت پابندیاں تو کسی ملٹری اکیڈمی میں بھی نہیں ہوتی ہوں گی۔ وقت پر کھاؤ پیو' یہاں جاؤ وہاں نہ جاؤ جس سے ان کا حکم ملے بات کرو' جس سے نہیں اس کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں' جیسا ممی نے کہہ دیا ویسا ہی فیشن کرنا ہے' ویسے ہی کپڑے پہننے ہیں۔ اپنی ذاتی پسند ناپسند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ساری پابندیاں یہ باتیں فاطمہ' آمنہ کی فطرت کا حصہ ضرور بن گئی تھیں مگر سجیلہ کی اکھڑ طبیعت سے اکثر گھر میں چھوٹا موٹا ہنگامہ ہو جاتا مگر چھوٹا ہونے کا اسے بہر حال فائدہ ضرور ہو جاتا۔ اسی لئے تو ایف ایس سی کرنے کے بعد اس نے ضد پکڑی کہ وہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہے۔ پہلے تو اسے یوں دیکھا گیا گویا اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہے۔ یا اس نے کسی ایسی جگہ جانے کی خواہش کی ہے جو بہت بری ہو... داخلے شروع ہو چکے تھے۔ اور فارم لینے کی تاریخ میں ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ راحیل بھائی نے پپا کو جانے کیا پڑھا دیا تھا کہ وہ مان کر ہی نہیں دے رہے تھے مگر اس نے بھی رو رو کر زمین آسمان ایک کر دیا۔ یوں فاطمہ اور ممی کے بے حد اصرار پر اسے اجازت دے دی گئی۔ یا یوں بھی کہ خدا کو اس کی آزادی کے چند گھنٹے منظور تھے لیکن اس وقت بیہوش پڑی سجیلہ... کو کچھ خبر نہیں تھی کہ اس کے یونیورسٹی نہ جانے کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔

☆...☆...☆

''امی! امی جلدی چلئے ماموں جان فرخ کو وحشیوں کی طرح پیٹ رہے ہیں۔'' زیب بدحواس سی... بھاگتی ہوئی آئی اور ماں کا شانہ ہلا

کر کہا۔ مگر وہ ویسے ہی بیٹھی رہیں۔

"امی! کچھ سنا ہے آپ نے چھوٹے ماموں بری طرح پیٹ رہے ہیں فرخ کو' آپ کو آوازیں نہیں آرہیں فرخ کے تڑپنے کی۔ امی کیا ہو گیا ہے آپ کو۔"

زیب نے ساکن بیٹھی ماں کو جھنجھوڑا تو وہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں۔

"جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے' خدا کرے مر جاؤ تم سب' کہہ دو جا کر اپنے تینوں ماموؤں سے تم سب بہن' بھائیوں کو لائن میں کھڑا کر کے شوٹ کر دیں نہیں مرا جاتا مجھ سے پل پل... میری ممتا کو کانٹوں پر نہ گھسیٹا کریں۔"

نسیمہ بیگم فرش پر بیٹھ کر بری طرح رونے لگیں تو دکھی ماں کو یوں روتے دیکھ کر اور کچھ چھوٹے بھائی کو پٹتا دیکھ کر زیب کمزور پڑ گئی' اس کا جی چاہا ابھی جا کر ماموں کی بھی ویسے ہی پٹائی کرے جیسے وہ روز ہی کسی نہ کسی بات پر فرخ کی یا اس کی کسی چھوٹی بہن کی پٹائی کر دیا کرتے تھے۔ یا پھر ان امیوں کا گلا دبا دے جن کو ان کی ماں سمیت سب بھائی بہنوں کا وجود چبھتا تھا۔ جن کی شکایتوں پر ماموں کسی بھی بات کی تصدیق کیے بغیر ان کو پیٹنا شروع کر دیتے تھے۔ یہ جانے بغیر کہ ان کا قصور کیا ہے لیکن شاید ان کا سب سے بڑا قصور یہ تھا

کہ تقدیر نے ان کے در پر لا پھینکا تھا۔

"امی! یہ پانی پی لیں۔" زیب پانی کا گلاس لے آئی تھی ماں کیلئے۔

"اس بدنصیب کو دیکھا کہاں ہے وہ؟"

نسیمہ بیگم نے بھیگی آنکھوں سے فرخ کے بارے میں پوچھا۔

"پتا نہیں امی باہر نکل گیا ہے۔"

"باہر نکل گیا ہے۔ اسے باہر کیوں جانے دیا زیب؟"

"میں تو آپ کے پاس تھی' امی پتا نہیں کب باہر نکل گیا۔"

"اسے دیکھو جا کر زیب کہاں نکل گیا ہے وہ' پوچھو کسی سے۔ بڑا بدنصیب بھی ماموں سے پٹنے کے بعد ایسا گھر سے نکلا کہ میرے بچے کو گھر کی چوکھٹ دوبارہ دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔ میرا بچہ کہاں دربدر ہو رہا ہو گا۔ صدیاں ہی بیت گئیں میرے شہزادے کو بچھڑے ہوئے' یارب اب دوسرا بھی کہیں چلا گیا تو کس کے آسرے پر زندہ رہوں گی۔ میرے مولا' میری خطائیں بخش دے۔"

نسیمہ بیگم بڑے بیٹے کو یاد کر کے بری طرح دکھی ہو گئیں۔

"امی یہ تو کوئی تک نہیں کہ ہمیں پاس رکھنے کی اتنی بڑی قیمت وصول کر رہے ہیں۔ بے دام کے غلام ہیں ہم ان کے' سارا وقت ملازموں کی طرح کام کرو

ذرا جو حکم عدولی ہو جائے تو وحشی بن جاتے ہیں اور ماموں کے ماتھے کے بل تو کبھی اترتے ہی نہیں۔"

"خدا کی ذات سب سے بڑی منصف ہے... وہ دیکھ رہا ہے میرے تو کچھ بھی اختیار میں نہیں!" نسیمہ بیگم کی آواز پھر رندھ گئی۔

"امی! آپ آخر کچھ کہتی کیوں نہیں چاہے کچھ کہیں یا مامی بے عزتی کر دیں آپ بس خاموشی سے سنتی رہتی ہیں۔ آپ ان سے کیوں نہیں کہتیں کہ میرے بچوں کو مت مارا کرو' میرے بھائی فرخ کو کیوں وحشیوں کی طرح مارتے ہیں... میری معصوم بہنیں غلام بنی رہتی ہیں تب بھی؟" وہ سسک اٹھی۔

"اس لئے میری جان کہ ہم ان کے ٹکڑوں پر پل رہے ہیں۔ ان کے دستر خوان پر تین وقت بیٹھ کر کھاتے ہیں تو پھر جو انسان کھلائے گا۔ اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کی قیمت بھی وصول کرے' خواہ کسی بھی انداز میں اور جب ہمارا رزق اللہ پاک نے ان کے رزق میں شامل کر دیا ہے تو ہم ان سے لڑ نہیں سکتے۔ ان کے چھت کے نیچے رہتے ہوئے ان کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے۔ اٹھائیں گے بھی تو در و دیوار اپنے مالکوں کا ساتھ دیں گے اور میں تو اتنی مجبور و بے کس ہوں کہ بیٹا کھو گیا مگر کچھ نہیں کر سکی۔ وہ میرا بیٹا' میرا عمیر' سب سے بڑا بیٹا والدین کا سہارا ہوتا ہے مگر میرا یہ سہارا قسمت نے بچپن ہی میں چھین لیا تھا مجھ سے' آج اگر یہاں ہوتا' تو نجانے کہاں ہے میرا بیٹا؟"

نسیمہ بیگم کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے۔

"تو امی! کیا بھیا کو تلاش نہیں کیا گیا تھا۔"

"ہونہہ! بقول تمہارے ماموؤں کے ہم نے شہر کا ہی نہیں ملک کا چپہ چپہ چھان مارا ہے' لیکن نجانے کہاں چلا گیا ہے؟ میرے بچے پر ایسے ایسے الزامات دھرے کہ میں نے خود بھی اس کی واپسی کی دعائیں کرنا چھوڑ دیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوگا اپنی مرضی سے تو سانس لے رہا ہوگا ناں۔ بس میری رب عظیم سے یہ ہی التجا ہے کہ زندگی میں ایک بار میرا بچہ ضرور ملا دے۔"

وقتی طور پر وہ فرخ کو بھول چکی تھیں اور عمیر کی یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔

"کاش بھیا ہوتے تو۔ تو امی آج ہم ماموؤں کے در پر اتنے ذلیل نہ ہو رہے ہوتے' اپنے الگ گھر میں رہ رہے ہوتے لیکن شاید ہماری قسمت ہی خراب ہے۔" زیب ماں کی گود میں سر رکھ کر رو پڑی۔

"ہاں بچی خراب نہ ہوتی تو تمہارے ابو ہی کیوں ہمیں ہمیشہ کیلئے چھوڑ جاتے وہ زندہ تھے تو کتنے مان تھے ان کی ذات کے ساتھ' پرانا سہی اپنا گھر تھا۔ اپنی حکمرانی تھی مگر آہ موت۔ جب کسی انسان کو لینے آجاتی ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتی کہ وہ جسے لینے آئی ہے وہ کتنا قیمتی ہے۔ کسی کیلئے اس کی کتنی ضرورت ہے۔ موت بھی تو اللہ کے حکم کی تابع ہوتی ہے۔ آتی ہے لے جاتی ہے چاہے ہم جیسے پل پل جئیں یا مریں۔"

رات کے ساڑھے گیارہ کا وقت ہو چلا تھا۔ فرخ ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ گھر بھر میں سکون تھا۔ کسی کو کوئی فکر یا پریشانی نہیں تھی مگر ان ماں بیٹیوں کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ نسیمہ کی نہ

تو اتنی حیثیت تھی اور نہ جرأت کہ وہ بھائیوں سے اس کم نصیب کا جرم تو پوچھتیں جو ابھی صرف تیرہ برس کا تھا۔ اس کا قصور کیا تھا۔ کون سا اس نے کسی کی شان میں گستاخی کر دی تھی۔ وہ پتھرائی آنکھوں سے فرخ کے انتظار میں بیٹھی تھیں' الٹے سیدھے وسوسے ناگ بن کر ڈس رہے تھے۔ آنکھوں میں ماضی

کنکر بن کر چبھنے لگتا۔

وہ لوگ تین بھائی اور یہ اکلوتی بہن تھیں۔ والد اوسط درجے کے بزنس مین تھے۔ گھر میں سکون تھا۔ رزق تھا۔ بڑی خوشحال زندگی بسر ہو رہی تھی۔ بڑے بھائی شوکت حسن تھے پھر نسیمہ تھیں اس کے بعد مشتاق اور سب سے چھوٹے فیاض تھے' شوکت حسن اپنے تایا کے گھر شادی کرنا چاہتے تھے۔ آسیہ ان کو بہت پسند تھیں جبکہ آسیہ کے بڑے بھائی نسیمہ کو از حد چاہتے تھے لیکن خود نسیمہ نے زندگی کے سارے خواب اپنے ماموں زاد مراد کے حوالے سے دیکھے تھے اور شوکت کے تایا بھی ادلے بدلے کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ نسیمہ کے والدین شمس الدین بھی یہ ہی چاہتے تھے جبکہ نسیمہ اپنے اکلوتے بھائی کی خواہش پوری کرتے ہوئے نسیمہ اور مراد کی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ یہی بات خاندان میں تنازع کا باعث بن گئی۔ بڑے ہنگامے ہوتے رہے۔ نسیمہ اور مراد تو پل پل ڈول جاتے تھے' پل پل صورتحال تبدیل ہوتی تھی۔

''نسیمہ! اگر تم مجھے نہ ملیں تو میں کیا کروں گا۔ میں زندہ نہیں رہوں گا۔ یوں تمہارے بغیر زندہ رہ ہی نہیں سکتا۔''

مراد نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام رکھا تھا۔

''ہم کر بھی کیا سکتے ہیں مراد! ہو گا تو وہی جو خدا کو منظور ہو گا۔''

نسیمہ سے مراد کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔

''نسیمہ! میں تمہارے تایا کے بیٹے سے خود بات کرتا ہوں' وہ اچھا بھلا آدمی ہے سمجھ لے گا ہو سکتا ہے خدا اسے ہی وسیلہ بنا دے۔''

''خدا تو ہر بات پر قادر ہے مراد! وہ چاہے تو اسے ہی وسیلہ بنا سکتا ہے لیکن ڈرتی ہوں کہ کہیں وہ غلط معنوں میں نہ لے لے۔''

''جب خدا پر بھروسہ کیا ہے تو ڈرنا کیسا۔ ویسے بھی یہ... بات تو سارے خاندان کو معلوم ہے' میں اس سے بات کروں گا آگے جو خدا کو منظور۔''

خدا کے بھروسے پر جو کام کیا جائے ناممکن ہے کہ انسان اس میں ناکام ہو' مراد نے نسیمہ کے تایا زاد ظہیر سے بات کی تو انہوں نے فراخ دلی سے پیچھے ہٹ جانے ہی میں سب کی بہتری جانی۔ ویسے بھی وہ نسیمہ کو سچے دل سے چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ نسیمہ کی چاہت بھی سچی ہو کھوٹ سے پاک ہو مگر جب اس کے دل میں مراد کی چاہت تھی تو وہ اس سے شادی کیوں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے خود شوکت اور آسیہ کا رشتہ کیا۔ یوں مراد اور نسیمہ بھی جیون ساتھی بن گئے۔

زندگی بہت حسین ہو گئی تھی۔ ساتھی من پسند ہو تو زندگی اور بھی خوبصورت ہو جاتی ہے۔ مراد ایک فیکٹری میں ملازم تھے۔ ان کا اپنا گھر تھا جسے نسیمہ کی چاہت اور سلیقے نے جنت بنا ڈالا تھا۔ پھر جب خدا نے دو بیٹے اور تین بیٹیاں بھی عطا کر دیں تو دونوں خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے۔

نسیمہ! کوئی ہم سا خوش نصیب ہو گا جو چاہا اللہ نے عطا کر دیا۔ سوچو ذرا اگر ہم لوگ... جدا ہوتے تو کیا اتنے خوش رہ سکتے تھے' میں نے کہا تھا کہ میں تو ''تمہارے بغیر رہ نہیں سکتا۔ میری ترقی ہو جائے گی' دیکھنا انشاء اللہ ہم پھر بڑا گھر لیں گے۔ نیا خوبصورت سا... اپنے خوابوں کا مسکن خود بنائیں گے۔

اور وہ جو خوابوں کا مسکن بنانے جا رہا تھا اپنی محبوب بیوی کیلئے نیا خوبصورت گھر تعمیر کرنا چاہتا تھا اتنا بد عہد نکلا کہ نسیمہ سے گھر تو کیا سرے سے سہاگ کی چادر بھی چھین کر لے گیا اور ویران جگہ پر صرف اپنا دو گز پر مشتمل گھر بنا کر خود غرضی سے اکیلا اس میں آرام کرنے لگا۔ اس منحوس دن فیکٹری میں بجلی نہیں

تھی۔ مراد نے سوچا جب تک بجلی آئے' تب تک مشین میں آئل وغیرہ ڈال دیا جائے اور کچھ صفائی بھی کر دی جائے مگر... قسمت کہ مراد نے جیسے ہی ہاتھ ڈالا اسی وقت بجلی بحال ہو گئی اور وہ چیخ جس نے کام کرنے والوں کو دہلا کر رکھ دیا مراد کی آخری ہچکی میں بدل کر ختم ہو گئی۔ سب کچھ ختم ہو گیا۔ ارمانوں سے بیاہی گئی سہاگن آج اجڑے روپ کے ساتھ بیوہ بنی بیٹھی تھی۔ پانچوں بچے ماں سے لپٹے ہوئے تھے اور وہ سکتے کی سی حالت میں صرف مراد کی تصویر کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ تصویر انہوں نے شادی سے پہلے بطور خاص نسیمہ کیلئے بنوائی تھی۔ اور نسیمہ نے بھی اسے ہمیشہ جان کے ساتھ لگا کر رکھا تھا۔

''اتنا بد عہد تو کوئی بھی نہیں ہوتا مراد کتنے دعوے کیے تھے آپ نے لیکن سب جھوٹے۔ آپ نے تو کہا تھا کہ آپ میرے بغیر جی نہیں سکتے... میں تو ابھی تک زندہ ہوں۔ مراد پھر آپ کیوں مر گئے' کیوں چھوڑ گئے ہیں مجھے زمانے کی تپتی دھوپ میں تنہا' سچ ہے کہ دعویٰ کرنے والے کچھ نہیں کرتے جھوٹے ہوتے ہیں اور جو دعوے وعدے نہیں کرتے' وہ نبھاتے ہیں سب کچھ کرتے ہیں' مراد میں کیونکر نہ منزل طے کر پاؤں گی مراد یہ کیا کیا آپ نے۔''

مراد کے اور بہن بھائی تو تھے نہیں کہ نسیمہ سسرال میں رہتیں چنانچہ ماں اپنے پاس لے آئیں گو کہ ان کا یوں بچوں سمیت آجانا اور وہ بھی تمام عمر کیلئے بھلا کس بھابی کو یہ سودا گوارا تھا۔ چنانچہ کسی نے برملا کسی نے چھپ کر ان کی آمد پر احتجاج کیا۔

''ہونہہ! میرے بھائی سے شادی کر لی ہوتی تو آج یوں برباد نہ ہوتی۔''

آسیہ بیگم کو تو موقع مل گیا تھا بات کرنے کا۔

''ایسی باتیں نہ کرو آسیہ! موت و زندگی بلکہ سارے فیصلے خدا کے اختیار میں ہیں اگر نسیمہ کی ظہیر بھائی کے ساتھ لکھی ہوتی تو ضرور ہو جاتی' موت تو ہر ذی روح کو آنی ہی ہے۔'' شوکت بھائی تھے نسیمہ کے۔

''اچھا خیر اب کیا کرنا ہے پانچ بچے اس کے ہیں۔ ہمارے اپنے بھی اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہم لوگ۔''

''اوہو! آسیہ سر پر پڑ جائے تو جیسے تیسے گزارا کرنا ہی پڑتا ہے اور پھر نسیمہ ہم تینوں بھائیوں کی ذمہ داری ہے۔ اب تین بھائیوں کے ہوتے ہوئے بیوہ بہن کو کہاں دھکا دیں۔''

''اسے الگ سے گھر لے کر دے دیں۔'' آسیہ بیگم کم از کم نسیمہ کو برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔

''الگ گھر لے کر دیں' پھر خرچہ دیں۔ یہ ڈبل ڈبل ذمہ داریاں کہاں سے آئے گا اتنا۔''

مشتاق اور ان کی بیگم زاہدہ اس بات پر متفق تھے۔ چنانچہ کافی بحث کے بعد یہ ہی طے ہوا کہ نسیمہ بچوں سمیت یہیں رہیں گی۔ کہنے کو وہ حصے دار اور گھر کی بیٹی تھیں۔ مگر ان کی حیثیت ملازمہ سے کم نہیں تھی۔ بھائیوں اور بھابیوں کا رویہ ایسا ہوتا کہ وہ دل تھام کر رہ جاتیں۔ شوہر کے گھر راج کرنے والی نسیمہ کو آج جب چھوٹی چھوٹی ضرورت کیلئے بھائیوں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا تو ان کی روح تڑپ جاتی۔ جب تک ماں باپ زندہ رہے تھے کچھ لحاظ تھا' مگر جب سے ان کا انتقال ہوا تھا۔ نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ بھائیوں اور بھابیوں کے رویوں میں' ان لوگوں کے بچے ان کے بچوں کو دھن ڈالتے مگر مجال ہے جو ماں یا باپ اپنے بچوں کو تنبیہ کر جائیں۔ شوکت بھائی کا بڑا بیٹا جو عمیر کا ہم عمر ہی تھا۔ انتہائی اکھڑ اور بدتمیز تھا اور ماں کے بہکائے میں اگر عمیر اور اس سے چھوٹی زیب کو... تنگ کرتا۔ بلاوجہ مارتا۔ اگر وہ مزاحمت کرتے یا عمیر بھی غصے میں آکر ایک آدھ ہاتھ جڑ دیتا تو گھر میں ایسا ہنگامہ ہوتا کہ خدا کی پناہ۔

"حد ہوگئی ہمارے ہی ٹکڑوں پر پلنے والے ہمارے ہی بچوں کا جینا دوبھر کر دیں۔"

آسیہ بیگم نے خود تو عمیر کو مارا ہی تھا اب مشتاق سے (جو ویسے ہی نسیمہ اور ان کے بچوں سے خار کھائے بیٹھے تھے) سے شکایت کر دی تو مشتاق نے آئو دیکھا نہ تائو اور عمیر کو دھن ڈالا۔

"مشتاق خدا کے واسطے بس کرو' اس میں سراسر شعیب کا قصور ہے' اس نے خود میرے سامنے عمیر کو نیچے گرایا اور مارنے لگا۔

نسیمہ آخر ماں تھیں' کہاں تک برداشت کرتیں انہوں نے بھائی کا ہاتھ روک دیا۔

"ہاں قصور تو سراسر ہمارا ہے کہ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے بچوں کیلئے عذاب خریدا ہے نسیمہ' اگر تم نے بچوں کی غلطیوں پر یوں ہی پردہ ڈالا ناں تو ایک روز چور' ڈاکو بن جائیں گے۔"

"خدا نہ کرے بھابی! کیسی باتیں کرتی ہیں' آپ ان کو کھلاتے ہیں۔ سر چھپانے کو چھت دی ہوئی ہے' جو چاہے آپ ان کے ساتھ سلوک روا رکھیں۔"

اور پھر نسیمہ نے اپنی تڑپتی ممتا کے سینے پر صبر کی سل رکھ دی' اب تو عمیر بھی ڈھیٹ اور خود سر ہوتا جا رہا تھا۔ جو ماموں' مامی کہتے الٹے کرتا۔ وہ کچھ بھی تھا مگر بغیر پوچھے اس نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ کجا پیسے چراتا۔ ایک روز آسیہ نے اپنے پیسے چوری کرنے کے الزام میں خود بھی اور پھر فیاض سے عمیر کی اتنی پٹائی کروائی کہ وہ ایسا گھر سے بھاگا کہ ماں کی آنکھیں پتھرا گئیں مگر وہ نہیں پلٹا۔ کیا ستم تھا کہ وہ حرف شکایت تک لبوں تک نہیں لا سکیں۔ وہ تیرہ برس کا تھا۔ جب جدا ہوا تھا۔ فرخ ایک برس کا تھا۔ آج فرخ تیرہ سال کا تھا اور تیرہ سال ہو گئے تھے عمیر کو جدا ہوئے۔

"امی! فرخ!" زیب کی چیخ پر نسیمہ کی نگاہیں دروازے پر جم گئیں۔

☆...☆...☆

"امی فرخ۔" زیب کی چیخ پر نسیمہ کی نظریں سامنے اٹھیں تو لگا جیسے کلیجہ مسل ڈالا ہو کسی نے' فرخ شعیب کی بانہوں میں بیہوش پڑا تھا۔ سر پر پٹی بندھی تھی' اور پٹی سے خون ابھی بھی نکل رہا تھا۔ ان میں ہمت ہی نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگائیں۔

"فرخ! میری جان! میرے بھیا! کیا ہوا ہے تمہیں؟"

زیب تڑپ کر بھائی کی طرف بڑھی۔ وہ اسے چھونا چاہتی تھی مگر شعیب نے ڈپٹ دیا۔

"ہٹو پیچھے!" شعیب نے فرخ کو بیڈ پر لٹایا پھر نسیمہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"پھپھو! آپ کا ذرا بھی کنٹرول نہیں ہے بچوں پر۔ پتا ہے ٹرک کے نیچے آتے آتے بچا ہے۔ سر پر چوٹ تو سڑک پر گرنے سے لگی ہے۔ شکر کریں ٹرک سے بچ گیا۔" شعیب ساری تفصیل بتا رہا تھا۔ نسیمہ آہستگی سے چلتی بے سدھ پڑے فرخ کے قریب آ گئیں۔

"اچھا تھا ٹرک کے نیچے ہی آ گیا ہوتا۔ ایک ہی بار مرتا ناں' ایک ہی بار رونا پڑتا ناں' بار بار تو' فرخ میری جان میرے بچے!"

"نسیمہ نے فرخ کا سر گود میں رکھ لیا اور بری طرح رونے لگیں۔"

" امی جان! اس طرح اسے گود میں لٹا کر مت روئیں۔ یہ ہماری امید ہے امی! خدا ہماری امید کو سلامت رکھے۔ میں اس کیلئے دودھ لے کر آتی ہوں۔"

زیب آہستگی سے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

" پھپھو' ایک بات تو ہے کہ فرخ بہت بد تمیز ہو گیا ہے۔"

" کیوں آپ کی مونچھوں کے بال نوچنے لگا ہے فرخ۔"

زیب سے چھوٹی شذرا جواب تک خاموش کھڑی خود پر کنٹرول کر رہی تھی۔ انتہائی بد تمیزی سے بولی تو شعیب تپ کر رہ گیا۔

" دیکھ رہی ہیں آپ پھپھو' شذرا کی زبان بے لگام ہوتی جا رہی ہے۔ پتا ہے فرخ کو انکل مشتاق نے کیوں مارا؟ کیا حرکت کی تھی اس نے۔"

" کوئی حرکت کی ہو یا نہ کی ہو' بیٹا حق ہے تم لوگوں کا جو چاہو ان کے ساتھ رویہ روا رکھو' میں نے کب اعتراض کیا ہے' یہ لوگ ابھی نا سمجھ ہیں جانتے نہیں کہ جن کے ٹکڑوں پر پلتے ہیں ان کے غلاموں کی غلامی کرنی پڑتی ہے۔"

نسیمہ نے بولتے بولتے زیب کی طرف دیکھا جو خالی ہاتھ لوٹ آئی تھی۔

" وہ امی! دودھ تو شام کو ہی ختم ہو گیا تھا۔ بڑی مامی کہہ رہی ہیں۔"

" خوا مخواہ میں ختم ہو گیا۔ دو کلو دودھ میں خود فرج میں رکھ کر آئی ہوں۔" اور پھر اس سے قبل کہ نسیمہ اسے روکتیں شذرا تیزی سے باہر نکلی۔

" خدایا خیر' یہ لڑکی کہیں میرا سائبان بھی نہ چھین لے۔"

نسیمہ بیگم دل میں خدا سے خیریت کی دعائیں مانگنے لگیں۔ کیونکہ شذرا انقلابی سوچ کی حامل تھی۔ وہ حق مانگنے کی نہیں چھیننے کی قائل تھی۔

" مامی! آپ کو معلوم ہے ناں کہ فرخ کے چوٹ آئی ہے سر پر۔ اسے دودھ کی ضرورت ہے۔ اس کیلئے دودھ کا ایک گلاس چاہئے۔"

اس نے ٹی وی دیکھتے شوکت حسین کو سنانے کی غرض سے کہا۔ کیونکہ وہ سارا دن تو فیکٹری میں رہتے تھے۔ ان کو نہیں معلوم تھا' گھر میں کیا ڈرامے ہوتے رہتے ہیں۔

" چوٹ فرخ کو چوٹ آئی ہے' کیسے کب؟"

شوکت حسین جو پروگرام میں بہت منہمک تھے' فرخ کی چوٹ کا سن کر شذرا کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور اس سے قبل کہ شذرا ساری تفصیل سے آگاہ کرتی' آسیہ بیگم بول پڑیں۔

" شوکت! آپ تو سارا دن باہر گزارتے ہیں۔ اور ویسے بھی گھر میں آپ کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہے۔ آپ کو کیا پتا گھر میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں۔ شام کو مشتاق نے نہ پڑھنے پر دو ہاتھ لگا دیئے فرخ کو تو وہ گھر سے بھاگ گیا۔ ابھی گھنٹہ بھر پہلے شعیب اسے لیکر آیا ہے۔ سر پر چوٹ لگی ہے گر گیا تھا غالباً۔"

آسیہ بیگم نے فرخ کی چوٹ کی کہانی ایسے مختلف انداز میں سنائی کہ حقائق کی اس طرح موت پر شذرا تلملا کر رہ گئی۔ جبکہ واقعات کچھ اور تھے' اور گھر کے سربراہ کو مختلف انداز میں ان سے باخبر کیا گیا تھا۔ مگر وہ بولی کچھ نہیں کیونکہ آسیہ بیگم بہت خطرناک چیز تھیں اور دوسرے اسے اپنی ماں کا خیال آ گیا تھا۔

باتیں تو ان کو سننا پڑتیں۔

"اوہو بھئی فرخ کو چوٹ لگی ہے۔پٹی وغیرہ بھی کرائی ہے یا نہیں؟شذرا بیٹے! تم دودھ لے کر آئو میں دیکھتا ہوں فرخ کو۔"

شوکت حسین نے باقی کسی بات پر توجہ نہیں دی۔ان کیلئے تفصیل کا باعث فرخ کی چوٹ تھی۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتے' انیکسی کی طرف بڑھے جو نسیمہ کو عنایت کی گئی تھی۔

'ک ی ا ح ال ہ ے ف رخ ک ا ؟ ن س ی م ہ ل اپ روائ ی م ت ب رت ا ک رو ب چ وں ک ی ط رف س ے ' کیسے چوٹ آئی فرخ کو۔" ہوئے پوچھا۔

"ایسی کوئی خاص بات نہیں ہوئی بھیا! بس بدتمیز بھی تو بہت ہو گیا ہے' اچھا ہے چند روز آرام سے تو بیٹھے گا۔آپ فکر نہ کریں۔"

نسیمہ نے ممتا کی چیخوں کو دباتے ہوئے نارمل سے لہجے میں کہا۔

' ارے ب ھ ئ ی ' بچے اگر شرارتیں یا بدتمیزیاں نہ کریں تو بچے کیسے کہلائیں۔شوبی بیٹے کیا بتاتے ہیں ڈاکٹر چوٹ زیادہ تو نہیں؟" اب وہ شوبی سے تفصیل پو رہے تھے۔

"نہیں ابو کوئی خاص بات نہیں۔ڈاکٹر نے پٹی کر دی ہے۔کل پھر لے جائوں گا۔ویسے بھی کوئی خاص چوٹ نہیں کہ پریشان ہوا جائے۔"

شوبی نے شانے اچکا کر لاپروائی سے کہا۔اب خدا جانے وہ جان کر چوٹ کی سنجیدگی چھپا رہا تھا کہ کہیں پھپھو کے دل پر اور اثر نہ ہو' یا پھر اس کی چوٹ کو اہمیت ہی نہیں دینا چاہ رہا تھا۔

☆...☆...☆

پانی۔" سجیلہ کی نحیف سی آواز پر فاطمہ تڑپ کر آگے بڑھی۔"

لو پانی سجل۔اٹھو شکر ہے' تمہاری آواز تو سنی' یہ لو پانی۔" فاطمہ نے سہارا دیتے ہوئے اٹھایا اور ساتھ لگا کر پانی پلایا۔"

"اب طبیعت کیسی ہے مری جان کی؟"

فاطمہ نے بڑے پیار سے چہرے پر آئے اس کے بال پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں بجو؟"

شکر ہے بے بی کہ خدا نے تمہیں زندگی عطا کی ہے' ورنہ ہم لوگ تو ایسے فکر مند ہو گئے تھے کہ کیا بتائوں۔پتا ہے پپا جی اور مما جان ایسے گھبرائے کہ"

"ڈاکٹر احسان کو فوراً بلایا۔رات بھر پپا اور مما پریشان رہے' کئی بار انہوں نے آکر تمہیں دیکھا۔

فاطمہ نے صاف جھوٹ بولا۔ممی پپا دوسری بار اسے دیکھنے ہی نہیں آئے تھے۔

اوہو بجو! اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات تھی۔معمولی سا فوڈ پوائزن ہوا تھا۔ہمارے گھر میں تو بس تماشا بنا لیا جاتا ہے۔معمولی سی چھینک بھی"

آجائے تو ڈاکٹروں کی قطاریں بندھ جاتی ہیں۔ بجو! ہمارے پپا ہمارے جسموں کے علاج ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ نظر آنے والے زخموں پر تو مرہم رکھتے ہیں مگر روحوں کے گھاؤان کو نظر کیوں نہیں آتے۔ کوئی ایسا ڈاکٹر بلائیں جو ہماری روحوں کے گھاؤ بھر دے۔" سجل کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

اوہو بے بی جانو! ذرا سی تمہاری عمر ہے اور باتیں تم اتنی بڑی کرتی ہو۔ کیا ہوا ہے ہماری روحوں کو۔ بالکل ٹھیک ہیں ہم لوگ۔ بس سو جاؤ اور فضول "! باتیں مت سوچا کرو دیکھو تو آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے سیاہ

فاطمہ نے اس پر کمبل درست کرتے ہے کہا۔

"میں ان حلقوں ہی کو تو مٹانا چاہتی ہوں بجو۔"

سجل نے باہر نکلتی فاطمہ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ وہ کافی دیر لیٹی رہی' پھر سوچا کہ غسل کر لے۔ مگر جب اٹھی تو سر چکرا گیا۔

بسم اللہ سجل! ابھی گر جاتیں تو کیا ہوتا۔ لیٹ جاؤ کیا چاہیے تھا۔ مجھے بتاؤ۔" فاطمہ بروقت کمرے میں آئی اور اسے تھام لیا۔"

"ارے کچھ نہیں ہوا بجو! بس ذرا کمزوری ہے۔ دور ہو جائے گی ممی پپا گھر پر ہیں یا۔"

ہاں ہاں گھر پر ہیں' بس چائے پی کر اوپر آ رہے ہیں۔" فاطمہ نے جلدی سے اسے تسلی دی تاکہ وہ کچھ اور نہ سوچ بیٹھے۔"

"ہیلو بے بی! کیسی طبیعت ہے اب؟ تم نے تو ہم سب کو پریشان کر دیا تھا۔"

نبیل اندر آ کر پیار سے اس کی پیشانی چھوتے ہوئے بولے تو وہ ان کا ہاتھ تھام کر ہنس پڑی۔

"بیماری کتنا اہم بنا دیتی ہے انسان کو' سب لوگ اگلی پچھلی باتیں بھلا کر بیمار کا حال پوچھتے ہیں۔ سچ میرا تو دل چاہتا ہے بیمار ہی رہوں تاکہ۔"

شٹ اپ! جیسی الٹی سیدھی باتیں کرتی ہو' ویسی الٹی سیدھی چیزیں بھی کھا کر آتی ہو یونیورسٹی سے۔" نبیل بھائی نے ڈانٹا تو وہ خاموش ہو گئی' یہ تو وہ" بھول ہی گئی تھی۔ وہ یونیورسٹی کے کھانے کی وجہ سے بیمار ہوئی ہے اور یہ غلطی اس کیلئے خطرہ بھی ہو سکتی ہے۔

"سوری بھائی! آئندہ آپ لوگوں کو شکایت نہیں ہو گی۔"

وہ آزادی کے چند گھنٹوں کے عوض سب کچھ کر سکتی تھی۔

"آئندہ بجو۔ آئندہ بجو۔"

نبیل نے سوالیہ نظروں سے فاطمہ کو دیکھا۔ ان نظروں کا مطلب صرف فاطمہ ہی سمجھ سکتی تھی سجل نہیں۔

"ہاں نبیل! ہماری بے بی اب اتنی خراب بچی بھی نہیں کہ بار بار منع کرنے کے باوجود گندی چیزیں کھائے میں سب کچھ سمجھا دوں گی' لیکن ابھی اس کی طبیعت خراب ہے ناں اس لئے۔"

فاطمہ نے نبیل کا ہاتھ دبا کر اسے منع کیا کہ جب تک اس کی طبیعت خراب ہے اسے شاک پہنچانے والی باتوں سے گریز ہی بہتر ہے اور یونیورسٹی اس کا جنون تھا یہ فاطمہ ہی جانتی تھی۔

''ہیلو سویٹ ہارٹ کیسی ہو اب؟'' نبیل کے جانے کے بعد فاروق احمد اور صوفیہ بیگم آ گئے۔

''ٹھیک ہوں پپا میں صبح سے آپ کو مس کر رہی ہوں' اور آپ کو فرصت اب ملی ہے۔'' اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''سوری جان! تمہیں تو خبر ہے کہ آج کل ہم امریکہ میں اپنے بزنس کی شاخیں پھیلا رہے ہیں تو اس سلسلے میں مصروفیت رہی۔''

انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی۔

''پپا! یہ ڈنر صرف میری خاطر ہے یا کسی بزنس میں کوئی بڑی کامیابی ہوئی ہے؟'' سجل نے گہری نظروں سے پپا کو دیکھا۔

''او یو آر ویری انٹیلی جینٹ گرل مائی چائلڈ ہاں یہ ڈنر بھی۔''

''سوری پپا میں اپنے معدے کو بہتر محسوس نہیں کرتی۔ آج کا ڈنر پھر کسی بزنس کامیابی کیلئے اٹھا رکھئے۔'' اس کا دل بجھ گیا اس نے منہ بنا کر کہا۔

''او کے جب ہماری بیٹی کہے گی تب سہی۔ چلو صوفیہ دیر ہو رہی ہے کریم صاحب وقت کے کتنے پابند ہیں تم جانتی ہو؟''

پپا بہت اچھے موڈ میں تھے اور کہیں جانے کو تیار بھی ورنہ شاید اس کی بات کا وہ برا بھی مان جاتے۔

''فاطمہ!'' صوفیہ بیگم جاتے جاتے پلٹیں۔

''جی مما جان؟'' فاطمہ جلدی سے بولی۔

''میں نے ڈاکٹر احسان سے بے بی کی کنڈیشن کے بارے میں فون پر بات کی تھی۔ ابھی اسے نرم غذا ہی دی جائے گی۔ میں نے رشید کو ہدایت تو کر دی ہے' اب تم خود بھی جا کر دیکھ لینا۔''

''جی بہتر دیکھ لوں گی۔'' فاطمہ نے ماں کو حکم کی بجا آوری کا یقین دلاتے ہوئے کہا تو ممی پپا باہر چلے گئے۔ فاطمہ نے کھڑکی سے ممی پپا کی وائٹ کرولا کو جاتے ہوئے خدا حافظ کہا اور پھر سجل کی طرف آ گئی جو پپا کے لائے ہوئے پھول دیکھ رہی تھی۔

''بے بی! اگر بہتر محسوس کر رہی ہو تو نیچے لان میں چلتے ہیں۔ موسم بھی بہت خوشگوار ہے' ذرا جھانک کر تو دیکھو باہر موسم کس قدر خوشگوار اور سہانا ہو رہا ہے۔''

فاطمہ بچوں کی طرح خود بھی خوش ہو رہی تھی اور اس کی توجہ بھی خوشگوار موسم کی طرف دلانا چاہ رہی تھی مگر وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھی۔

''میرے لئے باہر کا موسم کوئی اہمیت نہیں رکھتا بجو! خوشگوار ہو یا ناخوشگوار جب انسان کے اندر ہی مایوسیوں کی گھٹائیں چھاتی رہیں تو... تو۔''

وہ روہانسی ہو گئی۔

''ارے جان سجل! ایسی بڑی باتیں تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں جو تم کر ڈالتی ہو' خدا نہ کرے ہم مایوس کیوں ہونے لگیں' آخر کمی کیا ہے ہماری زندگی میں۔''

''اچھا کوئی کمی نہیں ہماری زندگی میں واقعی۔''

سجل نے استہزائیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ فاطمہ نظریں کترا کر رہ گئی۔

''ارے بھئی سجل! تین روز سے کمرے میں بند ہو' باہر نکلو' کتنا خوبصورت موسم ہو رہا ہے۔ چلو میں نے رشید سے کہہ دیا ہے' ہماری چائے لان میں لے آئے' چلو اٹھو دل بہل جاتا ہے۔''

آمنہ اپنے مخصوص انداز میں بولتی آ گئی۔ اس نے کمرے کے پردے سرکائے' دونوں بڑی بہنوں کے اصرار پر سجل نیچے آ گئی۔ وسیع لان مالی کی محنت کا منہ بولتا ثبوت پیش کر رہا تھا۔ گھاس تو دبیز قالین کی طرح بچھی ہوئی تھی۔ قطار در قطار قیمتی گملوں میں ملکی اور غیر ملکی قیمتی پودے لہرا رہے تھے۔ اس وقت آسمان پر ہلکے بادل چھائے تھے۔ اور قدرے تیز ہوا خوامخواہ بگڑے موڈ درست کر رہی تھی۔

''اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا کتنی خوبصورت بنائی ہے۔ ہے ناں بجو!''

سجیلہ کہاں تو آنے کو تیار نہ تھی۔ آئی تو موڈ فطرت کے حسن نے بحال کر دیا۔

''اوہو بھئی۔ تم تینوں یہاں ہو' وہاں کچن کا حال دیکھو' رشید وہاں اکیلا ہے کوئی چیز ادھر ادھر ہو گئی تو چلاؤ گی۔ مالی کو اب چھٹی کراؤ رشید نے کھانا تیار کر لیا ہے تو اسے کوارٹر بھیج دو۔'' راحیل کہتا ہوا ان کی طرف آیا۔

''لیکن بھائی! ابھی تو نہ رشید اور نہ ہی مالی کی چھٹی کا وقت ہوا ہے پھر۔''

آمنہ کا دل اتنا دلفریب موسم چھوڑ کر اندر جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

''معلوم ہے ابھی چھٹی کا وقت نہیں ہوا۔ مگر ہم تینوں بھائی جا رہے ہیں۔ ایک دوست نے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔ میں نے خود ان کو جلدی جانے کو کہا۔''

راحیل نے آمنہ کو فہمائشی نظروں سے گھورا تو وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

''نہیں بھائی اتنا اچھا موسم ہے ہم ابھی انجوائے کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جائیں کچھ نہیں ہوتا۔'' سجل اتنے دنوں بعد باہر نکلی تھی۔ کھلی فضا میں سانس لینا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''بی بی چائے۔'' حکم کے مطابق رشید چائے ٹرالی میں سجا کر لان ہی میں لے آیا۔

''نہیں رشید یہاں نہیں ٹی وی لاؤنج میں لے چلو' ہم بھی وہیں آ رہے ہیں۔' فاطمہ اور آمنہ نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے' کیونکہ تابعداری کا تقاضا یہی تھا۔

''لیکن میں چائے یہیں پیوں گی۔'' سجل نے ٹرالی سے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''تم یہاں چائے نہیں پیو گی' چلو رشید چائے ٹی وی لاؤنج میں لگاؤ جا کر' فاطمہ ذرا احتیاط سے رہنا ہے تم لوگوں کو' آج کل اس علاقے میں ڈاکے بہت پڑ رہے ہیں۔''

''جی بہتر' آپ فکر نہ کریں' اللہ بہتر کرے گا۔''

راحیل اور فاطمہ سمجھ اور سمجھانے کے مراحل طے کر رہے تھے' سجل کی شریانوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔

"ہونہہ' اگر ڈاکو آ بھی گئے تو جیسے ہم تین نازک لڑکیاں ان کا مقابلہ کر ہی تو لیں گی اور ان کی کروڑوں' لاکھوں کی جائیداد کو بچا لیں گی... خدا کرے کہ ڈاکو آئیں اور سب کچھ لوٹ کر لے جائیں۔"

سجل دونوں ہاتھوں کو زور سے آپس میں جکڑے جنونی انداز میں سوچ رہی تھی۔ وہ تھی ہی ان سب سے مختلف بس اسے اپنے گھر والوں کی ہر بات سے اختلاف ہوتا۔ شاید اس لئے کہ ان کا ہر عمل خود کو بہت کچھ ظاہر کرتا تھا اور دوسرے کی وہ عزت کرنا نہیں جانتے تھے۔ وہ ان کی کون کون سی بات کو نظر انداز کرتی اس کی اور گھر والوں کی سوچ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

"بے بی! کن سوچوں میں گم ہوا ٹھو بیٹا! اندر چلو' سوری اگر تم نے میری بات کو مائنڈ کیا ہے تو۔"

راحیل کو خود ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ابھی بیماری سے اٹھی ہے۔ اور اس نے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ تو ان سب کو بے حد عزیز اور پیاری تھی مگر کبھی کبھی جب وہ پٹری سے اتر جاتی' ان کے ازلی اصول و قوانین سے منحرف ہونے لگتی تو ان لوگوں کو غصہ آ جاتا۔

"نہیں بھائی مائنڈ کیوں کرنے لگی' آپ جائیں ہم اندر چلتے ہیں آؤ بے بی۔"

فاطمہ نجانے کس مٹی سے بنائی گئی تھی کہ ہر ایک کی طرف سے خود ہی وضاحتیں پیش کرتی اسے کبھی کسی کی بات بری نہیں لگتی تھی' بس ہر وقت جی حضوری میں لگی رہتی۔

"یہ تابعداریاں یہ ریاضتیں کچھ صلہ نہیں دیں گی بجو۔"

فاطمہ کے ساتھ لاؤنج میں آتے ہوئے سجل نے سوچا' ہدایات کے مطابق فاطمہ' آمنہ نے گھر کے تمام دروازے کھڑکیاں بند کر دیئے' پردے گرا دیئے گئے۔ گھر کی تمام لائٹیں آف کر دی گئیں۔ ماسوائے لاؤنج کے جہاں وہ تینوں تھیں۔ ٹی وی پر بھی بور سا پروگرام چل رہا تھا۔ گھر میں ایک طرح سے خوف اور ہو کی سی کیفیت تھی۔ سجل کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ فاطمہ کی حسیات ایسے میں دوگنی تگنی تیز ہو جایا کرتی تھیں۔ وہ چوکنا نظروں سے ماحول پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ البتہ آمنہ سدا کی مطمئن پرسکون تھی گویا کہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتی ہو' وہ تھی بھی اکھڑ مزاج' بس اپنی بات کہہ دینے والی' لیکن ایک حد تک اور وہ حد والدین کے حکم تک اور بھائیوں کی تابعداری تک جا کر ختم ہو جاتی تھی۔

وہ دونوں بڑی تھیں اور گھر ماحول حالات اور والدین اور بھائیوں کے مزاجوں کو بہت اچھی طرح سمجھتی تھیں جبکہ سجل ایسے تمام اندیشوں' پابندیوں سے آزاد تھی' لیکن اس آزادی کی بھی ایک حد مقرر تھی۔

"یا وحشت یہ گھر ہے کہ جیل۔ اپنے ہی گھر کے دوسرے حصے میں نہیں جا سکتے' بجو میں لان میں جا رہی ہوں۔ باہر مین گیٹ پر دو دو چوکیدار ہیں' کچھ نہیں ہوتا۔"

سجل کو عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔ وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

''ارے بے بی جان' یہ کیا کر رہی ہو' پتا بھی ہے' بھائی کتنے خفا ہوں گے۔'' فاطمہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ ''تو ان کو خبر ہو گی تو خفا ہوں گے ناں' میں دس منٹ میں آ جائوں گی۔''

سجل نے کنڈی کھولی' ہینڈل گھمایا مگر وکٹورین طرز کا خوبصورت دروازہ جو لائونج سے لان کی طرف کھلتا تھا لاکڈ تھا۔ وہ برا سا منہ بنا کر کائوچ پر آ کر لیٹ گئی۔ اسی وقت فون کی بیل گونجی فاطمہ کا دل مٹھی میں آ گیا اور اخبار میں پڑھا ہوا واقعہ یاد آ گیا کہ ڈاکو پہلے فون کر کے دھمکیاں دیتے ہیں اور پھر۔

''ہیلو جی ہاں یہ ہی نمبر ہے۔'' ریسیور پر آمنہ تھی۔

''آمنہ کون ہے' ایسے ہی بات نہ کرو۔'' فاطمہ اندیشوں کے ساتھ بولی۔

''بابا سجل کی دوست ہے۔ بے بی تمہاری یونیورسٹی کی فرینڈ ہے حنا' بات کرو۔''

''حنا!''

سجل کو توقع ہی کب تھی کہ حنا کا فون آئے گا۔ وہ خوشی سے اچھل پڑی اور تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔

''لگتا ہے کوئی اچھی دوست ہے بے بی کی تب ہی تو اتنا خوش ہو رہی ہے' اچھا ہے ناں ذرا فریش ہو جائے گی۔ موڈ بھی اچھا ہو جائے گا۔''

فاطمہ کو اطمینان کے ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی کہ سجل کا موڈ اچھا ہو جائے گا۔

''ہائے حنا کیسی ہو تم؟ فون لگ گیا کیا تمہارے ہاں' سچ پتا ہے میرے تو کان ترس گئے تھے تم جیسے اپنوں کی آوازیں سننے کو۔ اور وہاں باقی سب کا کیا حال ہے' کتنے بے مروت ہیں یہ سب کہ پانچ دن ہو گئے کسی نے فون تک نہیں کیا اور تم سنائو کیا حال چال ہے؟''

سجل تو حنا کی آواز سنتے ہی نان سٹاپ شروع ہو گئی اس کی سنی نہیں۔

''میں تو ٹھیک ہوں' سجل اتنے روز ہو گئے تم آئیں نہیں ہمارا گروپ ہی نہیں پورا ڈیپارٹمنٹ تمہیں مس کر رہا ہے۔ رہا فون کا سوال تو اپلائی تو کیا ہوا ہے لگا نہیں آنٹی کے گھر صرف تمہیں فون کرنے آئی ہوں' اچھا بتائو آ کیوں نہیں رہیں' رمضان بابا کئی بار پوچھ چکے ہیں۔''

''بس یار ذرا سا فوڈ پوائزن ہو گیا تھا۔ شامت ہی تو آ گئی۔ دو روز ہی میں بھلی چنگی ہو گئی تھی مگر گھر والے ہیں ناں ذرا زیادہ ہی ٹچی ہیں میرے معاملے میں' اب میں بالکل ٹھیک ہوں تم مجھے یونیورسٹی کا حال سنائو' یونیورسٹی کی دلکش فضائیں کیسی ہیں۔ سڑکیں ویسی ہی چمکتی ہیں' پھول پودے ویسے ہی لہراتے ہیں ناں' ٹیچرز کا سینئر جونیئر کا کیا حال ہے' اور منشی فاضل صاحب کیسے ہیں؟''

سجل اتنے دنوں بعد بول رہی تھی آج جی چاہ رہا تھا کہ حنا سے گھنٹوں باتیں کرتی رہے۔ وہ ایک سانس میں مستقل بولے جا رہی تھی۔

''سب ٹھیک ہیں' تمہیں تو ہر کوئی مس کرتا ہے اور وہ منشی فاضل صاحب نے جو جنرل سپیشل میں پیپر دیئے تھے ناں۔''

''ہاں۔ہاں خدانخواستہ پاس تو نہیں ہو گئے۔''

سجل کا سانس اٹک گیا۔

''ارے نہیں بھئی' وہ بڑے روایتی قسم کے بندے ہیں' بھلا اپنی ہی قائم کی ہوئی روایت کو کیونکر توڑ سکتے ہیں اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے بڑے اعزاز کے ساتھ فیل ہو گئے ہیں۔آج کل اساتذہ سے نالاں اور یونیورسٹی سے گریزاں سے پھرتے نظر آتے ہیں۔ بس تم آجاؤ تو ریکارڈ لگائیں گے ان کا۔

حنا نے اسے ساری تفصیل سے آگاہ کیا تو وہ مچل گئی کہ کس طرح صبح ہو اور وہ یونیورسٹی جائے' جبکہ وہ قطعی بے خبر تھی کہ اس کے یونیورسٹی نہ جانے کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔

''ہائے حنا! کتنا مزہ آیا ہو گا۔خیر انشاءاللہ میں کل سے یونیورسٹی آنا شروع کر دوں گی' پھر وہی مزے ہوں گے' اور ہم ہوں۔ہاں۔ ہاں کل میں ضرور آؤں گی۔''

سجل فون پر حنا کو یونیورسٹی آنے کی یقین دہانی کرا رہی تھی' فاطمہ اور آمنہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

''باجی! آپ نے بے بی کو ابھی تک پپا جی اور بھائیوں کے فیصلے سے آگاہ کیوں نہیں کیا۔''

آمنہ نے خاصے سرزنش کے انداز میں فاطمہ کو دیکھا' جو خود میں ہمت ہی پیدا نہیں کر پائی تھی کہ اسے بتا دے کہ آزادی کے جن گھنٹوں کے عوض وہ اپنی جان بھی دینے کو تیار ہو جاتی تھی' وہی اس سے چھینے جا چکے ہیں۔

''تم فکر نہ کرو اور نہ اس سے ذکر کرنا' میں خود بات کر لوں گی' دیکھو تو کتنے دنوں بعد وہ ہنسی ہے' ورنہ کتنی مرجھا گئی تھی۔میں پپا جی سے درخواست کروں گی کہ اس سے یونیورسٹی نہ چھڑائی جائے۔''

فاطمہ کو امید تو بہت کم تھی' پپا کے ماننے کی' مگر پھر بھی اس نے سوچ لیا تھا کہ پپا جی سے بات ضرور کرے گی۔وہ سجل کو خوش دیکھنا چاہتی تھی' ہر وقت ہر لمحہ اس کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور ہنسی دیکھنا چاہتی تھی۔

''میرے خیال میں بے سود کوشش ہو گی' آپ جانتی ہیں کہ پپا اور بھائیوں کے فیصلے اٹل ہوا کرتے ہیں' جن میں صرف خدا کی ذات ہی ترمیم پیدا کر سکتی ہے۔''

آمنہ نے میگزین ایک طرف رکھا اور کھانا لگانے چلی گئی۔کیونکہ سجل بھی فون سے فارغ ہو چکی تھی اور بھوک بھی چمک اٹھی تھی۔

☆...☆...☆

شوکت ہائوس زمین کے ایک وسیع رقبے کو گھیرے ہوئے تھا۔ مگر بیوہ بہن کیلئے اس گھر میں شاید جگہ نہیں تھی۔ یا پھر دلوں ہی میں جگہ نہیں تھی۔ تب ہی تو کوٹھی سے ملحق ایک تین کمروں کی انیکسی عنایت کر رکھی تھی' کوٹھی کی جگمگاتی زمین اور انیکسی کی اداس زندگی میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مگر نسیمہ نے یہ سب تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ بیوگی کی چادر کو حوادث زمانہ سے بچانے کیئے س انہوں نے دل کو مار لیا تھا۔ لب سی لئے تھے' بڑے بیٹے کی گمشدگی' باقی جو چار تھے ان کی اپنے میکے میں تذلیل' وہ بڑے ضبط اور حوصلے سے برداشت کر رہی تھیں' انہوں نے نہ صرف اپنا آپ مار لیا تھا بلکہ بچوں کو بھی ہر ستم سہہ کر خاموش رہنے کا درس دیا تھا۔ زیب اور چھوٹی صدف تو ان کی تربیت کے عین مطابق تھیں البتہ شذرا کے اندر بغاوت کا مادہ جانے کہاں سے آ کر اس کی رگوں میں گردش کرنے لگا تھا۔ وہ اکثر اوقات اپنی زبان کی وجہ سے ڈانٹ کھاتی تھی۔ آسیہ تو مارنے سے بھی گریز نہ کرتیں۔ تب وہ اسے کبھی ڈانٹ کر کبھی پیار سے سمجھاتیں۔

''شذرا! میری جان سمندر میں رہنا جب زندگی کی مجبوری ٹھہرے تو پھر اسے مگرمچھ سے بیر نہیں لینا چاہئے اور پھر کتنے احسانات ہیں ان لوگوں کے ہم پر' کون رکھتا ہے اس زمانے میں ہمیشہ کیلئے اپنے پاس۔''

وہ اس کا سر گود میں رکھے' سر پر ہاتھ پھیر کر پیار سے سمجھا رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ شذرا ڈانٹ ڈپٹ سے مان کر دینے والی نہیں۔

''امی جان ہم یا آپ کوئی اور تو نہیں' آپ کا حق ہے اس گھر میں کیا نانا جان کی دولت و جائیداد پر آپ کا کوئی حق نہیں۔''

وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی تو نسیمہ بیگم اسے گھورنے لگیں۔

''بکو مت خبردار جو آئندہ ایسی باتیں کی ہوں۔ تمہارے نانا کوئی بہت بڑے جاگیر دار یا دولت مند آدمی نہیں تھے کہ اولاد کیلئے اتنا کچھ چھوڑ کر جاتے' عزت سے زندگی بسر ہو جاتی تھی' یہ ہی بہت تھا اور یہ جو ٹھاٹھ تمہارے ماموئوں کے ہیں' یہ خدا کا فضل اور ان کی ذاتی محنت کا ثمر ہے۔ اس میں تم لوگوں کا یا پھر میرا حصہ کہاں سے آ گیا۔ یہ بھی ان لوگوں کی مہربانی ہے چار بچوں سمیت مجھے یوں رکھا ہوا ہے کہ کسی چیز کی کمی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ تمہاری زبان خاصی دراز ہے' میں جانتی ہوں' مگر جان لو... اب میں نے سنا کہ تم نے کسی کے ساتھ بدتمیزی کی ہے تو زبان کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گی' میری نرمی سے ناجائز فائدہ مت اٹھائو۔''

نسیمہ بیگم کا چہرہ سخت ہو گیا اور لہجہ اتنا اجنبی کہ شذرا حیران نظروں سے ماں کو دیکھتی رہ گئی۔

''امی جان سوری میری وجہ سے آپ کو دکھ پہنچا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے جو ہمارا حقیقی خالق و مالک ہے' اس نے ہمارا رزق ہمارے باپ بھائیوں کے بجائے ماموئوں کے رزق میں شامل کر دیا ہے تو کوشش کروں گی کہ ہر زیادتی برداشت کر جائوں' لیکن عزت نفس پر حملہ شاید میں برداشت نہ کر سکوں۔'' شذرا نے آہستگی مگر مضبوط لہجے میں کہا اور باہر نکل گئی۔

''خدا تمہیں ضبط کی توفیق عطا فرمائے میری بچی۔'' صبح بڑی بھابی کتنی نفرت سے شذرا کو ڈانٹ رہی تھیں۔ زبان کاٹنے کی دھمکیاں تو ہر ہر پل ہی دیا کرتی تھیں مگر کیا کروں' کہاں... جائوں اپنی معصوم بچیوں کو لے کر۔ صبح سے شام تک روئی کی طرح دھنکی جاتی ہیں'

اتنے بڑے گھر میں اتنے افراد کی موجودگی کے باوجود صرف دو ملازم تھے' جو باہر کا کام کرتے' اس کی وجہ آسیہ بھابی نے کتنی نخوت سے بیان کی تھی۔

''ملازموں کو رکھ کر فضول کا خرچ بڑھانا ہے' پہلے کیا کم خرچ ہیں' اتنی ڈھیر ساری لڑکیاں کیا اچار ڈالنے کو پال رہے ہیں۔ کیا کریں ناں کام خود۔''

''بھابی جان آپ درست کہہ رہی ہیں بھلا لڑکیوں والے گھر میں ملازموں کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ ماشاءاللہ گھر میں اتنی تو لڑکیاں ہیں زیب بیٹا چلو مشین لگاؤ کپڑے کافی ہو گئے ہیں دھونے والے۔''

نسیمہ بیگم خود ہی اٹھ کر مشین لگانے لگیں' کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ کپڑے بہت زیادہ ہیں اور زیب ہے بھی دھان پان اور نازک سی' یہ سارے کام صرف ان ہی کی لڑکیوں کیلئے تھے' ورنہ ان کی اپنی تو برائے نام ہی کام کیا کرتیں۔ کچن میں آج بڑی اور چھوٹی بھابی تھیں' جبکہ گھر کی صفائی پر شذرا' صدف اور فائزہ وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔

''احتیاط سے بہت قیمتی پتھر کا ہے۔''

مشتاق ماموں کا تین بہنوں کا اکلوتا بیٹا اسد' شذرا کے عین سامنے آ کر بولا جو کارنس پر رکھے ایک ڈیکوریشن پیس کو صاف کر رہی تھی۔

''ایک سنگ تراش پتھر ہی کی قیمت کا اندازہ لگا سکتا ہے' ہیرے کی قیمت کا نہیں۔'' شذرا نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پیس واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

''ہونہہ تو گویا محترمہ خود کو ہیرا سمجھے ہوئے ہیں۔'' اسد نے طنزیہ لہجے میں اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''اگر کبھی سنگ باری اور سنگ تراشی سے فرصت ملے تو یہ بھی آزما لینا۔'' شذرا اور اسد تقریباً ہم عمر تھے۔ دونوں گویا ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسد والدین کا اکلوتا ہونے کی وجہ سے اکثر منہ پھٹ اور بے لحاظ قسم کی چیز تھا' جو منہ میں آتا کہہ جاتا جبکہ شذرا کیلئے اس کی بات کو برداشت کر جانا ناممکن ہوتا۔ اسی لئے شذرا اسد کی والدہ کو کچھ زیادہ ہی چبھتی۔

شوکت حسین کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی فائزہ اور شعیب اور حنیب بیٹے تھے' پھر مشتاق حسین کی تین بیٹیاں' صائمہ سب سے بڑی پھر اسد اور پھر ہما اور صبا تھیں جبکہ چھوٹے ماموں فیاض کی ایک بیٹی انیلا اور بیٹا نعمان تھا۔ سارے بچے ایک ساتھ پل کر بڑے ہوئے۔ بچوں کی مائیں اپنے اور نسیمہ کے بچوں میں ایثار و محبت کے جذبات پیدا کر کے ایک دوسرے کے درمیان یگانگت پیدا کر سکتی تھیں' مگر جب انہوں نے خود ہی... نسیمہ بیگم کو اپنی ذمہ داری یا فرض نہیں سمجھا تو وہ بچوں میں محبت کیسے پیدا کر سکتی تھیں۔

''بھائی جان کل میری ایک کزن آ رہی ہے' اپنے بیٹے کیلئے صائمہ کو دیکھنے کیلئے۔ دعا کریں صائمہ ان کو پسند آ جائے۔''

زاہدہ بیگم نے بریانی دم پر رکھتے ہوئے اطلاع دی۔

''لو حد کرتی ہو تم بھی' کل مہمان آرہے ہیں اور بتا آج رہی ہو' چند روز قبل نہیں بتایا جا سکتا تھا۔ کل تو میں نے ظہیر بھائی کے ہاں جانے کا پروگرام بنایا ہے۔''

آسیہ بیگم کو یہ بروقت اطلاع کوئی خاص اچھی نہیں لگی تھی اسی لیے ان کی تیوریوں پر بل آگئے۔

''پہلے کیسے بتا دیتی۔ فون ہی رات کو آیا تھا اور ویسے بھی یہ بات صرف اپنے تک رکھئے گا' میں نہیں چاہتی نسیمہ کو معلوم ہو' اور وہاں اس روز زیب کو ادھر ادھر کر دیجئے گا۔ کم بخت میں جانے کیا بات ہے کہ ہر آنے والے کی نظریں اس پر ہی جم جاتی ہیں۔ یاد ہے آپ کو فائزہ کیلئے جو لوگ آئے تھے' زیب ایسی پسند آئی کہ پیچھا ہی پکڑ لیا۔ کریں گے تو اسی سے کریں گے' ورنہ اس گھر کی کسی لڑکی سے نہ کریں گے۔''

زاہدہ بیگم نے آسیہ بیگم کو وہ والا واقعہ یاد دلا کر اس بات پر پکا کر دیا کہ زیب کو غائب کرنا ہے۔

''اے بس تم اس کی فکر نہ کرو' میں اسے دیکھ لوں گی۔ ویسے وہ لوگ تو مجھے ذرا بھی نہیں بھائے تھے' لڑکا دیکھا تھا۔ لڑکا کیا مرد تھا پکی عمر کا۔ وہ تو تمہارے شوکت بھائی نہ مانے میں نے تو سوچ لیا تھا کہ اگر ان کا اصرار بڑھا تو نسیمہ سے کہہ کر زیب کا رشتہ کروا دیں گے' مگر ماموں کی محبت نے جوش مارا کہ اگر میں اس لڑکے کو اپنی بیٹی کے لئے پسند نہیں کر سکا تو بھانجی کیلئے کیسے کروں۔ خیر میں تو ویسے بھی باہر نہ کروں اپنی بیٹی کا۔ ظہیر بھائی کا بڑا بیٹا ہے ناں طلال اس کے بارے میں سوچا ہے میں نے اور شوکت نے۔''

آسیہ بیگم اور شوکت کے درمیان چند روز قبل ہی یہ بات طے ہوئی تھی کہ فائزہ اور طلال کا رشتہ طے کر دیا جائے' تب ہی وہ بڑی خوش اور مطمئن تھیں۔

''اچھا چلیں مبارک ہو' اللہ مبارک کرے' ویسے بھابی جان طلال سے چھوٹا بلال بھی تو ہے۔''

خیال تو پہلے بھی کئی بار ظہیر بھائی کے لڑکوں بلال اور طلال کی طرف گیا مگر اس خیال سے کہ ظہیر بھائی آسیہ کے سگے بھائی ہیں جب ان لوگوں میں ابھی تک بات نہیں ہوئی تو وہ کیسے اپنے لئے کہہ سکتی تھیں۔

''ہاں... ہاں خیر سے بلال بھی شعیب کے ساتھ سول انجینئرنگ کر رہا ہے۔ ماشاءاللہ بہت قابل بچے ہیں میرے بھائی کے۔'' آسیہ بیگم نے احساس تفاخر سے زاہدہ کو دیکھا۔

''تو پھر بھابی جان طلال کو تو آپ بیٹا بنا ہی رہی ہیں۔ بلال کو بھی بنا لیجئے نا' صائمہ بھی تو آپ ہی کی بیٹی ہے ناں اس کا... بھی تو آپ ہی نے دیکھنا ہے۔''

زاہدہ نے جھٹ صائمہ کیلئے کہہ دیا۔ جس کی آسیہ بیگم تو نہ تو توقع تھی اور نہ ہی ان کو یہ بات پسند آئی تھی کہ اس گھر کی دوسری لڑکی بھی اسی گھر میں جائے' جہاں ان کی عزیز از جان نازوں سے پلی فائزہ جائے گی مگر رشتہ ایسا تھا کہ وہ ناپسندیدگی کا اظہار بھی نہیں کر پائیں۔

''ہاں بھئی' ایک کی تو رسم ہو جانے دو پھر دوسری کا رشتہ بھی ڈال دیں گے' ویسے کل جو مہمان آرہے ہیں ان کو بھی دیکھ لینے میں کوئی ہرج تو نہیں۔''

آسیہ بیگم نے لہجے کو نارمل بناتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں ان کو بھی دیکھ لیں گے' مگر بھابی میں نے... لڑکا دیکھا ہوا ہے مجھے ذرا پسند نہیں۔ اب اس نے خود آنے کو کہا تھا تو میں انکار نہیں کر سکی' لڑکا ایویں سا ہے۔''

''ہونہہ! اپنی بیٹی تو گویا ملکہ حسن ہے۔''

آسیہ بیگم نے ککر چولہے پر سے اتارتے ہوئے جل کر سوچا مگر زاہدہ بیگم تو خیالوں میں بلال اور صائمہ کو ایک ساتھ دیکھ رہی تھیں۔

''یہ بشریٰ کہاں چلی گئی' روٹیاں پکالے آکر' ہما بیٹے آؤ تم سلاد بنالو۔ مرد آنے ہی والے ہیں۔ کھانے میں ذرا دیر ہو جائے تو ہنگامہ مچا دیتے ہیں۔''

زاہدہ بیگم کے خوش کن خیالوں سے بے نیاز آسیہ بیگم نے چھوٹی دیورانی بشریٰ کو پکارا تاکہ روٹیاں بنالیں اور ہما سلاد کی تیاری کر لے۔

ابھی دو روز تو ہوئے تھے' کپڑے دھلے مگر آج اتنے زیادہ تھے کہ دونوں ماں بیٹی تھک گئی تھیں مگر کپڑے ابھی بھی باقی تھے۔

''امی جان! اب آپ جائیں بہت ہو گیا میں خود دھولوں گی اور پھر صدف بھی اپنے کام سے فارغ ہو گئی ہے' وہ آجاتی ہے میرے ساتھ' جایئے آپ جا کر آرام کریں۔''

زیب کہہ تو کافی دیر سے رہی تھی مگر نسیمہ بھی ماں تھیں۔ اتنا بوجھ کانچ کا پیکر رکھنے والی بیٹی پر نہیں لاد سکتی تھیں' مگر اب تو خود ان کی ہمت بھی جواب دینے لگی تھی۔

''اچھا میں ابھی جا کر صدف کو بھیجتی ہوں۔''

نسیمہ بیگم ہاتھ دھو کر باتھ روم سے باہر آگئیں۔ راہداری سے ہو کر ابھی وہ صدف تک نہیں پہنچی تھیں کہ بشریٰ مل گئیں۔

''نسیمہ باجی ایک کام تو کر دیں پلیز۔''

''ہاں کہو بشریٰ اس میں جھجکنے کی کیا بات ہے۔''

''وہ نومی کی طبیعت خراب ہے اور وہ مجھے پاس سے ملنے نہیں دے رہا آپ روٹیاں پکالیں گی۔''

بشریٰ کی بات پر نسیمہ جو تھکن سے چور ہو چکی تھیں اور اب صرف لیٹنا چاہتی تھیں' چپ سی ہو کر رہ گئیں کچھ تو وہ فطری طور پر ہی صابر تھیں اور کچھ وقت نے یہ دن دکھائے تھے کہ وہ کسی حیل وحجت یا انکار کا حق نہیں رکھتی تھیں۔ نومی بھی فرخ کا ہم عمر تھا۔ معمولی سے بخار پر اتنے چونچلے ہو رہے تھے' اور وہ بدنصیب تھا کہ اتنی زبردست چوٹ کے باوجود کوئی خیال نہیں رکھا گیا اس کا' خود وہ بھی گھر کے کاموں میں اتنی الجھی رہتیں کہ اسے توجہ دینے کا وقت ہی نہ تھا۔

''میں خود پکا لیتی باجی' یہ نومی تو اٹھنے دیتا ہی نہیں۔''

ان کو خاموش دیکھ کر بشریٰ نے دوبارہ شرمندہ لہجہ بناتے ہوئے کہا۔

''ہاں اللہ سلامت رکھے اس کے باپ کو بچے تو ماں باپ ہی کو لاڈ دکھاتے ہیں ناں تم جاؤ اس کے پاس۔ میں پکا لیتی ہوں روٹیاں۔''

نسیمہ بیگم کی آنکھوں کے کنارے اس خیال سے بھیگ گئے کہ آج اگر فرخ کا باپ بھی زندہ ہوتا تو وہ بھی ایسے ہی نخرے کرتا۔ وہ ٹیسیں دباتی کچن میں آ گئیں' آسیہ اور زاہدہ آہستہ آہستہ نجانے کیا باتیں کر رہی تھیں کہ ان کو دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔

''ارے باجی آپ رہنے دیں ناں بشریٰ پکا لیتی ہے روٹیاں۔'' زاہدہ نے ناگواری نظروں سے نسیمہ کو دیکھا جو توا رکھ رہی تھیں۔

''مجھے اسی نے بھیجا ہے' نومی کی طبیعت خراب ہے اس لیے۔''

نسیمہ بیگم نے ایسے لہجے میں کہا گویا کہہ رہی ہوں کہ مجھے معلوم ہے' میں تم لوگوں کی پرائیویسی میں مخل ہوئی ہوں۔ مگر آئی نہیں' بھیجی گئی ہوں' گھر بھر کیلئے روٹیاں پکانا آسان کام تو نہیں تھا۔ ویسے تو وہ اکثر ہی پکایا کرتی تھیں مگر آج تو کپڑے بھی دھوئے تھے' ان سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ بس یہ ہی دل چاہ رہا تھا کہ بس لیٹ جائیں۔

''امی! آپ روٹیاں پکا رہی ہیں' اتنے ڈھیر سارے کپڑے دھوئے ہیں اور اب۔'' شذرا کسی کام سے کچن میں آئی تو ماں کو روٹیاں پکاتے دیکھ کر تڑپ اٹھی۔

''لڑکی آہستہ بولا کرو' اتنی تیز آواز میں بولتی ہے کہ گویا اگلا بہرہ ہو۔'' آسیہ بیگم کو تو خدا واسطے کا بیر تھا۔ اس سے' مگر اس نے مامی کی بات سنی ان سنی کر دی۔

ے امی میں پکاتی ہوں' جائیں آپ آرام کریں جا کر۔''

پھر اس نے زبردستی ماں کو وہاں سے ہٹایا اور خود روٹیاں اتارنے لگی۔

''ذرا ڈھنگ سے پکانا لڑکے ذرا پسند نہیں کرتے تمہارے ہاتھ کی پکی روٹیاں' اس روز بھی تم نے بنائی تھیں تو اسد نے کھانا نہیں کھایا تھا کہ روٹی موٹی ہے جلی ہوئی ہے۔''

زاہدہ بیگم نے تیز سی نظر شذرا پر ڈالی تو دل میں تو ایسا کرارا جواب آیا تھا۔ مگر ماں کے لحاظ سے چپ رہی اور نسیمہ بیگم وہاں سے اسی لیے نہیں جا رہی تھیں کہ وہ زبان درازی نہ کرے۔

''امی! پلیز جا کر آرام کریں' چپ رہوں گی' نہیں بولوں گی بس۔'' اس نے آہستگی سے ماں کی منت کی تو وہ بے یقینی سی کیفیت سے وہاں سے اٹھ گئیں۔

''ارے بھئی خواتین کھانے کا کیا پروگرام ہے' اوہو آج تو ہماری شذرا بیٹی روٹیاں پکا رہی ہے...'' شوکت حسین سیدھے کچن میں چلے آئے۔

''آداب ماموں جان!''

''جیتی رہو بیٹے! واہ آج تو کھانے کا مزہ آ جائے گا۔ ہماری بیٹی تو بہت اچھی روٹیاں پکانے لگی ہے۔'' شوکت حسین شذرا کی پکائی چپاتی اٹھا کر دیکھتے ہوئے بولے اور پھر ایک نوالہ توڑ کر آدھا اپنے منہ میں رکھا اور آدھا شذرا کے منہ میں ڈال دیا۔

''شکریہ ماموں جان!''

''ہونہہ چونچلے دیکھو ذرا ماموں بھانجی کے۔''

بھانجی سے لاڈ کرتے شوکت حسین اس وقت بیوی اور بھاوج کے جذبات سے بے خبر تھے جو جل جل کر کباب ہو رہی تھیں۔ ان کے التفات سے۔

''چلو بھئی کھانا لگاؤ۔'' شوکت حسین کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔

پھر صبا' ہما مل کر کھانا لگانے لگیں۔ شذرا نے الگ ڈونگے میں سالن نکالا اور روٹیاں رومال میں لپیٹ کر رکھ لیں۔

''یہ کس کی ہیں۔'' آسیہ بیگم نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا۔

''یہ صدف اور زیب کیلئے ہیں مامی جان۔ الگ اس لئے کر کے رکھ دی ہیں کہ اس روز بھی جب میں اور زیب کپڑے دھو رہے تھے تو ہمارے لئے کھانا نہیں بچا تھا اور تھکن کے بعد اپنے لئے کھانا پکانا بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے۔''

شذرا ان کی نظروں سے متاثر ہوئے بغیر بولے گئی تو آسیہ بیگم کا جی چاہا اس کا منہ نوچ لیں مگر وہ اس سے کچھ خوفزدہ بھی رہتیں کیونکہ شذرا جھٹ ہر بات شوکت حسین کے گوش گزار کر دیتی تھیں۔ بچپن میں بھی جب کبھی یہ ان کے ساتھ زیادتی کرتی تھیں باقی سب تو چھپا جاتے تھے' مگر یہ حرف بہ حرف بتا دیا کرتی تھی اور انہیں ڈانٹ پڑا کرتی تھی۔

''ارے بھئی یہ لڑکیاں پوری نہیں اسد بیٹا ذرا گنتی کر کے بتاؤ' کتنی ہیں اور کتنی غائب ہیں اور کون کون غائب ہے اور کہاں ہے۔'' کھانے پر شوکت حسین سب کو موجود دیکھنا چاہتے تھے اس وقت سب ہی موجود تھے سوائے صدف اور زیب کے۔

''تایا ابو خاندان کی ساری لڑکیاں غائب ہو جائیں مگر ایک لڑکی ان سب کی کمی پوری کرتی ہوئی نظر آتی ہے' وہ ہے آپ کی چہیتی شذرا امراد۔''

اسد نے چہک کر کہا تو شذرا کا نوالہ جو منہ کی طرف بڑھ رہا تھا وہیں رک گیا۔

''بہت سارے لوگوں کی کمی کو پورا کرنا معمولی بات نہیں ہوتی اسد مشتاق' اپنے اندر بھی ایسی خصوصیات پیدا کرو کہ کسی ایک کی کمی ہی پوری کر سکو۔''

شذرا اور تو کسی کی بات برداشت کر سکتی تھی مگر اسد کی تو بات تو عین پتے پر حملہ کرتی... وہ تلملا کر رہ جاتی۔ اس کے منہ توڑ جواب پر مزید کوئی ہنگامہ ہوتا مگر شوکت حسین قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

''بھئی' واہ کیا خوب کیا کباب بنائے ہیں۔ کس نے بنائے ہیں' زاہدہ خوشبو تمہارے ہاتھوں کی لگ رہی ہے۔''

شوکت حسین سراہنا تو شذرا کو چاہتے تھے مگر اپوزیشن کی برہمی کا خیال کر کے بات کا رخ کبابوں کی طرف موڑ دیا۔

''نہیں تو بھائی جان یہ تو آسیہ بھابی نے بنائے ہیں۔'' زاہدہ بیگم نے کبابوں کا سہرا آسیہ بیگم کے سر باندھ کر ان کی مہربانیاں اپنے نام کیں۔

''بھئی یہ صدف اور زیب کہاں ہیں' کھانے پر کیوں نہیں آئیں۔'' شوکت حسین کو چین نہیں پڑتا تھا جب تک وہ بہن اور بھانجیوں کو سامنے نہیں دیکھ

لیتے تھے۔

''آپ تسلی سے کھانا کھایئے' ان کیلئے کھانا رکھ لیا گیا ہے۔'' آسیہ بیگم کو تب سے آگ لگی ہوئی تھی۔ جب سے شذرا نے ان کیلئے کھانا رکھا تھا۔

''تو پھر میری دانشمندی دیکھئے کہ کھانا رکھ لیا تھا ورنہ یہاں تو سارا کھانا ختم ہو گیا اور۔'' اس سے قبل کہ شذرا مزید کچھ کہتی' نسیمہ بیگم نے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ باقی بات کا گلا گھونٹ کر رہ گئی۔

''اس چنڈال کا تو علاج کرنا ہی پڑے گا۔ کمبخت کی زبان کے آگے تو گویا خندق ہے۔'' آسیہ بیگم دانت پیس رہی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو اسے اٹھا کر باہر پھینک دیتیں۔ کھانے کے بعد سب آرام کیلئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ زیب اور صدف بھی دھلائی سے فارغ ہو گئی تھیں۔

''ارے بھئی زیب سنو مشین بند کر دی کیا!'' شعیب نے پوچھا۔

''جی!'' زیب نے مری ہوئی آواز میں کہا بھوک اور تھکن سے وہ بے ہوش ہونے کو تھی۔

''تو میرے کپڑے کس نے دھونے تھے میرے کمرے میں تو جھانکنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتیں تم سب کے سب میلے ہیں کپڑے' روز یونیورسٹی جانا ہوتا ہے مجھے۔'' وہ خفگی سے اسے ڈانٹ رہا تھا۔

''آپ کا کمرہ آپ کی عدم موجودگی میں لاکڈ رہتا ہے شوبی بھیا ورنہ ہم نے تو سب کے کمروں سے ان کے کپڑے نکال لئے تھے۔'' زیب کے بجائے صدف نے غصہ ضبط کرتے ہوئے... آہستگی سے کہا تو شوبی چپ سا ہو گیا۔

''اگر کام کرنے کی نیت ہو تو کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔ ایک چابی فائزہ کے پاس تھی اس سے لے لی ہوتی۔ اب نکال لو کپڑے اور شام تک مجھے دھلے ہوئے کپڑے چاہئیں' یہ لو چابی۔''

شوبی نے چابی زیب کی طرف بڑھائی' جو اب گری تب گری والی حالت میں کھڑی تھی۔ صدف نے چابی کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''کھانا کھا کر دھو دوں گی۔''

''میں نے تم سے نہیں زیب سے کہا ہے اور جسے کام کہا جائے وہی کیا کرے۔''

شوبی نے چابی زیب کی طرف اچھالی اور آگے بڑھ گیا۔ اب تو یہ زندگی کے معمولات بن گئے تھے اور پھر بچپن ہی سے ایسا ہی سلوک روا رکھا گیا کہ وہ لوگ عادی ہو گئی تھیں۔ یہ دونوں کچھ تو ماں کی طرح تھیں ہی صابر شاکر اور کچھ حالات کی سنگینی بھی پیش نظر رہتی تھی کہ عزت کے ساتھ سر چھپانے کو سائبان ملا ہوا ہے تو گنوائیں کیوں؟

☆...☆...☆

سندھ بورڈ نے انٹر سائنس کے نتائج کا اعلان کر دیا۔ ٹی وی پر پانچ بجے کی خبروں کی چوتھی خبر یہ ہی تھی۔ شذرا کا دل سینے کے اندر اچھلنے لگا۔ اس نے آواز آہستہ کر دی اور خود ٹی وی کے قریب چلی گئی تاکہ کوئی یہ خبر نہ سننے پائے۔ اس وقت سب ہی لان میں جمع تھے۔

''اللہ میاں جی مجھے پاس کر دیجئے گا ورنہ مامی تو کہیں گی کہ میں نے نہ کہا تھا مت پیسہ برباد کرو' پڑھنے کے قابل نہیں اور اسد اسے تو ذلیل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ کتنا مذاق اڑایا تھا اس نے جب اس نے بتایا تھا وہ بھی ڈاکٹر بننا چاہتی ہے۔''

''ہونہہ یہ منہ اور ڈاکٹری ارے مس ڈاکٹر ہم جیسے لائق فائق لوگ ہی بن سکتے ہیں۔ دیکھنا میرٹ پر آئوں گا۔''

پورے خاندان میں شذرا اور اسد ہی نے تو ایف ایس سی کا امتحان دیا تھا مگر شذرا کو تو ہزار ہا کام ہوتے تھے کرنے والے' اسے پڑھائی کا موقع ہی کم ملتا تھا اور دوسرا امامی کا ہر وقت کا جملہ تھا۔

''پتا بھی ہے ڈاکٹر پر کتنا خرچ آتا ہے۔''

''شذرا میری جان اس قسم کے شوق اور ارمان باپ بھائی پورے کیا کرتے ہیں اور تم لوگوں کے باپ بھائی۔''

امی کے آنسوئوں میں ڈاکٹر بننے کا خواب مٹ گیا تھا۔ اب تو وہ صرف پاس ہونے کی دعائیں کر رہی تھی کیونکہ جب کیمسٹری کا پیپر تھا تو اسے پڑھائی کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

''بس اللہ پاک مجھے پاس کر دے' کمپارٹ نہ آجائے کہیں۔''

اور اللہ پاک نے اس کی دعا قبول کر لی تھی اور وہ بڑے اچھے نمبروں سے پاس تو ہو گئی مگر نمبر اتنے نہیں آئے تھے کہ میرٹ پر آتی۔ البتہ اسد نے ہمیشہ اچھے سول کالج میں پڑھا تھا۔ تھا بھی بہت ذہین' بہت ہی اچھے نمبروں سے کامیاب ہو کر میرٹ لسٹ میں پہلے نمبر پر آگیا تھا اور اب اس کی اتراہٹ تھی کہ دیکھنے کے لائق۔

''اسے کہتے ہیں ذہانت اور محنت' چلی تھیں محترمہ ڈاکٹر بننے۔''

وہ مستقل شذرا کو تنگ کر رہا تھا۔ غم و غصے سے شذرا کا چہرہ تپ رہا تھا۔

''ذہانت خدا کی... نے مجھے بھی عطا کی ہے' محنت اس لئے نہیں کی کہ میری میڈیکل کی تعلیم کا خرچ برداشت کرنے والے باپ بھائی نہیں ہیں۔''

خواب ٹوٹ کر جب بکھرتے ہیں اور ان کی کرچیاں آنکھوں میں چبھنے لگتی ہیں تب ہر شے دھندلانے لگتی ہے۔ اس کی آواز بھی لرز گئی۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔ اسد آہستگی سے چلتا اس کے قریب آگیا۔

''رو لو مت ظلم کرو آنکھوں پر برس جانے دو دل ہلکا ہو جائے گا ویسے بھی آنسو عورت کا ہتھیار اور کمزوری ہوتے ہیں۔''

''کیوں روئوں میں' آنسو میرا ہتھیار نہیں' خدا نے مجھے اتنا ضبط عطا کر رکھا ہے کہ ہر بات برداشت کر جائوں۔''

شذرا کچھ دیر قبل غالب آجانے والی کمزوری پر قابو پاتے ہوئے تلخ لہجے میں بولی۔

''اچھا تو اب تک آپ ضبط ہی کا مظاہرہ کرتی رہی ہیں۔''

اسد نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا۔ قریب تھا کہ وہ بھی کوئی ویسا ہی جواب دیتی۔ ظہیر صاحب پوری فیملی کے ساتھ آ گئے' پھر ہلہ گلا ہوتا رہا۔ مبارک سلامت کا شور ہوتا رہا آسیہ بیگم اور زاہدہ بیگم تو بچھی جا رہی تھیں۔ آسیہ بیگم کا تو حق بنتا تھا مگر ان کو زاہدہ بیگم کا یوں ظہیر اور بیگم ظہیر کے سامنے بچھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کبھی طلال بلال کو ساتھ لگاتیں' کبھی ان کی بیٹیوں نادیہ نازیہ کو لپٹاتیں۔

''ہونہہ مطلب پرست مری جا رہی ہیں ورنہ اس سے قبل جب یہ لوگ آتے تھے کیسے ناک بھوں چڑھاتی تھیں' میں بھی صائمہ کو اپنی فائزہ کی دیورانی نہیں بننے دوں گی' کہاں میرا بلال چاند کا ٹکڑا اور کہاں صائمہ۔''

آسیہ بیگم نے جل کر زاہدہ بیگم کو دیکھا' جو بار بار بلال کو کچھ نہ کچھ کھانے کو پیش کر رہی تھیں' سب بچے آپس میں لگے ہوئے تھے' بلال کی بے چین نظریں زیب کو تلاش کر رہی تھیں۔ بالآخر گوہر مقصود ایک کونے میں نادیہ سے باتوں میں مصروف نظر آ گیا۔ تیکھے نقوش والی پیاری سی یہ لڑکی جانے کب دل کے نہاں خانوں میں آ بسی تھی کہ اسے خود بھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھتے ہوئے سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شوبی بھی اس کی نظروں کا زاویہ پا چکا ہے اور اسے یہ حرکت انتہائی بری لگی تھی اس نے ایک ناگوار سی نظر بلال پر ڈالی اور دوسری زیب پر۔

''زیب تم یہاں کیا کر رہی ہو' وہاں کچن میں پھپھو اکیلی ہیں' کچھ خیال ہے تمہیں ان کا۔'' سب کے سامنے یوں شوبی نے زیب سے کہا تو وہ خاموشی سے باہر آ گئی اور کچن میں ماں کا ہاتھ بٹانے لگی۔

''یہ نسیمہ پھپھو کہاں ہیں؟'' جب لوگوں کا دھیان بٹ گیا تو بلال اٹھ کر کچن کی طرف آ گیا۔

☆...☆...☆

''باجی میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اسے بتاؤ کہ وہ اب یونیورسٹی نہیں جا سکتی مگر آپ تو۔'' آمنہ کو بڑی کوفت ہو رہی تھی جب سجل یونیورسٹی جانے کیلئے کپڑے تیار کر رہی تھی۔ اپنی بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

''اچھا میں بات کرتی ہوں جا کر۔'' فاطمہ اٹھ کر اوپر سجیلہ کے کمرے میں آ گئی۔

''آئیں بجو وہ میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ اس روز جو میرے ٹیلر سے نئے کپڑے آئے تھے' وہ کہاں رکھے ہیں' میں نے تو ساری وارڈروب چھان ماری مل کر نہیں دیئے۔'' سجل نے الماری کا پٹ بند کرتے ہوئے فاطمہ کی طرف دیکھا۔ جو کچھ کہنے کیلئے مناسب الفاظ تلاش کر رہی تھی۔

''وہ تو میری الماری میں رکھے ہیں' مگر بے بی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

فاطمہ نے خود میں بڑی ہمت پیدا کی تھی کہ پپا سے بات کرے کہ سجل سے یونیورسٹی نہ چھڑائی جائے مگر وہ ہمت پیدا نہیں کر سکی۔ اب سجل کو روکنے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

''ارے بجو کہیں ناں' یہ تامل کیوں کیسی ہچکچاہٹ کہیں؟''

سجل سارے کام چھوڑ کر فاطمہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''وہ بے بی تم میرا مطلب ہے کہ یونیورسٹی۔''

''یونیورسٹی۔'' یونیورسٹی کے نام پر سجل کی تمام حسیات جاگ جایا کرتی تھیں' اس وقت بھی وہ پوری کی پوری گھوم گئی تھی۔

''وہ بے بی! تم آج یونیورسٹی نہ جاؤ تو بہتر ہے۔'' ہزار کوشش کے باوجود فاطمہ اصل بات نہ بتا سکی۔

''کیوں بجو میں جاؤں گی' اتنے دن تو ہو گئے ہیں' کیا ہوا ہے' آپ کیوں منع کر رہی ہیں۔'' سجل پریشان ہو کر فاطمہ کے قریب آ گئی۔

''بس بے بی نہ جاؤ۔'' فاطمہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''کیوں آخر؟'' سجل مزید پریشان ہو گئی۔

''بس میں نے رات کو خواب بہت برا دیکھا ہے اس لئے۔'' اس وقت اس سے بہتر بہانہ کوئی نہ لگا فاطمہ کو۔

''وہم ہے سب' کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کو ویسے ہی وہم آتے رہتے ہیں۔'' سجل کو کچھ تسلی ہوئی کہ خواب کی وجہ سے منع کر رہی ہیں۔

''وہم نہیں ہے جان یہ حقیقت ہے کہ۔''

''فاطمہ بی بی! نیچے کوئی آپ سے ملنے آیا ہے؟'' باہر سے منور کی آواز پر فاطمہ تیزی سے نیچے آئی۔

''یہ لیجئے کارڈ۔''

☆...☆...☆

''السلام علیکم فاطمہ بی بی! یہ کارڈ ہے آپ کیلئے۔''

''وعلیکم السلام غفور بھائی! کس کی شادی کا کارڈ لے کر آ گئے آپ؟''

فاطمہ نے غفور کے ہاتھ سے گہرے رنگ کا شادی کارڈ لیتے ہوئے پوچھا۔

''بس جی ڈاکٹر صاحب کی آخری بیٹی فرحانہ کی شادی کا کارڈ ہے جی۔''

غفور نے ایسے لہجے میں کہا جیسے ڈاکٹر جبار کی بیٹیوں کی شادیوں کے کارڈ تقسیم کر کر کے تھک گیا ہو۔

''اچھا... اچھا! مگر فرحانہ تو ابھی بہت چھوٹی ہے۔ ہماری بے بی سے بھی ایک سال چھوٹی ہے۔ اچھا خیر' تم مبارکباد دینا گھر والوں کو... ہم انشاءاللہ ضرور آئیں گے شادی میں۔''

فاطمہ کو فوراً ہی اس بات کا احساس ہوا کہ اسے نوکر کے سامنے یہ بات نہیں کہنا چاہئے تھی کہ فرحانہ کی شادی اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں۔

''اچھا ہے چند روز محلے میں رونق رہے گی' مزہ آئے گا۔''

فاطمہ کارڈ لئے اوپر آ گئی۔

''ارے یہ کس کی شادی کا کارڈ آ گیا؟'' آمنہ نے راستے میں فاطمہ کے ہاتھ سے وہ کارڈ لے کر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

''اوہو! تو ڈاکٹر صاحب نے آخری پیس کو بھی بیاہ ڈالا۔ اب اتنی بھی کیا جلدی تھی۔ ہماری بے بی سے بھی چھوٹی ہے۔ پھنس گیا ہو گا کوئی ہم پلہ مرغا' تب ہی تو جلدی کر رہے ہیں' ورنہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ خیر ہمیں کیا۔''

''اوہو آمنہ! ایسے نہیں کہتے بھئی۔ اچھا ہے ناں لڑکیوں کی شادیاں جلدی ہو جانی چاہئیں' ورنہ... خیر لائو دو کارڈ۔''

ورنہ کے آگے ایک ایسا تپتا صحرا تھا' جس کی کوئی حد تھی نہ کنارا۔ وہ کارڈ لئے سجل کے کمرے میں آگئی' جو چاہنے کے باوجود محض فاطمہ کے وہم کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں جا سکی تھی۔ اب منہ بنائے قالین پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔

''بے بی! بور ہو رہی ہو۔ میرے پاس ایسی چیز ہے' تمہاری ساری بوریت ختم ہو جائے گی۔''

فاطمہ نے کارڈ پیچھے چھپاتے ہوئے کہا۔

مگر سجل بدستور منہ پھلائے رہی۔ فاطمہ نے کارڈ اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا تو سجل نے کارڈ اچک لیا۔

''کون خوش نصیب ہے؟ کس کے ہاتھوں میں سہاگ کی مہندی رنگ لا رہی ہے' بہت خوبصورت اور قیمتی کارڈ ہے۔ لگ رہا ہے کہ والدین کتنی خوشی اور ارمانوں سے بیٹی کی شادی کر رہے ہیں۔''

سجل نے کارڈ کھولا نہیں' بس باہر سے اس کی خوبصورتی اور آرائش سے اندازہ لگاتی رہی اس ہستی کی خوش نصیبی کا۔

''ارے' بے بی! دیکھو تو' ہے کس کی شادی؟ وہ تمہاری دوست ہے ناں فرحانہ' اس کی۔''

فاطمہ نے باقاعدہ کارڈ پڑھ کر سنایا تو گویا سجل کے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

وہ کتنی ہی دیر عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر فاطمہ کا خوبصورت حلیم چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا جس کا رنگ اب مدھم پڑنے لگا تھا۔ ہلکی ہلکی جھریاں بھی جھانکنے لگی تھیں۔ اس حسین چہرے پر صبر' ضبط' والدین کی اطاعت کی داستانیں رقم تھیں' جو صرف وہ خود پڑھ سکتی تھی یا پھر اس کی بہنیں' دوسرا کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ اتنے حسین چہرے کے پیچھے کتنے غم' کتنے دکھ' کتنی محرومیاں چھپی ہیں۔

''بے بی! ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' فاطمہ نظریں چرا گئی۔

''بجو! فرحانہ' ڈاکٹر جبار کی سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔ مجھ سے ایک سال چھوٹی ہے۔ انیس سال کی عمر میں اس کی شادی ہو رہی ہے۔''

سجل خود کلامی کے سے انداز میں بولی' مگر فاطمہ کی سمجھ میں آ گیا۔

''ہاں تو پھر؟''

فاطمہ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں تھام لئے۔

''آپ بتا رہی تھیں کہ فرحانہ کی سب سے بڑی بہن آپ کی ہم عمر تھیں' ان کی شادی پچیس سال کی عمر میں ہوئی تھی' اب ان کی شادی کو انیس سال ہو گئے ہیں پتا ہے ان کا ایک بیٹا سیکنڈ ایئر میں اور بیٹی فرسٹ ایئر میں ہے' اگر آپ کی شادی ہو گئی ہوتی تو آپ کے بچے بھی تو اتنے ہی بڑے ہوتے ناں۔''

سجل کے لہجے میں عجیب سا دکھ اور تشنگی کا احساس تھا۔ اس کی بات نے فاطمہ کے زخموں کو گویا اپنے نوکیلے ناخنوں سے نوچ ڈالا تھا۔ اس طرح کہ وہ کراہ

اٹھی۔

"ایسی باتیں نہیں سوچتے بے بی' میری جان! یہ خوشیاں نصیبوں سے ملتی ہیں۔اس میں بھلا کسی کا کیا قصور ہے۔" فاطمہ ٹیسوں کو دباتی کھڑی ہوگئی۔ سجل ان کے سامنے آگئی۔

"بجو! ہم لوگ اتنے بدنصیب ہیں کہ ہماری زندگی میں ایسی خوشی کا دخل ہی نہیں ہے۔ہماری قسمت میں ایسی خوشیاں کیوں نہیں؟"

وہ سراپا سوال بنی فاطمہ کے سامنے کھڑی تھی۔ایسا سوال جس کا جواب فاطمہ کے پاس نہیں تھا۔

"بے معنی سوال مت کیا کرو بے بی!" فاطمہ کے سدا کے حلیم لہجے میں ہلکی سی تلخی کا عنصر حلول ہوگیا۔

"بے معنی! یہ بے معنی سوال نہیں ہے بجو۔انسانی خوشیوں اور انسانی زندگی کا سوال ہے۔کوئی تو مجھے بتائے کہ ہماری زندگی میں یہ قبرستان جیسے ویرانی کیوں ہے؟ کیوں محروم تمنا ہیں ہم سب؟ ہمارے گھروں میں خوشیوں کے شادیانے کیوں نہیں بجتے؟ ہمارے گھر میں ارمان دلہن کیوں نہیں بنتے؟ کس چیز کی کمی ہے ہم میں' حسن ہے' دولت ہے پھر...؟"

وہ فاطمہ کو جھنجھوڑتے ہوئے سراپا سوال بنی ہوئی تھی اور ایک ایک کر کے فاطمہ کے زخم ادھڑنے لگے تھے' مگر اس کا فطری تحمل غالب آگیا۔اس نے سجل کو ساتھ لگایا' پیار کیا۔

"بے بی! میری جان! ابھی بہت کم عمر ہو' بہت چھوٹی ہو' میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا جان حسن اور دولت پر کبھی بھروسا نہ کرنا' اس لئے کہ حسن تو ڈھلتی دھوپ ہوتا ہے' ڈھل کر ختم... ہو جاتا ہے اور دولت سے تم وقتی اور عارضی خوشیاں خرید سکتی ہو۔ حقیقی اور پائیدار نہیں اور میرے خیال میں تو دولت سے خوشیاں کم اور غم زیادہ ملتے ہیں خیر! ایسی باتیں مت سوچا کرو جان! تمہارے چہرے کا یہ گلاب کھلا ہی رہنا چاہئے۔اتنی سی عمر میں اتنی بڑی باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔"

فاطمہ محرومیوں کے تپتے صحرا میں بڑے ضبط سے سفر کر رہی تھی۔اس نے سجل کے چہرے پر آئی لٹوں کو پیار سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہوں میں چھوٹی' مجھے حساب چاہئے خوشیوں کا' غموں کا' محرومیوں کا' تشنگیوں کا' خوشیاں کیوں دور بھاگتی ہیں ہم سب سے بولو بجو! آئے دن کسی دوسرے گھر کسی کی بیٹی کی' کسی کے بیٹے کی شادی ہوتی ہے' مگر ہمارے گھر میں ایسا کوئی رواج کیوں نہیں ہے' کیوں نہیں ہیں خوشیاں ہماری قسمت میں۔دل چاہتا ہے ہر شادی والے گھر میں آگ لگا دوں' چھین لوں سب سے ایسی خوشیاں جن کو پا کر زندگی سے پیار ہو جاتا ہے۔"

وہ ہذیانی انداز میں چلائی اور واقعی وہ جلن محسوس کرنے لگی تھی۔دوسروں کی خوشیوں سے وہ بھی چاہتی تھی کہ اس کی کسی بہن کی' کسی بھائی کی شادی ہو' مگر یہاں تو لگتا تھا گویا شادی کرنا تو کیا گھر میں کسی کی شادی کا ذکر کرنا بھی گناہ عظیم یا ایسا جرم ہے' جس کی سزا موت یا عمر قید سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔"

بری بات ہے بے بی! کسی کی خوشیوں سے حسد نہیں کرتے بلکہ دعا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور خوشیاں دے۔یہ تو مقدر کی بات ہے جان! ہم کسی سے کیوں جیلس ہوں۔

اوکے بے بی اب میں نیچے جاؤں لنچ ٹائم ہو گیا ہے' پپا بھی آنے والے ہیں۔"

فاطمہ کو معلوم تھا... اس وقت وہ بپھری ہوئی ہے' اس کے پاس مزید ٹھہرنا اس کے اور اپنے لئے خطرناک ہے لہٰذا وہ بہانا بنا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ زخم ہرے ہو گئے تھے۔ سارے دکھ اور اذیت کے اور وہ بے حال ہو گئی۔ آنکھوں میں برسات اترنا ہی چاہتی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"ارے باجی! آپ کمرے میں اندھیرا کر کے لیٹی ہیں' نیچے ڈائننگ ٹیبل پر انتظار ہو رہا ہے' پپا جی اور بھائی آ چکے ہیں' چلو آئو۔"

آمنہ نے آتے ہی اس کے کمرے کی لائٹ آن کر دی' جس کے دبیز پردوں نے سورج کی کرنوں کو اندر آنے سے روکا ہوا تھا۔

فاطمہ کی آنکھوں میں کنکر چبھنے لگے۔ اسے ذرا بھی بھوک نہیں تھی' مگر وہ جانتی تھی کہ پپا جی کے سامنے حاضری سانس لینے سے زیادہ ضروری ہوتی ہے۔

"ہاں... ہاں آمنہ تم چلو میں آتی ہوں' یونہی ذرا لیٹ گئی تھی۔"

فاطمہ سلگتی آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر ٹیسوں کو دباتی نیچے آئی تو ٹیبل پر فرحانہ کی شادی زیر بحث تھی۔ اس نے آواز نکالے بغیر کرسی باہر نکالی اور بیٹھ گئی۔ آنکھیں جل رہی تھیں' دل کی بستی میں عجیب گھٹن کی سی کیفیت تھی۔ اتنی کہ اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"بھئی یہ جبار صاحب کو لگتا ہے اپنی بیٹیوں سے ذرا بھی پیار نہیں۔ یوں بیاہ دیں سب جیسے گھر میں کھانے کی کمی ہو۔"

فاروق احمد نے فرحانہ کی شادی پر ریمارکس دیتے ہوئے اپنی تینوں بیٹیوں کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں دیکھو ہمیں تم لوگوں سے کتنا پیار ہے' تب ہی تو تم لوگوں کی شادیاں ابھی تک نہیں کیں۔

"ویسے میرے خیال میں تو واقعی لڑکیوں کی شادیاں جلدی ہی کر دینا چاہئیں بلکہ میرے خیال میں تو ہم لوگ خاصے لیٹ ہو گئے ہیں نہ راحیل بھائی کی ہوئی نہ فاطمہ باجی اور..."

نبیل جانے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کیا کہتا کہ فاروق احمد کی تیز نظروں نے باقی بات کا گلا دبا دیا' مگر کھانے میں مگن سجل نے نبیل کی بات سن تھی اور خاصی خوش بھی ہوئی تھی' مگر پپا کی نظروں سے بے خبر چہک کر بولی۔

"کسی لڑکی کو چھوڑیں پپا جان! ہم راحیل بھائی کی شادی کرتے ہیں۔ لڑکی ڈھونڈیں گے پھر رشتہ طے ہو گا۔ دوسرے لوگوں کا نئے رشتے داروں کا آنا جانا ہو گا۔ ہمارے گھر میں بھی خوشی کے شادیانے بجیں گے۔ ہمارے گھر میں بھی خوشیاں بہاروں کی صورت میں اتریں گی... ہے نا راحیل بھائی! کیا خیال ہے آپ کا؟ ڈھونڈ لیں آپ کیلئے کوئی لڑکی' اچھا آپ خود ہی بتا دیں' اپنی پسند کی لڑکی' بعد میں مت کہئے گا کہ..."

آج تو سجل کی پسند کا موضوع چھڑ گیا تھا۔ وہ خوب شوخی سے... چہک کر راحیل کو دیکھ رہی تھی۔

"بے بی! اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس سے قبل کہ خوشیوں کی اس خوشگوار گفتگو میں راحیل بھی کوئی شوخ پھلجھڑی چھوڑتا' فاروق احمد نے سجل کو ایسی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ مارے

گھبراہٹ کے نوالہ اس کے ہاتھ سے پلیٹ میں گر گیا۔

''فاطمہ! یہ تم کن خیالوں میں گم ہو' میں دیکھ رہی ہوں' تم کھانا بہت کم کھا رہی ہو' کیا بات ہے؟''

صوفیہ بیگم نے فاطمہ کو دیکھا۔ فاطمہ کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

حالانکہ اس وقت طبیعت اتنی بوجھل ہو رہی تھی کہ ایک نوالہ بھی حلق سے اترنا محال تھا۔ حلق میں تو آنسوئوں کا گولا پھنسا ہوا تھا' جو پلکوں کا نازک بند توڑنے پر مصر تھا' مگر فاطمہ کا ضبط ہمیشہ اس کی کمزوریوں پر غالب آیا تھا۔

''کچھ نہیں ممی! کوئی بات نہیں' میں لے رہی ہوں جی کھانا' کھا رہی ہوں۔''

ضبط کے پل صراط سے گزرنا کتنا مشکل اور جان لیوا ہوتا ہے۔ یہ کوئی فاطمہ سے پوچھتا۔

''سجل بی بی! آپ کی سہیلی حنا کا فون ہے۔''

''ہیں' ہائے حنا! کتنا خیال ہے اسے میرا' بے چاری جانے کہاں سے فون کرتی ہے۔''

سجل بولتی ہوئی فون سننے آگئی۔ سن کر واپس آئی تو چہرہ بہت کھلا ہوا تھا۔

ن ہے یہ حنا؟'' راحیل بھائی نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا' جیسے حنا کے روپ میں کوئی مرد ہو۔

''وہ جی یونیورسٹی کی دوست ہے میری' حنا بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''کہہ کیا رہی تھی؟'' فاروق احمد نے ایسے پوچھا' جیسے ان کو حنا کی اچھائی' برائی سے کوئی غرض نہ ہو۔

''جی پوچھ رہی تھی کہ تم یونیورسٹی کیوں نہیں آئیں؟''

''واٹ... کیا مطلب ہے کہ یونیورسٹی نہیں آئیں۔ تم نے ابھی تک اسے بتایا ہی نہیں کہ تم یونیورسٹی چھوڑ چکی ہو...؟''

پہلا دھماکہ سجل نے کیا تھا حنا کی بات بتا کر اور دوسرا دھماکہ فاروق احمد نے کیا۔

''جی پپا! کیا کہا آپ نے؟ میں یونیورسٹی چھوڑ چکی ہوں؟''

''اسے اپنی ہی آواز دور کہیں صحرائوں سے آتی سنائی دی۔

اس کی یہ حیرانی یہ انجان پن صاف بتا رہا تھا کہ وہ ہر بات سے بے خبر ہے۔ فاروق احمد کیلئے یہ بات انتہائی ناقابل برداشت تھی کہ ان کی بات کو یوں نظرانداز کیا جائے۔ وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔

''فاطمہ...!'' بڑے سے ڈائننگ روم میں ان کی کرخت آواز گونجی تو فاطمہ کی رگوں میں خون جیسے منجمد ہونے لگا۔

''جی پپا!''

''جب میں نے کہہ دیا تھا کہ بے بی آئندہ یونیورسٹی نہیں جائے گی تو اسے بے خبر کیوں رکھا گیا' کیا میرے حکم کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہے؟''

فاروق احمد کا چہرے غصے سے سرخ ہو گیا۔یوں لگ رہا تھا' جیسے وہ ابھی ہنٹر سے فاطمہ کی چمڑی ادھیڑ دیں گے۔باقی سب کو تو سانپ سونگھ گیا تھا' مگر فاطمہ کی یہ حالت تھی کہ اب گری کہ تب گری۔

''فاطمہ! پپا کیا پوچھ رہے ہیں؟'' راحیل بھی تند لہجے میں بولا۔

''وہ... دراصل جی! بے بی کی حالت کے پیش نظر نہیں بتایا کہ مبادا اس کی طبیعت مزید بگڑ جائے۔'' فاطمہ نے رکتے ہوئے اصل بات بتادی۔

''خدانخواستہ بے بی کی حالت اتنی خطرناک نہیں تھی اور نہ ہی یہ ایسی جان لیوا خبر تھی کہ اس سے چھپائی جاتی۔دوسرے یہ کہ باپ بھائیوں نے کیا کہا' تمہارے نزدیک اس بات کی اہمیت ہی نہیں ہے۔''

یہ صوفیہ بیگم تھیں۔ان تینوں صابر شاکر بیٹیوں کی ماں جن کو قدرت نے ضبط اور صبر کے بیش بہا خزانے سے نوازا تھا' مگر اس زیادتی پر آمنہ شا کی نظروں سے ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔گویا کہہ رہی ہو کہ من مانی ہم مجبوروں نے کیا کرنی ہے۔اپنی مرضی سے سانس تو لے نہیں سکتے۔

وہ دکھ کا احساس لئے وہاں سے ہٹ گئی۔اس نے سجل کے بے رونق چہرے پر ایک نظر ڈالی اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔

سجل کو تو گویا سکتہ سا ہو گیا۔وہ تو اپنے جرم کو بھی فراموش کر بیٹھی تھی' جس کی پاداش میں اس سے آزادی کے چند گھنٹے چھینے جا رہے تھے۔ابھی تو فاطمہ سے پوچھ گچھ جاری تھی۔

''فاطمہ مجھے وضاحت چاہئے اس کوتاہی کی۔''

فاروق احمد اس بات کو اتنی اہمیت دے رہے تھے جیسے اس کی اس کوتاہی سے کسی کی جان پر بن آئی ہو۔

''سوری پپا جان! آئندہ کوتاہی نہیں ہو گی۔'' (مجھے اسی روز بے بی کو بتا دینا چاہئے تھا کہ ہمیں جینے کا کوئی حق نہیں' خوشیاں ہم پر حرام ہیں اور حرام کو منہ لگانا کتنی گناہ والی بات ہے)

فاطمہ نے باپ سے فوراً معافی مانگ لی' لیکن جو کچھ درحقیقت کہنا چاہتی تھی' وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

''اوکے! جا کر آرام کرو اور آئندہ خیال رکھنا۔''

فاروق احمد نے اس کے کانپتے وجود کو دیکھتے ہوئے معافی قبول کرتے ہوئے کہا تو اس کا جی چاہا بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی جائے۔چھپ جائے جلدی سے باپ بھائیوں کی نظروں سے مگر درمیان میں وسیع لائونج تھا۔اس کے بعد ڈھیر ساری سیڑھیاں اور قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔بمشکل وہ اپنے کمرے میں آ پائی۔

بار بار اس کی جلتی آنکھوں کے سامنے پپا جان کا غصے میں تپتا ہوا چہرہ آ رہا تھا۔جانے کب گلے میں اٹکا ہوا نمکین پانی... کا گولا پلکوں کے بند توڑتا ہوا دامن بھگونے لگا۔

''گھٹی گھٹی سسکیوں کی آوازیں دروازوں سے ٹکرا کر واپس اپنی سماعتوں سے ٹکرانے لگیں۔آج کوئی خاص بات تو نہیں ہو گئی تھی۔یہ تو نارمل رویہ تھا۔پپا

کا یوں ہی ذراسی غلطی پر دار پر چڑھانے کی دھمکی دی تھی' مگر آج دل تو پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ وہ رونے لگی' روئے گئی' محرومیاں نوکیلے کانٹے بن کر چبھ رہی تھیں دل میں' اس کا جی چاہا آج وہ در و دیوار سے پردوں سے کمرے کی ہر شے سے لپٹ کر اتنا روئے کہ اس کا وجود ختم ہو جائے۔

☆...☆...☆

"پپا پلیز! معاف کر دیں' میں آئندہ کینٹین میں کوئی چیز نہیں کھاؤں گی' مجھے یونیورسٹی جانے دیں۔"

فاروق احمد کے پاس ڈاکٹر احسان آئے ہوئے تھے۔ سجل نے موقع غنیمت جانا اور اندر آ گئی۔ اسے یقین تھا کہ پپا ڈاکٹر احسان کے سامنے اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ اس نے اتنی لجاجت سے کہا تھا کہ ڈاکٹر احسان نے چونک کر دیکھا۔

"کیا مسئلہ ہے فاروق' یہ بے بی اتنی پریشان کیوں نظر آ رہی ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں ڈاکٹر صاحب' وہ اس روز بے بی کو جو فوڈ پوائزن ہو گیا تھا تو وہ یونیورسٹی کی بریانی کھانے سے ہوا تھا تو بس پپا نے کہا یونیورسٹی جانا بند' اب یہ بے بی جانا چاہتی ہے۔"

نبیل نے جلدی سے ساری بات بتا دی تو فاروق احمد اسے قہر آلود نظروں سے گھورتے رہ گئے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ ہو کیا چیز' فاروق احمد! یہ دنیا ہے یہاں بہت کچھ ہوتا ہے' باہر نجانے لوگ کیا کچھ کھاتے پھرتے ہیں' ان کو تو کچھ نہیں ہوتا۔ تم امیر لوگوں کے بچوں کو چھینک بھی آ جائے تو قیامت آ جاتی ہے' حد ہو گئی۔ اتنی سی بات پر لڑکی پر تعلیم کے دروازے بند کئے جا رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے بے بی نے کتنی مشکلوں سے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کی اجازت حاصل کی تھی تم سے' میرا مشورہ ہے کہ اسے یونیورسٹی جانے سے نہ روکو۔ آگے تمہاری مرضی' کیونکہ تم ہمیشہ یا تو اپنی انا کے غلام رہے یا پھر...؟"

ڈاکٹر احسان' فاروق کے دیرینہ دوست تھے۔ سارے حالات ان کے سامنے تھے اور وہ فاروق احمد کو بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ اسی لئے ایک نظر انہوں نے فاروق احمد پر اور دوسری مسز فاروق پر ڈالی اور باہر نکل گئے۔

سجل کی اس حالت کا اثر ہوا تھا یا پدرانہ شفقت میں ابال آیا تھا یا ڈاکٹر احسان کی باتوں کا پاس رکھا تھا۔

"ٹھیک ہے بے بی! کل سے تم یونیورسٹی جا سکتی ہو۔" انہوں نے سخت لہجے میں کہا' لیکن سجل کی خوشی سے سانس رکنے لگی تھی۔

☆...☆...☆

بلال... سب کی نظریں بچا کر کچن میں چلا آیا تھا' جہاں نسیمہ بیگم چائے بنا رہی تھیں اور زیب کیک' بسکٹ اور مزید لوازمات ٹرالی میں سجا رہی تھی۔ نسیمہ بیگم کی دروازے کی جانب پشت تھی' اسی کا فائدہ اٹھا کر بلال کتنی ہی دیر سرخ دوپٹے کے ہالے میں کچھ چھپے' کچھ ظاہر زیب کے حسین روپ کو دیکھتا رہا۔ نظروں کی حدت کو چہرے پر محسوس کر کے زیب چونک گئی۔

"آداب پھپھو!" نسیمہ بیگم کے مڑنے پر بلال نے جھٹ سلام جھاڑا۔

"جیتے رہو بیٹے! کیا حال ہے' بڑے دنوں بعد آئے' خیریت تو تھی ناں؟"

نسیمہ بیگم نے اس کے جھکے شانے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ پھپھو! آپ کے علاوہ تو کسی نے پوچھا ہی نہیں کہ اتنے دن کہاں رہے' ہم نے مس کیا یا...؟"

بلال نے دوپٹے میں سے جھانکتی زیب کی دراز چوٹی کو دیکھتے ہوئے شکوہ کیا' جیسے اسی کو سنا رہا ہو مگر وہ بدستور اپنے کام میں مگن رہی۔

"ٹھیک ہے پھپھو! اپنی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں' مگر انسان اگر کسی کو اہمیت دے تو پلٹ کر اسے دیکھ ہی سکتا ہے۔ زبان سے نہ سہی نظروں ہی نظروں میں حال پوچھ سکتا ہے' اتنے دن کہاں رہے؟ کبھی یاد بھی آئی کہ نہیں' ملنے کو دل چاہا کہ نہیں وغیرہ۔"

"بس بیٹا! ہر ایک کی اپنی مصروفیات ہیں۔"

نسیمہ بیگم باہر نکل گئی تھیں۔ بلال واش بیسن پر برتن دھوتی زیب کے قریب آکر آہستگی سے دھیمی آواز میں شکوہ کناں اس کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر رہا تھا۔ کسی کے آجانے کے خوف سے زیب کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ آگئی۔ وہ جلدی سے وہاں سے ہٹ کر الماری سے برتن نکالنے لگی۔

"زیب"!

وہ ہمیشہ ہی اس سے کتراتی تھی اور بلال اس کے قریب ہونا چاہتا تھا۔ وہ اسے حال دل سنانا چاہتا تھا مگر اس کی نامہربانوں کی اس بستی میں اس کا موقع ہی کب میسر آتا تھا۔ اب بھی اس نے نسیمہ بیگم کی وقتی غیر حاضری کو غنیمت جانتے ہوئے اسے آواز دی۔

عین اسی وقت شوبی نازل ہو گیا۔ کچن میں صرف بلال اور زیب تھے۔ یہ بات شوبی کو غضب ناک کرنے کیلئے کافی تھی۔ خوف کی سرد لہر زیب کی ریڑھ کی ہڈی کو منجمد کر گئی۔

"بھئی تم کمال کرتے ہو بلال! یعنی وہاں تمہیں مس کیا جا رہا ہے اور تم یہاں...؟"

غصہ تو شوبی کو جس قدر آیا تھا' اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ بلال کو دھکے دے کر باہر نکال دے اور زیب کا تو گلا ہی دبا دے۔

"سوری یار! ہے تو یہ ایٹی کیٹس کے خلاف' مگر نسیمہ پھپھو سے ملے کافی دن ہو گئے تھے۔"

بلال نے کن انکھیوں سے گھبرائی ہوئی زیب کو دیکھا۔ خوف کے سائے اس کے چہرے پر لرزاں تھے۔

"پھپھو تو خیر اب ڈرائنگ روم میں ہیں' جا ؤ مل لو اور زیب! میں نے شام کو تمہیں کپڑے استری کرنے کو دیئے تھے' مگر وہ جوں کے توں پڑے ہیں۔ دھیان دو کسی کام پر تو کام ہو ناں۔"

تیز نظروں سے زیب کو دیکھتے ہوئے شوبی نے زہر خند لہجے میں سارا غصہ اس پر اتارا تو زیب کی ٹانگوں میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

"جی سوری! میں استری کرنے جا رہی تھی کہ بڑی امی نے کہا پہلے چائے وغیرہ بنا لو پھر کر لینا استری' آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔"

یوں تو شوبی کا یہ لب و لہجہ' یہ حاکمانہ رویہ روز کا معمول تھا' مگر آج بلال کے سامنے شوبی کا یہ حقارت بھرا لہجہ' مشکوک انداز سے پانی پانی کر گیا۔

"گھر میں ڈھیروں لڑکیاں ہیں اور غالباً سب کو چائے بنانا آتی ہے یا تمہارے ہاتھوں میں کوئی خاص بات ہے یا تمہارے علاوہ کوئی اچھا کام کر ہی نہیں سکتا؟"

وہ مستقل بلال کے سامنے اس کی توہین کیے جا رہا تھا۔ احساس ذلت سے اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں' آنکھوں کے گوشے تر ہونے لگے۔

"خدانخواستہ مجھے ایسی کوئی بیماری نہیں ہے شوبی بھائی کہ میں خود کو کچھ سمجھوں۔" وہ کہنے لگی۔

"جو کچھ ہوتے ہیں' وہ اپنے گھروں میں اپنے باپ بھائی کے ساتھ آباد ہوتے ہیں جن پر خدا مہربان ہوتا ہے۔ ہم تو دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والے ہیں' ہم کیا ہو سکتے ہیں۔"

اس کی آواز کی لرزش بلال سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ غم و غصے سے اسے طیش آ گیا۔ ابھی تو اس نے صرف زیب کی زبان کے الفاظ سنے تھے۔ سوچ پڑھ لیتا تو شوبی سے ضرور الجھتا' مگر اس طرح وہ زیب کی حمایت کر کے زیب کیلئے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ راہداری سے جاتے ہوئے بلال نے سنا' وہ کہہ رہا تھا۔

"زیب! میں نے تمہیں کہہ رکھا ہے کہ میرے کام صرف تم کیا کرو گی... سمجھیں... کوئی اور لڑکی میرا کوئی کام نہیں کرے گی۔"

"ہونہہ! چیٹیپر!" بلال نے زمین پر پیر پٹخا اور آگے بڑھ گیا۔

آنکھوں میں لبالب آنسو بھرے زیب سوچ رہی تھی کہ شوبی سے پوچھے' اس حکم کا مطلب کیا ہے؟ کیا وہ اس کی زر خرید لونڈی ہے یا منکوحہ کہ اس کا ہر کام اسی پر واجب ہے' مگر یہاں تو حکم زبان بندی تھا۔ زبان کھولنے پر زبان تو نہیں کاٹی جاتی تھی مگر نمک حرامی اور ٹکڑوں پر پلنے اور پھر گستاخی کا جو طعنہ دیا جاتا وہ نہ تو نسیمہ بیگم سے برداشت ہوتا اور نہ ہی زیب سے... باقی تینوں تو چھوٹے تھے۔

"زیب! ابھی تک چائے نہیں لگی تمہاری' آج کل لڑکیاں تو اس قدر سست ہو گئی ہیں' چلو یہ تو اپنے گھر کے لوگ ہیں اگر کوئی اور مہمان آیا ہو تو... اور شوبی! تم یہاں کیا کر رہے ہو' سب کو چھوڑ کر؟"

آسیہ بیگم جو چائے جلدی نہ تیار کرنے پر زیب کو ڈانٹ رہی تھیں شوبی کو وہاں دیکھ کر خاصی مشکوک نظروں سے پہلے شوبی کو اور پھر زیب کو دیکھا' جو شوبی کے ہاتھوں ملنے والی ذلت ہی کو ہضم نہیں کر پائی تھی کہ مزید تازیانہ پڑا۔

"امی جان! گھر میں ڈھیروں لڑکیاں ہیں' چائے بنانے کو یہ ہی رہ گئی تھی۔ اسے کپڑے استری کرنے کو دیئے تھے' وہ محترمہ نے کیے ہی نہیں' چائے بنانے چلی آئیں۔"

شوبی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس کے لہجے کی چبھن زیب نے دل میں محسوس کی اور اس کے کپڑے استری کرنے چلی گئی۔

"ارے میاں لڑکیوں کی خوب کہی تم نے۔ فائزہ تو خیر ٹھہری اپنی ممانی کی لاڈلی۔ وہ اسے لپٹائے بیٹھی ہیں دوسری لڑکیاں ذرا ہنس بول رہی ہیں۔ بہنیں کافی دنوں بعد ملی ہیں' اور بھیا! شذرا بی بی تو باری کے کام سے ایک کام بھی زیادہ کر کے نہیں دیتیں۔ کوئی کام کہو فوراً کہہ دیں گی' میں اپنی باری کا کام کر

چکی ہوں' یہ سب تمہارے باوا کا قصور ہے۔ سر پر چڑھایا ہے بھانجیوں کو' یہ شذرا تو مجھے لگتا ہے' ضرور ناک کٹوائے گی۔

آسیہ بیگم کو تو شذرا کے خلاف بولنے کا موقع ملنا چاہئے تھا۔ قصور کسی کا ہو ڈانٹ ساری اسی کے نام ہو گی۔ بیٹیاں جوان ہو جائیں تو ماؤں کی نظریں اچھے اور قابل لڑکوں کی تلاش کرتی رہتی ہیں اور نظر آ جائیں تو جلدی سے قابو کر لینا چاہتی ہیں۔

زاہدہ بیگم کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ ایک تو بلال خاندان بھر کا سمارٹ اور خوبرو لڑکا تھا' دوسرے سول انجینئر بن رہا تھا' پھر زاہدہ بیگم کیسے نہ فدا ہوتیں۔

"صائمہ... او صائمہ...!"

زاہدہ بیگم نے کمرے سے نکل کر آہستگی سے صائمہ کو پکارا۔

"جی امی خیریت؟" صائمہ آنکھوں میں سوال لئے کھڑی تھی۔

"ہاں کمرے میں جاؤ ڈھنگ کے کپڑے پہنو اور ایسا میک اپ کرو کہ محسوس نہ ہو کہ کیا ہوا ہے۔ میں کچن میں جا رہی ہوں... تیار ہو کر وہیں آ جانا اور تم خود چائے سب کو سرو کرنا اور سنو بلال کا خاص خیال رکھا کرو۔

پہلے تو صائمہ کی سمجھ میں ماں کی بات نہیں آئی تھی' مگر جب بلال کا ذکر آیا تو دل دھڑک اٹھا اور جی چاہا کہہ دے کہ امی آپ کیا جانیں اس کے... علاوہ خیال ہی کس کا آتا ہے۔ بس جی اچھا کہہ کر بھاگ گئی۔

"خیریت بھابی جان! آپ خود کاموں میں لگی ہوئی ہیں' یہ نسیمہ باجی اور لڑکیاں کہاں ہیں؟ میں نے تو زیب کو چائے کا کہا تھا' پھر آپ کیوں؟"

کام سارا ہو چکا تھا آسیہ بیگم بس دیکھ رہی تھیں کہ زاہدہ بیگم اپنی محبتیں لٹاتی آن موجود ہوئیں۔ آسیہ بیگم نے ایک ناگوار سی نگاہ ان پر ڈالی' جو بلال کی وجہ سے ان کے پاؤں کی جوتی بنی جا رہی تھیں' جبکہ ان کو بلال جیسے خوبرو لڑکے کیلئے صائمہ جیسی سانولی سی رنگت اور معمولی نقوش والی لڑکی قطعی پسند نہیں تھی۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ یہ بات برداشت کر ہی نہیں سکتی تھیں کہ اس گھر کی کوئی لڑکی ان کی فائزہ کے مقابل اس گھر میں جائے۔

"ہاں' بس کام تو ہو ہی چکا ہے' اب فائزہ یا کسی اور لڑکی کو بلاؤ' چائے لے آئیں' اتنی دیر ہو گئی۔ بھابی جان ویسے ہی ذرا مزاج کی تیز ہیں۔ جانے کیا سے کیا سوچ ڈالیں۔"

"فائزہ... فائزہ بیٹے! آؤ چائے لے جاؤ۔"

آسیہ بیگم نے وہیں سے فائزہ کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ فائزہ ماموں مامی کی نظروں میں پیش پیش ہو۔

"ارے بھابی جان! فائزہ کو بیٹھا رہنے دیں رابعہ بھابی کے پاس' صائمہ لے جاتی ہے چائے۔"

ادھر زاہدہ بیگم نے صائمہ کو آواز دی۔ وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گئی۔

ہلکے گلابی رنگ کے لباس پر مدھم سا میک اپ تھا۔ یہ تیاری دیکھ کر آسیہ بیگم نے ایک چبھتی سی نگاہ اس پر ڈالی۔

"ہونہہ! یہ مقابلہ کرے گی میری بیٹی کا۔"

آسیہ بیگم کی نظروں میں اپنی خوبصورت اور سرخ و سفید رنگت والی فائزہ گھوم گئی۔

ہال کمرے میں ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ بزرگ اپنی باتوں میں لگے ہوئے تھے اور بچوں نے ایک ہڑبونگ مچائی ہوئی تھی۔

''آپ یہ کباب لیجئے ناں بلال۔''

ماں نے نظروں سے اشارہ کیا تو صائمہ نے جھٹ کبابوں والی پلیٹ بلال کی طرف بڑھائی۔

بلال حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا' جو ایک دم ہی بلال بھائی سے صرف بلال پر آگئی تھی۔

''نہیں شکریہ' اس وقت کسی چیز کی طلب نہیں۔''

زیب کی بے عزتی کے بعد تو وہ ایک پل بھی یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا' مگر مجبوری تھی۔

فائزہ الگ طلال کو نخرے دکھا رہی تھی۔ خواہ مخواہ ہی امی سے لپٹے جا رہی تھی جبکہ رابعہ بیگم کی کسی بات سے پسندیدگی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

''طلال بیٹے! ہاؤس جاب کے بعد کیا ارادے ہیں' پرائیویٹ کلینک کرو گے یا...؟''

شوکت حسین نے طلال سے پوچھا جو آج کل ہاؤس جاب کر رہا تھا۔

''انکل میری اور ابو کی خواہش تو ہے کہ آرمی جوائن کر لوں اور پکا ارادہ بھی ہے' اگر خدا کو منظور ہوا تو یقیناً آپ مجھے کیپٹن ڈاکٹر کے روپ میں دیکھیں گے انشاءاللہ۔''

آرمی میڈیکل طلال کا خواب تھا۔ اب اس کی تعبیر کا وقت آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ روشن ہو گیا تھا۔

''انشاءاللہ' اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب کرے بیٹا۔'' شوکت حسین نے دعا دی تو آسیہ بیگم نے نظروں ہی نظروں میں اس کی بلائیں لیں۔ فائزہ کو تو اپنی قسمت پر رشک آنے لگا تھا کہ ایک خوبرو مستقبل کا آفیسر اس کا ہو جائے گا۔ اس نے اترا کر باقی کزنز کو دیکھا جن کے۔ چہروں پر اسے خواہ مخواہ ہی حسد اور رشک کے سائے لہراتے نظر آئے۔

''نسیمہ!'' ظہیر احمد نے سب سے الگ تھلگ خاموش بیٹھی نسیمہ بیگم کو پکارا۔

''جی ظہیر بھائی۔'' نسیمہ بیگم چونک کر مڑیں۔

''اتنا شور ہنگامہ ہے' سب ہنس بول رہے ہیں' میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت چپ چپ ہو' ہنسا بولا کرو۔ کیا بات ہے' کچھ کمزور بھی لگ رہی ہو؟''

نسیمہ بیگم کو کسی زمانے میں ظہیر احمد نے شدت سے چاہا تھا۔ اور پہلی محبت تو ہمیشہ ہی عزیز رہتی ہے۔ اس وقت وہ انتہائی افسردہ سی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک ایسی عورت جس کا شوہر نہ ہو۔ ایک بیٹا جیتے جی مر چکا ہو' جس کی کوئی خیر خبر نہ ہو' جیتا ہے کہ مرتا ہے۔ تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کا ساتھ' بھائیوں اور بھابیوں کے در پر ہو اور ہمہ وقت ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ ملتا ہو تو وہ بھلا خوش کیسے رہ سکتی ہے۔

''ارے نہیں ظہیر بھائی! ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ نے کافی دنوں بعد دیکھا ہے ناں شاید اس لئے محسوس کر رہے ہوں' میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔''

''دیکھو نسیمہ! میرے اور تمہارے درمیان ایک اور بھی رشتہ ہے۔ کزن ہیں ہم دونوں حق ہے تمہارا اور تمہارے بچوں کا مجھ پر' کوئی ایسی بات ہو' ضرورت ہو ضرور بتایا کرو۔ آج تک تم نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی' کوئی سکھ یاد کھ کی بات... اس کا مطلب ہے' والدین کے مرنے کے ساتھ ہی ہمارا تعلق بھی ختم ہو گیا۔''

ظہیر احمد نے دھیمی آواز میں بولتے ہوئے نسیمہ بیگم کے چہرے کو دیکھا' جس پر دکھ کے سائے منڈلا رہے تھے' جو اتنی رونق اور اتنے لوگوں کے ہجوم میں بھی بالکل تنہا لگ رہی تھیں۔

''کیسی بات کرتے ہیں ظہیر بھائی! میں نے تو کبھی ان تینوں میں اور آپ میں فرق محسوس نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بھائی لاکھوں میں ایک ہیں۔ انہوں نے کبھی کسی کمی یا ضرورت کا احساس ہی نہیں ہونے دیا اور ہو گا تو آپ لوگوں کے پاس ہی تو آئوں گی اور کہاں جانا ہے مجھے؟ کون ہے میرا...؟'

نسیمہ بیگم کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔

''دکھڑے رو رہی ہوں گی اپنے... ذلیل کر کے رکھ دیں گی یہ ہمیں بھیا کی نظروں میں۔ پتا ہے اس روز بھی جب ظہیر بھائی اور بھابی ہو کر گئے تھے جب میں ان کے یہاں گئی تو ظہیر بھائی کہنے لگے کہ نسیمہ تم لوگوں پر بوجھ نہیں' فرض ہے تم لوگوں کا اسے اور اس کی اولاد کو اچھی خوشحال زندگی دو۔ یقینا انہوں نے دکھڑے روئے ہوں گے' تب ہی تو وہ کہہ رہے تھے' ورنہ ان کو الہام ہونا تھا۔''

ظہیر احمد اور نسیمہ سے کافی فاصلے پر بیٹھیں آسیہ اور زاہدہ بیگم کڑھ رہی تھیں۔ ان دونوں کو یقین تھا کہ نسیمہ بیگم ان ہی کی شکایات کر رہی ہوں گی۔

''سو فیصد درست کہہ رہی ہیں آپ' یہ نسیمہ باجی تو ہیں ہی فسادی۔ آپ ہی تو بتایا کرتی تھیں کہ کتنی گڑبڑ کی تھی شادی کے معاملے میں۔ پہلے تو ظہیر بھائی کو قبول نہیں کیا اور اب ہونہہ! معصوم صورت بنا کر پیش ہو جاتی ہیں ان کے سامنے۔ اول درجے کی مکار لگتی ہیں اور بیٹیاں بھی خیر سے ماں پر ہی گئی ہیں۔ صدف اور زیب تو گھنی ہیں۔ خاموش رہ کر اپنا کام کرتی ہیں مگر بھابی جان خدا بچائے اس شذرا سے' مجھے تو خوف آتا ہے اس چنڈال سے۔ ضرور کچھ نہ کچھ کر کے دکھائے گی میرے اسد کے تو پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑی رہتی ہے۔ بھائی جان نے سر چڑھایا ہوا ہے اسے۔ اس وقت مشتاق نے کہا تھا کہ الگ گھر لے کر خرچ دے دیا کریں گے مگر بھائی جان ہی نہیں مانے۔ ان کو تو کچھ زیادہ ہی بہن سے محبت ہے۔''

زاہدہ بیگم کو بھی دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

''بچوں جیسی بات نہ کرو زاہدہ! پتا بھی ہے الگ گھر لے کر دینے میں کتنا خرچ اٹھتا۔ مکان کا کرایہ دیتے' دیگر اخراجات اور پھر لڑکیوں کا ساتھ۔ اب کم از کم کچھ کام ہی ہو جاتا ہے۔''

''ارے بھئی زاہدہ! آسیہ! ایسی کون سی رازداریاں ہیں کہ چپکے چپکے باتیں ہو رہی ہیں۔''

رابعہ بیگم پہلے تو فائزہ اور صائمہ کے ساتھ لگی رہیں' چونکہ دونوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈل دی گئی تھی کہ یہ تم دونوں کی ساس ہیں لہٰذا ان کا دل بہلانا ہے' اس لئے وہ سارا وقت ان کے آگے پیچھے ہوتی رہیں۔ بالآخر رابعہ بیگم بور ہو کر خود ہی اٹھ کر ان دونوں خواتین کے پاس آ گئیں تو دونوں یوں احتراماً کھڑی ہوئیں جیسے کوئی آفیسر آ گیا ہو۔ یہ پروٹوکول ان کو کچھ عرصہ قبل ہی دیا جانے لگا تھا' ورنہ اس سے قبل تو یہ صورت حال نہیں تھی۔

"ارے بھئی بیٹھو' کھڑی کیوں ہو گئیں۔" رابعہ بیگم کچھ سوچ کر مسکراتے ہوئے بولیں تو دونوں جھٹ بیٹھ گئیں۔ گویا ذرا دیر ہو گئی تو سزا مل جائے گی۔

آج کی اس محفل میں سب سے زیادہ بور بلال ہو رہا تھا۔ اس کا موڈ آتے ہی خراب ہو گیا تھا۔ اسے رہ رہ کر شعیب پر غصہ آ رہا تھا جو زیب پر یوں حکم چلاتا تھا' گویا وہ اس کی زر خرید غلام ہو۔ ان کا تو جانے کب اٹھنے کا موڈ بنے' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں بلال بیٹے' کھڑے کیوں ہو گئے؟" زاہدہ ایک دم تڑپ کر اٹھیں۔

"بس آنٹی ایک تو ابھی مجھے ایک دوست سے بھی ملنا ہے۔ نوٹس کے سلسلے میں اور دوسرے صبح یونیورسٹی بھی جانا ہوتا ہے پھر مسئلہ ہو جاتا ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"چلو' میں بھی چلتا ہوں مجھے بھی ایک جگہ جانا ہے۔" طلال بھی کھڑا ہو گیا تو فائزہ' صائمہ اور ان کی مائیں بجھ کر رہ گئیں۔

"اتنی جلدی کیوں' چاند؟ کسی اور جگہ پھر کبھی چلے جانا' آج تو تم لوگ یہیں رہو۔ بھیا' بھابی بھلے چلے جائیں۔" آسیہ بیگم نے بلال کا ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا۔

"چلیں جی ہماری نند تو ہمیں ایک رات رکھنے کو تیار نہیں' چلئے ظہیر چلتے ہیں۔"

رابعہ بیگم پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ مذاق سمجھتی بھی تھیں اور کرنا بھی جانتی تھیں۔ انہوں نے ازراہ مذاق کہا تو زاہدہ بیگم جلدی سے آگے بڑھیں۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں بھابی جان' یہ آپ لوگوں کا اپنا گھر ہے جم جم رہیں یہاں۔"

زاہدہ بیگم نے انہیں اپنے ساتھ لپٹا کر کہا تو وہ مسکرا کر رہ گئیں' اس تبدیلی پر۔

"ارے نہیں زاہدہ! میں تو مذاق کر رہی تھی' اب چلتے ہیں۔ جمال پڑھ کر آ گیا ہو گا۔ سب کو غیر حاضر پا کر پریشان ہو جائے گا۔"

رابعہ بیگم کو جمال سے جو نادیہ سے چھوٹا تھا' کچھ زیادہ ہی پیار تھا۔ وہ بی کام کے فرسٹ ایئر میں تھا۔

"مامی! ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ جمال کو جا کر بھیج دیں۔ آج رات ہمارا رت جگے کا پروگرام ہے۔"

منیب اور جمال کی خاصی دوستی تھی' اس لئے وہ اس کو مس کر رہا تھا۔

"جی مامی! آج رات ہم بھیا کے پاس ہونے کی خوشی میں رت جگا کریں گے' جشن منائیں گے۔"

ہما نے پیار سے اسد کو دیکھا جو اترائے جا رہا تھا۔

"ارے واہ! میری اتنی نمایاں کامیابی اور میڈیکل میں ایڈمیشن کا جشن اتنا معمولی ہو گا' کیوں ابو"!

اسد نے شکایتی لہجے میں کہا تو وہ دلار سے اس کی طرف بڑھنے لگے مگر انہوں نے نیچے دیکھا نہیں اور پائوں چائے کے برتنوں سے بھری ٹرالی میں الجھ گیا۔ وہ خود بھی گرتے گرتے بچے اور برتن بھی لڑھک کر زمین پر آ رہے۔

"گھنٹہ ہو گیا ہے چائے پئے ہوئے' مگر برتن وہیں دھرے ہیں۔ شذرا کبھی ہاتھ پائوں ہلا لیا کرو تم بھی۔"

مشتاق احمد کو اتنی ڈھیر ساری لڑکیوں میں شذرا ہی مجرم نظر آئی۔ شذرا کو یوں لگا جیسے کسی نے اسے تھپڑ مار دیا ہو۔ مہمان کیا سمجھیں گے کہ یہ لڑکیاں اتنی

ئمی ہیں کہ کوئی کام نہیں کرتیں' مگر یہ تو مشتاق ماموں کا وطیرہ تھا۔ مہمانوں کے سامنے ان کو ذلیل کرنا۔ نسیمہ بیگم کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کہ کہیں شذرا کچھ بک نہ دے مگر وہ چپ رہی' لیکن اپنی جگہ سے اٹھی بھی نہیں۔

"توبہ کریں جی! شذرا بی باری کے علاوہ کام نہیں کیا کرتیں۔ آج ان کی باری نہیں تھی' تو کیوں کسی کام کو ہاتھ لگاتیں یہ"...

زاہدہ بیگم نے جلتی پر تیل ڈالا تو شذرا کا جی چاہا کہ مہمانوں کے سامنے چیخ پڑے کہ یہ باری کا رواج تمہاری ہی بیٹیوں نے ڈالا ہوا ہے وہ ایک کام کرنے کے بعد دوسرے کو ہاتھ نہیں لگاتیں۔ باری نہ ہونے کے باوجود صبح سے ہزاروں کام نمٹا چکی ہوں۔

ماں کی سانس رکی ہوئی تھی اور اس میں ضبط کا یارا نہ رہا تھا۔ وہ باہر نکل گئی۔

"نجانے یہ لڑکی کس پر گئی ہے۔ صدف چلو بیٹا! تم اٹھاؤ برتن۔"

آسیہ بیگم کے کہنے پر صدف برقی انداز میں اٹھی اور برتن سمیٹ کر لے گئی۔ ویسے بھی بھری محفل میں بہن اور ماں کی بے عزتی پر وہ وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ نسیمہ بیگم کا بس چلتا تو زمین میں گڑ جاتیں۔ کتنے بڑے الزامات لگا دیئے تھے بھابیوں نے ان کی معصوم بیٹیوں پر۔ سارا دن کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی تھیں مگر بدنصیبی نے ان سے کسی بھی احتجاج' کسی بھی جواب کا حق چھین لیا تھا۔ وہ لب سیے تماشا دیکھتی رہتیں۔ آج تو ان کیلئے غنیمت تھا کہ شذرا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"چلو بھئی لڑکیو! کافی دیر ہو گئی۔" ظہیر احمد دانستہ نسیمہ بیگم اور ان کی بچیوں کی طرف داری نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنی بہن اور زاہدہ بیگم کی کم ظرفی کو بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ طلال اور بلال تو پہلے سے ہی اٹھ چکے تھے۔ باپ کے حکم پر لڑکیاں بھی تیار ہو گئیں' تو سب پر اوس پڑ گئی۔ انہوں نے بہت سے پروگرام بنائے تھے' آج کی رات کیلئے... سب ختم ہو گئے۔

"یہ سب لوگ ہیں ہی منحوس' ہر کام میں گڑبڑ کر دیتی ہیں۔"

باہر نکلتے ہوئے نسیمہ نے خود اپنے کانوں سے سنا' مگر وہ صرف سننے کا حق رکھتی تھیں' بولنے کا نہیں' کیونکہ بدقسمتی سے ان کے ہونٹ مقفل کر دیئے تھے۔

"اچھا بھئی' اب چلتے ہیں' جشن کا پروگرام پھر بنا لینا۔"

"پھر نہیں انکل! میں کل ہی آؤں گا آپ لوگوں کو انوائٹ کرنے۔"

"جی ہاں بھائی صاحب! کوئی معمولی خوشی تو نہیں خدا نے دی۔ ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔ ہم دھوم دھام سے خوشی منائیں گے۔"

زاہدہ بیگم نے اسد کو ساتھ لگا لیا' جو بہت خوش تھا۔

"اچھا بھئی جیسی تم لوگوں کی مرضی۔"

وہ لوگ چلے گئے تو یک دم سناٹا چھا گیا۔ لڑکیاں لڑکے خاصے بے مزہ سے ہو گئے۔

☆...☆...☆

''شنذرا! کیاہوا کیوں روئے جارہی ہو۔''

شنذرا آکر مستقل روئے جارہی تھی اور زیب جو شوبی کے کام سے فرصت پانے کے بعد اس کے حکم پر انیکسی میں آگئی تھی۔ شنذرا کو روتے دیکھ کر قریب آکر پوچھ رہی تھی۔

''یہاں کوئی لمحہ کچھ ہوئے بغیر گزر سکتا ہے' خدا کرے مر جائیں یہ سب لوگ۔ ان کی اولادیں بھی دربدر ہوں' یتیم ہوں۔ دوسرے لوگوں کے سامنے خوار ہوں' تب... تب ان کو پتا چلے کہ کسی بے آسرا کو ذلیل کس طرح کیا جاتا ہے۔ مہمانوں کے سامنے کس طرح رسوا کیا جاتا ہے' مر جائیں' کوئی بھی باقی نہ رہے۔''

شنذرا کا دل بہت دکھا ہوا تھا۔ وہ جذباتی لڑکی تھی۔ برداشت کا مادہ اس میں نہ ہونے کے برابر تھا اور اس کے کچھ اختیار میں نہیں تھا' سو وہ انہیں کوسے چلی گئی۔

''بری بات ہے شنذرا پتا بھی ہے جن کو تم بددعائیں دے رہی ہو' وہ ہمارے ماموں ہیں' مامیاں ہیں' اگر ان کو کچھ ہو گیا تو کیا ہمیں دکھ نہیں ہوگا؟ دیکھو ناں کون کرتا ہے اتنا' اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے' یہ بھی کم نہیں ہے۔ اتنے ڈھیر سارے لوگوں کی ذمہ داری کم نہیں ہوتی' مت بددعائیں دیا کرو ان کو۔''

''اپنی نصیحتیں اپنے پاس ہی رکھو بجو! نفرت ہے مجھے ان سب سے۔ خدا کی قسم جتنی انا ہماری یہاں مجروح ہوتی ہے' اگر ہماری ماں فٹ پاتھ پر بھیک مانگ کر ہمیں پالتی ناں تو شاید اس میں بھی اتنی بے عزتی نہ ہوتی۔ جتنی یہاں ہوتی ہے۔ صبح سے رات تک کاموں میں جتے رہتے ہیں' محترمہ مامی آسیہ صاحبہ فرمارہی تھیں' کہ یہ باری کے علاوہ کام نہیں کرتیں۔ مہمانوں کے سامنے یوں ذلیل کرتی ہیں' اب ان کو کون بتائے کہ تین دن سے جمعدار نہیں آرہا تو باتھ روم اور لیٹرین کون صاف کرتا ہے۔ ان کی اپنی لاڈلیاں کیا کرتی ہیں' اگر کبھی جھاڑ پونچھ کرلیں تو اتنے ہی میں وہ لوگ تھکن سے چور ہو جاتی ہیں۔ مائیں صدقے واری ہو جاتی ہیں کہ بیٹیاں تھک گئیں' وٹامن دیئے جارہے ہیں' دودھ کے گلاس بھر... بھر کے دیئے جارہے ہیں' اس لئے ناں کہ ان کے باپ زندہ ہیں' بھائی سلامت ہیں۔ ہمارا کون ہے' جس کے سہارے ہم نخرے دکھائیں۔ باپ تو قدرت نے چھین لیا اور بھائی بھی خود غرض' خود کو بچا کرلے گیا اس جہنم سے... اے اللہ پاک' باپوں کو موت نہ دیا کر... اور دیا کر تو ان کے بیوی بچوں کو بھی اٹھا لیا کر۔''

''بس کرو میری جان! میری شنذرا ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔''

نسیمہ بیگم شنذرا کے پیچھے ہی چلی آئی تھیں۔ دروازہ کھلا تھا' مگر ان دونوں بہنوں کی دروازے کی جانب پشت تھی۔ وہ دونوں کی باتیں سن رہی تھیں' جب بات برداشت سے باہر ہو گئی تو آگے بڑھیں اور دونوں کو ساتھ لگالیا۔ وہ ماں تھیں' اپنی اولاد بھی سامنے تھی' اپنی مجبوریاں بھی اور گھر والوں کا رویہ بھی' وہ کسی کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھیں سوائے صبر کے۔

''میری بچیو! خدا واحد ہے' وہی سب کا خالق ہے اور رازق ہے' اسے اپنے بندوں سے بے حد پیار ہے۔ وہ چاہے تو سب کو یکساں خوشیاں اور یکساں غم

دے سکتا ہے تاہم کوئی کسی کو کچھ نہ کہہ سکے' مگر وہ عادل بادشاہ انسان کو آزماتا ہے۔ کسی کو نواز کر اور کسی سے چھین کر' تو میری بچیو! خدا ان کو اور ہم کو آزما رہا ہے کہ کون اس آزمائش میں پورا اترتا ہے' خدا پر بھروسہ رکھو' انشاءاللہ اچھے دن بھی آجائیں گے۔"

انہوں نے دونوں کی پیشانیوں کو چومتے ہوئے سمجھایا تو شذرا کو اپنی صابر ماں پر شدت سے پیار آگیا۔

"امی! کاش آپ جتنا صبر' برداشت مجھ میں بھی ہوتا' مگر کیا کروں غلط بات برداشت نہیں ہوتی۔" وہ ماں سے لپٹ گئی۔ کتنی ٹھنڈی' کتنی پرسکون جگہ تھی ماں کی گود۔"

"زیب بیٹی! جاؤ ذرا صدف کی مدد کرو' ڈھیر سارے برتن لے کر بیٹھی ہے۔ بھابی نے صبا اور ہما سے کہا تھا' مگر صبا کے ہاتھ میں درد نکل آیا اور ہما کو نیند آرہی تھی اور فائزہ تو..."

"دیکھا... دیکھا امی! ایسی ہی باتوں پر غصہ آتا ہے مجھے' ان لڑکیوں کو سرخاب کے پر لگے ہیں۔ پتا ہے آپ کو' بڑی اور چھوٹی مامی اپنی لڑکیوں سے کپڑے اور برتن اس لئے نہیں دھلواتیں کہ ہاتھ خراب ہوتے ہیں' مگر دیکھا میرے اللہ کا انصاف کہ ان کے ہاتھوں سے بڑھ کر کسی کے ہاتھ خوبصورت ہیں' جو زیادہ تر کپڑے اور برتن ہی دھوتے ہیں۔"

شذرا نے زیب کے خوبصورت نرم وملائم ہاتھوں کو پہلے چوما پھر بھیگی آنکھوں سے لگالیا۔

"جب خدا کے انصاف پر اتنا ایمان ہے تو پھر یہ آنسو' یہ واویلا' یہ بے صبری' یہ ناشکری کس لئے؟"

نسیمہ بیگم نے اس کے چہرے پر آنسوؤں سے چپک جانے والے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔

"انسان ہوں ناں امی جان۔"

"انسان بھی ہو اور پاگل بھی ہو۔"

زیب نے مسکرا کر شذرا کو دیکھا جو بچی بنی ماں کی گود میں سمٹی ہوئی تھی۔

☆...☆...☆

گو کہ سجل کو دوبارہ یونیورسٹی جانے کی اجازت ڈاکٹر احسان کے توسط سے مل چکی تھی' مگر وہ ابھی تک اس دھچکے سے نہیں نکل پائی تھی کہ اتنی معمولی بات پر اس سے یونیورسٹی چھڑوائی بھی جاسکتی ہے۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"واہ ری زندگی! تیرے کھیل بھی کتنے نرالے ہیں۔ بے چاری بجو! یہ بات مجھے نہیں بتاسکتی تھیں' تب ہی تو اس روز کہا تھا کہ یونیورسٹی نہ جاؤ' برا خواب دیکھا ہے۔ مائی سویٹ بجو!"

اسے فاطمہ کی عدم موجودگی میں اس پر پیار آگیا۔ بہرحال وہ خوش تھی کہ وہ پھر کل سے یونیورسٹی جائے گی۔

"پپا کو تو تھینکس کہا ہی نہیں' ابھی جاکر کہہ آتی ہوں۔"

وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آئی۔

ممی پپا لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"ہیلو پپا مما!"

وہ زور سے بولتے ہوئے فاروق احمد کی کرسی کے قریب ہی نیچے گھاس پر بیٹھ گئی۔

"کیسی ہو ڈیئر؟" فاروق احمد نے اخبار سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

"آئی ایم ویری فائن پپا اور تھینک یو سو مچ۔"

وہ کھڑی ہو گئی اور ان کے گلے میں بازو ڈال کر شکریہ ادا کرنے لگی۔

"بے بی آئندہ تمہیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔ اب کوئی گڑ بڑ نہیں ہونی چاہئے' ورنہ...؟"

"نو... نو پپا! ہر گز نہیں' اب آپ کو کم از کم یونیورسٹی کی طرف سے کوئی شکایت نہیں ملے گی' پرامس۔"

اس نے پپا کے بھاری ہاتھ میں اپنا چھوٹا سا ہاتھ دے کر وعدہ کیا اور ان کے رخسار پر پیار کرتے ہوئے اندر بھاگ گئی۔

"آج بے بی کو کافی دنوں کے بعد فریش دیکھا ہے' ورنہ تو مرجھا کر رہ گئی تھی۔"

صوفیہ بیگم' سجل کو آج اتنے دنوں بعد خوش اور فریش دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

"تم نے بے بی میں ایک بات نوٹ کی' وہ اب ہر معاملے میں اپنی بات منوانے لگی ہے اور تمہیں معلوم ہے اپنی کسی اولاد میں خصوصاً لڑکیوں میں یہ بات برداشت نہیں کر سکتا۔"

فاروق احمد کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور آئندہ کیلئے تنبیہ بھی کہ آئندہ ایسی بات نہ ہو' ورنہ ان کی بھی خیر نہیں۔

"ارے نہیں فاروق! سب سے چھوٹی ہے ناں' شروع ہی سے سب کی لاڈلی رہی ہے۔ اس نے ہمیشہ ہماری محبتوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ضد پوری کروائی ہے۔"

صوفیہ بیگم نے فاروق احمد کے پر جلال چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"صوفیہ بیگم! اسے باور کروا دو کہ نہ تو وہ اب چھوٹی رہی ہے اور نہ ہی آئندہ ایسی کوئی ضد پوری کی جائے گی جس سے مجھے اختلاف ہو۔ سمجھا دینا اچھی طرح۔" فاروق احمد کا لہجہ قطعی تھا۔

"اوہو آپ' بے بی میں الجھ گئے' میں آپ کو آمنہ کے بارے میں بتانا چاہ رہی تھی۔"

''کیوں کیا ہوا؟ کیا کیا ہے آمنہ نے؟'' فاروق احمد چونک پڑے۔

''اسے کیا ہونا ہے؟ وہ مسز فیض نے ضد پکڑی ہوئی ہے آمنہ کیلئے... ان کا بیٹا امریکہ سے انجینئرنگ کر کے آیا ہے اور آمنہ ان کو پسند ہے لہٰذا ہم ہاں کریں۔''

''واٹ! یہ سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے' تم نے انکار نہیں کیا۔''

مسز فیض کے نام پر فاروق احمد بھڑک اٹھے۔

''کوئی ایک بار' مگر وہ ڈھیٹ بنی ہوئی ہیں کہ...''

''شٹ اپ! یہ تمہاری کمزوری ہے' کہ وہ ابھی تک پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ اسے بتا دو نہیں کرنی ہم نے شادی نودولتیے چار پیسے کیا ہاتھ آجاتے ہیں' خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگتے ہیں۔ آئندہ نہ نام سنوں میں مسز فیض کا۔''

فاروق احمد نے اخبار زور سے میز پر پٹخا اور لائونج میں آ گئے۔ صوفیہ بیگم سہم سی گئیں۔

مسز فیض بھی ڈھیٹ نمبرون تھیں۔ کسی زمانے میں اپنے بڑے بیٹے کیلئے فاطمہ کے پیچھے پڑی رہیں۔ اب اس کے بچے بھی بڑے بڑے تھے' اب چھوٹے کیلئے آمنہ کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔ چڑ ہو گئی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کو ان سے۔

☆...☆...☆

''ہیلو نبیل سپیکنگ۔''

وہ اپنے بیڈ پر لیٹا ڈوبتے سورج کا نظارہ کر رہا تھا کہ فون کی بیل بجی... اس وقت جب کہ وہ اپنے پسندیدہ قدرتی منظر کو دیکھ رہا تھا' بور ہو گیا... وہ بور سی آواز میں بولا۔

'ہاں امجد! کیسے ہو یار؟ اچھا ہوا تم نے فون کر لیا۔ قسم سے بڑا بور ہو رہا تھا۔''

وہ امجد کی آواز پر واقعی خوش ہو گیا تھا۔

''اچھا بوریت محسوس کر رہے تھے تو شادی کر ڈالو۔'' امجد نے فوراً مشورہ داغ دیا۔

''کیوں جان جلاتا ہے یار! شادیاں تو یہاں اپنے بڑوں کی نہیں ہوئیں' ہماری کہاں سے ہو گی۔ اصل میں ہمارے ہاں شادیوں کا رواج نہیں۔ پتا نہیں پیا نے خود اپنی کیسے کر لی۔''

نبیل نے گہرا سانس لے کر فون بیڈ پر رکھا اور لیٹ گیا۔

''ویسے یار! تمہارے ہاں کا تو واقعی باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہاں تو ممی نے میرے لئے کئی لڑکیاں دیکھ ڈالی ہیں۔'' امجد بہت خوش ہو کر بتا رہا تھا۔

نبیل ایک طرح کا احساس کمتری محسوس کرنے لگا تھا۔

''لکی ہو یار۔'' نبیل کے لہجے میں انجانی سی حسرت تھی۔

''یار! اب اتنا بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے پپا اگر شادی نہیں کرتے تو نہ کریں' تمہاری بوریت ختم کرنے کا ایک اچھا نسخہ ہے میرے پاس۔''

''کون سا... کون سا یار! جلدی بتاؤ۔''

نبیل یوں بولا جیسے کسی مریض کو اس کا مرض ختم کرنے کی دوا کی خبر مل گئی ہو۔

''اطمینان رکھو پیارے' ممی کمرے میں آ گئی ہیں' چلی جائیں تو بتاتا ہوں۔''

امجد نے آہستگی سے کہا پھر تھوڑی دیر دونوں طرف خاموشی رہی۔

''...ہاں تو نبیل بات یہ ہے کہ''

یار کیوں آتش شوق کو بھڑکا رہے ہو۔'' نبیل کو غصہ آنے لگا۔''

یار اب ایسی بھی کیا بے قراری ہے۔ سنو تمہاری بے قراری اور بوریت کا حل بیگم جان کے پاس ہے۔'' امجد نے بات اب بھی گھما کر کی۔''

یہ محترمہ کون ہیں؟'' نبیل زچ ہو کر بولا۔''

بیگم جان دراصل وہ جن ہیں' جن کے قبضے میں کوہ قاف کی حسین و جمیل پریاں ہیں' جو تمہارے جیسے دل جلوں... کا دل بہلاتی ہیں اور زندگی کی''

''طرف بلاتی ہیں اور ہم جیسے امیر زادے ہی ان کے نخرے اٹھا سکتے ہیں اور وہ ہمارے بس... اتنی سی بات ہے۔

تمہارا مطلب ہے کہ...'' نبیل اب سب کچھ سمجھ گیا تھا اور نہ صرف سمجھ گیا تھا' بات دل کو ایسی لگی کہ وہ آج ہی اسے عملی جامہ پہنانے پر تیار ہو گیا۔''

ہاں یہ ہی بات ہے۔'' امجد شوخی سے ہنسا۔''

پھر کب لے جاؤ گے پرستان؟'' نبیل بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔''

اپنے ممی' پپا کے ٹائمنگ کو دیکھتے ہوئے وقت اور دن مقرر کر لو تو بتا دینا' لیکن یہ احتیاط رہے کہ نہ اپنے گھر خبر ہونے دینا اور نہ میرے ہاں کسی کو پتا''

''چلے۔

امجد نے اسے احتیاطی تدابیر کے بارے میں ہدایات دیں۔

ارے تم فکر نہ کرو ڈیئر! کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی' مگر اتنی اچھی بات اتنی دیر میں کیوں آئی تمہارے ذہن میں؟'' نبیل بہت خوش تھا کہ زندگی''

''میں کچھ رنگینی آئے گی' خواہ کسی ذریعے سے۔

''چلو دیر آید درست آید' سمجھ لو تو آئندہ تیار رہنا۔''

ہائے۔'' نبیل نے مسکرا کر ریسیور رکھ دیا' ورنہ تو وہ اس مشینی زندگی سے اکتا گیا تھا۔ کوئی خوشی' کوئی رنگینی نہیں تھی زندگی میں۔''

☆...☆...☆

پورے پندرہ دن کے بعد سجل یونیورسٹی آئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے پندرہ دنوں بعد اس نے سانس لیا ہو۔ کتنی گھٹن تھی اس شیش محل میں۔ سب سے وہ یوں مل رہی تھی' گویا صدیوں بعد مل رہی ہو۔

"سجل بیٹا! تم بہت کمزور لگ رہی ہو' کیا بہت بیمار رہیں؟"

رمضان بابا سمیت سب نے اس بات کو محسوس کیا تھا کہ وہ خاصی کمزور ہو گئی ہے۔

بس باباجان! نہ جانے کیسا بخار تھا کہ چپک کر رہ گیا تھا' اسی لئے تو یونیورسٹی نہیں آ رہی تھی' آپ سنائیں' آپ کیسے ہیں' گھر میں سب کا کیا حال" ہے؟"

سجل بڑے خلوص سے ان سے حال احوال پوچھ رہی تھی اور وہ بڑی تفصیل سے اسے بتا رہے تھے۔"

"اوہ ہیلو سجل! ویلکم بیک... ہائو آر یو؟"

آصف' ماریہ' حنا اور حسن وغیرہ ایک ساتھ آ گئے۔ اسے دیکھ کر سب بے حد خوش ہوئے' وہ تو حنا اور ماریہ سے لپٹ گئی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں' تم لوگ تو ٹھیک ہو ناں' پورے کے پورے ہو ناں۔ ارے آف تمہارا دایاں کان کہاں رہ گیا؟"

"یار! گھر سے تو دونوں ساتھ تھے' کہیں ابا کے ہاتھ میں تو نہیں رہ گیا۔"

سجل نے جتنی بے ساختگی سے کہا تھا' آصف نے بھی اسی انداز میں بے ساختگی سے دونوں کانوں کو چھو کر کہا تو سب ہنس دیئے۔

یار بڑے دنوں کے بعد ہنسنے میں آج مزہ آ رہا ہے۔ ویسے کون سی بیماری لاحق ہو گئی تھی تمہیں' اتنی کمزور ہو گئی ہو؟" حسن نے بڑی گہری نظروں سے" اس کا جائزہ لیا تو وہ

نظریں چرا گئی۔

اب وہ کس کس کو اس کمزوری اور بیماری کا سبب بتاتی' یہ دکھ تو اس کی روح کے تھے اور روحوں پر لگے زخم کسی کو دکھائے نہیں جاتے۔

"اوہو بھئی' دفع کرو بیماری کو' سچ میں تو ترس گئی تھی تم سب کیلئے۔ آج ہم کوئی کلاس نہیں لیں گے سارا دن گھومیں گے پوری یونیورسٹی میں۔"

وہ یونیورسٹی میں گھر سے متعلق ایک بات بھی سننا گوارا نہیں کرتی تھی۔

"سوری بھئی سجیلہ فاروق! ہمیں کیا خبر تھی کہ تم آج آئو گی' ہم میچ نہ رکھتے' آج ہمارا میچ ہے' کل انشاءاللہ تمہاری صحت یابی کو سیلیبریٹ کریں گے' ابھی اجازت دو۔"

لڑکے جو پہلے ہی سفید کپڑوں میں کرکٹ کے کھلاڑی بن کر آئے تھے' ہاتھ ہلاتے آگے بڑھ گئے۔

"دفع ہو جائو ڈیلیو! اتنے دنوں بعد آئی تو؟" سجل کو غصہ آ گیا۔

"چلو آئو تمہاری صحت یابی پر آج میری طرف سے جوس ہو جائے۔"

''ہیں سچ!'' ماریہ کے کہنے پر حنا اور سجل اچھل پڑیں۔
اپنے ڈیپارٹمنٹ سے نکل کر وہ لوگ جغرافیہ اور جیالوجی سے ہوتے ہوئے مین روڈ پر آ گئیں۔ جوس کارنر سے ابھی... وہ لوگ خاصی دور تھیں کہ تیز رفتار پجیرو سجل کے انتہائی قریب سے گزری۔ اتنی قریب سے کہ وہ لڑکھڑا کر ساتھ چلتی حنا پر گری۔ دونوں لڑکیاں کچے پر جا گریں۔ کچھ دیر کیلئے تو دونوں کے دل دھڑکنا ہی بھول گئے۔
''سجل' حنا! چوٹیں تو نہیں آئیں تم لوگوں کو؟ انتہائی خبیث روحیں کچھ تو ہماری یونیورسٹی میں سجل... سجل!'' ماریہ نے گھبرا کر سجل کو اٹھایا' جس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ہوا کیا ہے۔
''بدتمیز! جاہل! یہ ہوں گے سیاسی بدتمیز' یونیورسٹی میں غنڈہ گردی کرنے آتے ہیں۔''
حنا کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھی اور ان بدتمیزوں کو کوسنے لگی۔
''سجل' حنا وہ پھر آ رہے ہیں۔''
ماریہ نے اسی پجیروں کو ریورس گیئر لگا کر پیچھے آتے دیکھا تو چلا پڑی' مگر اب سجل کے حواس بحال ہو گے تھے اور وہ ان کو سنانے کیلئے خود کو تیار کر چکی تھی۔ پجیرو اسی رفتار سے آئی اور ان کے قریب آ کر رک گئی۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھلا' ایک لمبا چوڑا سا بندہ سفید کلف شدہ شلوار سوٹ میں آہستگی سے چلتے ہوئے ان کے قریب آیا۔ ان تینوں کا تو جی چاہا' شہزادوں کی سی آن بان رکھنے والے اس خوبرو بندے پر چیلوں کی طرح جھپٹ پڑیں مگر یہ یونیورسٹی تھی جہاں اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔
''سوری مس! میرے دوست کی شرارت کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔''
''مسٹر! یہ یونیورسٹی ہے' کوئی سٹیج یا کسی فلم کا سیٹ نہیں' بہت پرانا حربہ ہے کہ لڑکیوں سے لفٹ لینے کے چکروں میں ایک دوست بدتمیزی کرتا ہے' دوسرا ہیرو بننے کے چکر میں سوری کرنے چلا آتا ہے۔ ہم ایڈمن میں آپ کی شکایت کریں گے۔''
سجل تو جیسے پھٹ پڑی۔
''مس آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں' یہ محض ایک شرارت تھی۔ میرا دوست ذرا شوخ واقع ہوا ہے۔''
دوست تو گاڑی میں بیٹھا مزے سے گانے سن رہا تھا اور وہ وضاحتیں پیش کر رہا تھا۔ اس سے لڑکیوں کو مزید تپ چڑھ گئی۔
''تو اپنے دوست کو یونیورسٹی کے بجائے کسی سرکس میں لے جایئے' حد ہو گئی' کسی کی جان گئی اور ان کے دوست کی شرارت ٹھہری... جو کر نہ ہوں تو...''
''مس! آپ زیادتی کر رہی ہیں میرے دوست کے ساتھ۔'' وہ بندہ اپنے دوست کیلئے کچھ زیادہ ہی نرم گوشہ رکھتا تھا۔
''اتنے ہی انصاف پسند ہیں تو روکا ہوتا اپنے دوست کو اس شرارت سے۔'' سجل نے غصے سے اسے دیکھا۔
''گاڑی کا اسٹیئرنگ اس کے ہاتھ میں تھا' میرے ہاتھ میں ہوتا تو ایسا ہرگز نہ ہوتا۔''

"یار تیمور! کیا وضاحتیں دے رہے ہو' کہہ کیوں نہیں دیتے' حسیناؤں سے شرارتیں کرنا ہمیں اچھا لگتا ہے۔" اب دوسرا بھی باہر نکل آیا تھا۔

"شٹ اپ!" سجل کا ہاتھ اٹھا' مگر تیمور نے بڑھ کر سجل کا اٹھا ہوا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

☆...☆...☆

"چھوڑو میرا ہاتھ جنگلی۔"

سجل نے تمتماتے چہرے اور سلگتی نگاہوں سے تیمور حیدر کو دیکھا' جس کے مضبوط ہاتھوں میں اس کی نازک کلائی چرمرا گئی تھی۔ تکلیف سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے لڑکیوں کی نازک کلائیاں تھامنے کا' اگر یہ ہاتھ میرے دوست پر نہ اٹھتا' تو ایسی حرکت ہرگز نہ کرتا۔"

تیمور حیدر نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی اور جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

سجل ٹیسوں کو دباتی سفید کلائی کو دیکھنے لگی' جس کو تیمور نے اتنی مضبوطی سے پکڑا تھا کہ انگلیوں کے نشان باقی رہ گئے تھے۔ احساس توہین سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"دوست کیلئے آپ اتنے مخلص ہیں' تو دوست کو غلط حرکتوں سے باز رہنے کا مشورہ کیوں نہیں دیتے...؟"

حنا نے سجل کی کلائی اپنے ہاتھ میں لے کر غور سے انگلیوں کے نشان دیکھے اور پھر تیمور کی طرف گھومی تو وہ بولا کچھ نہیں۔

ایک معذرتی نگاہ سجل پر ڈال کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"آپ کا کیا خیال ہے' کہ ہم پیشہ ور لفنگے ہیں' یا یوں لڑکیوں کو چھیڑنا' لفٹ دینا ہمارا مشغلہ ہے؟" علی کو بھی حنا کی بات پر غصہ آ گیا' تو وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر تیز آواز میں بولا۔

"پھر...؟"

ماریہ نے سجل کے بیگ میں سے گری ہوئی چیزیں ڈالتے ہوئے علی کو دیکھا۔

"پھر یہ کہ یہ حرکت' یہ حادثہ یا شرارت آپ سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش تھی۔ میڈم! اڑھائی سال سے آپ دل جلا رہی ہیں' اب تو تعارف ہمارا حق بنتا ہے۔"

علی نے ایک نظر تیمور پر ڈالی' جو کافی سیریس ہو رہا تھا اور پھر سجل کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا' تو رکے ہوئے آنسو سجل کے رخساروں پر پھیل گئے۔

تیمور حیدر چونک گیا۔

"تعارف حاصل کرنے کا انتہائی گھٹیا طریقہ اختیار کیا ہے آپ نے۔"

حنا نے سجل کو ساتھ لگاتے ہوئے غصے سے تیمور اور علی کو دیکھا۔

''ارے مس سجل فاروق احمد! اتنی سی بات پر اتنے قیمتی آنسو ضائع کر رہی ہیں۔ ارے آپ کیا جانیں' کہ کیا قیمت ہے کسی کے دل میں ان کی۔''

علی نے شوخ نظروں سے تیمور کو دیکھا اور جیب سے سفید رومال نکال کر سجل کی طرف بڑھایا۔ تیمور کو یہ سب بہت عامیانہ اور گھٹیا پن لگا۔

''سٹاپ اٹ علی! چلو اب یہاں سے۔''

تیمور حیدر نے علی کا بازو پکڑا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

یہ تو غنیمت تھا کہ کوئی آس پاس نہیں تھا۔ یہ تو یونیورسٹی کے ماحول میں عام بات تھی کہ لڑکے' لڑکیاں کہیں بھی کھڑے ہو کر بات کر سکتے تھے' لیکن شکر یہ تھا کہ کسی نے نہ تو گاڑی کو آگے پیچھے جاتے دیکھا اور نہ ہی سجل اور حنا کو گرتے ہوئے۔

''سٹوپڈ' ایڈیٹ' ہمیں ان کی شکایت کرنی چاہئے۔''

حنا نے پجیرو کو لائبریری کے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا۔

''نہیں حنا! تمہیں معلوم ہے' یہ لوگ سیاست سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے ہاں کی سیاست کیسی ہے تم بھی جانتی ہو اور تم نے سنا نہیں تھا' وہ بدتمیز کیا کہہ رہا تھا کہ میڈم اڑھائی سال سے آپ دل جلا رہی ہیں' تو کیا مطلب ہوا اس کا' کہ وہ ہمیں بہت پہلے سے جانتے ہیں' ہمیں ٹریس کرتے رہے ہیں۔ سجل کا پورا نام جانتے ہیں اور کیا نہیں جانتے ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہئے۔ خدانخواستہ کل کو انہیں کچھ ہو جائے... پکڑے جائیں تو... نہیں ہم لڑکیاں ہیں حنا! اور ہم ان کی دشمنی افورڈ نہیں کر سکتے' جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ یہاں تو ذرا سی بات ہو جائے تو اخبار میں رپورٹ آ جاتی ہے۔ کہیں ہمارا نام آ گیا تو... قسم سے والدین جان سے مار دیں گے۔''

ماریہ متحمل مزاج واقع ہوئی تھی اور جلد بازی میں کوئی قدم اٹھانا حماقت سمجھتی تھی۔

''نہیں ماریہ' نہیں' ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔'' سجل ماریہ کے کندھے پر سر رکھ کر رو پڑی۔

اس واقعہ نے اس کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔

''کم آن سجل! ایسی کوئی خطرناک بات نہیں ہو گئی اور یہ کیا حرکت ہے' دیکھو' تمہارے رونے سے لوگ مڑ مڑ کر دیکھ رہے ہیں۔''

حنا اور ماریہ نے اس کی توجہ سامنے جاتے ایک لڑکی اور لڑکے کی طرف کرائی' جو جوس کے پیکٹ لئے لان میں ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ رہے تھے اور سجل کو کئی بار دیکھ چکے تھے۔

''حنا! اگر ان لوگوں نے کوئی حرکت کر ڈالی تو... ہمیں ایڈمن میں شکایت کی دھمکی نہیں دینی چاہئے تھی۔'' سجل اندر تک کانپ گئی تھی۔

''اوہ کچھ نہیں ہوتا' اللہ مالک ہے۔ سنو تین مینگو جوس کے گلاس وہاں لے آنا۔''

ماریہ نے پہلے سجل کو دلاسا دیا اور پھر سجل کا ہاتھ پکڑ کر لائبریری کے سامنے لان میں گرلز کینٹین کی طرف گھنے درخت کی چھاؤں کی طرف جاتے ہوئے دکان کے ملازم کو آرڈر اور پیسے دیتے ہوئے کہا اور آ کر بیٹھ گئیں۔

''جانے بھی دو سجل! کیوں لوگوں کو متوجہ کر رہی ہو' کچھ نہیں ہو گا' کہہ جو دیا اللہ مالک ہے۔'' اس نے سٹر سٹر کرتی سجل کو ٹوکا۔ سجل نے بھی بھیگی

آنکھوں کے ساتھ ارد گرد دیکھا۔

لان بھرا پڑا تھا۔ لڑکے لڑکیوں سے جو گروپس کی صورت میں اپنی اپنی پسند کے جوس اور کولڈ ڈرنک لے کر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"ماریہ! اس نے میرا پورا نام لیا اور کہا کہ وہ... اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ ہمیں ایڈمیشن کے زمانے سے جانتے ہیں۔" سجل کیلئے یہ بات کوئی معمولی نہیں تھی کہ ایسے لڑکے اس کے بارے میں جانتے تھے' جن کے اپنے کردار مشکوک تھے' وہ کیونکر اس بات کو نظرانداز کر سکتی تھی۔

"اوہو بابا! یہ یونیورسٹی ہے۔ یہاں کسی کے بارے میں جاننا کیا مشکل ہے اور پھر لڑکوں کیلئے کوئی بھی بات مشکل نہیں ہوتی۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ ہمارے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ محترمہ سب لڑکے' جس لڑکی کے بارے میں چاہیں معلومات حاصل کر سکتے ہیں' اس میں اتنا خوش فہم ہونے کی ضرورت ہے' نہ پریشان ہونے کی۔"

ماریہ اسے نارمل کرنے کیلئے بہت ہلکے پھلکے انداز میں سمجھا رہی تھی' مگر وہ سجل کی پریشانی کو جان ہی نہیں سکتی تھی کہ آزادی کے ان چند گھنٹوں کی حفاظت اس کیلئے اتنی مشکل ہے' اگر کسی بات کی بھنک بھی گھر والوں کو پڑ گئی تو سب کچھ چھن جائے گا مگر یہ وہ ان کو نہیں بتا سکتی تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" حنا نے گلاس گھاس پر رکھتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا۔

"ڈیپارٹمنٹ چلتے ہیں۔" سجل نے جلدی سے کہا۔

"نہیں بھئی' مجھے تو انگلش ڈیپارٹمنٹ میں کام ہے۔ اب سر احسان کی کلاس تو مس ہو گئی۔ چلو انگلش ڈیپارٹمنٹ چلتے ہیں۔" ماریہ کپڑے جھاڑتی ہوئی' اٹھ کھڑی ہوئی تھی تو سجل ان سے متفق نہ ہوتے ہوئے بھی ساتھ چل دی۔

ایڈمنسٹریشن بلاک سے آرٹس لابی کی طرف جاتے ہوئے سجل نے کتنی ہی بار خوفزدہ... نظریں گھمائیں کہ وہ لوگ تو موجود نہیں۔ آرٹس لابی کے سامنے قطار در قطار بیٹھے ہوئے لڑکوں کو اس نے کن اکھیوں سے دیکھا' شکر تھا کہ وہ نظر نہیں آئے۔

☆...☆...☆

کائنات کے واحد خالق و مالک کے فیصلے حتمی اور اٹل ہوتے ہیں۔ نسیمہ بیگم بیوہ ہو گئیں' تو اسے قدرت کا امتحان سمجھ کر صبر کر لیا' مگر اب جب قدم قدم پر ان کو آزمائش میں ڈالا جاتا تو وہ اندر ہی اندر ٹوٹ کر بکھر جاتیں۔ ان کی کلیوں سے زیادہ حسین اور نازک بیٹیاں وقت کی راہوں میں دھول ہو گئی تھیں۔

کیا کیا خواب دیکھے تھے مراد نے اپنی اولاد کے بارے میں' عمیر کو سی ایس ایس آفیسر بناؤں گا' زین کو ڈاکٹر بناؤں گا' فرخ کو پائلٹ اسی طرح شذرا اور صدف کیلئے ڈھیروں خواب دیکھے تھے انہوں نے' لیکن خدا کو منظور ہی نہ ہوا اور وہ بیوگی کی چادر اوڑھے بھائیوں پر بوجھ بن کر آ گئیں۔ اس بوجھ کو اپنی خدمت اور تابعداری سے کم کرنے کی کوشش کرتیں۔ بھائیوں اور بھابیوں حتیٰ کہ بچوں تک کے آگے جی جی کرتیں۔ ہر کام میں پیش پیش ہوتیں تا کہ ایک تو سر پر سائبان قائم رہے اور دوسرے ان کی بیٹیاں عتاب سے محفوظ رہیں۔

اس وقت بھی وہ ناشتے کے ڈھیروں برتن لیے دھو رہی تھیں۔ شذرا اور صدف گھر بھر میں جھاڑ و پونچھا کر رہی تھیں۔

زیب کی طبیعت رات سے خراب تھی۔ کسی کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ تھی ہی اتنی نازک اور کمزور۔

"ارے بھئی' یہ زیب ابھی تک سو کر ہی نہیں اٹھی' مشین لگانی ہے۔ صبا! جاؤ اسے جگاؤ' دس بج رہے ہیں اور... نسیمہ! لڑکیوں کو جلدی اٹھنے کی عادت ڈالو۔ اب کوئی طریقہ ہے کہ دس بج رہے ہیں' لڑکی پڑی سو رہی ہے۔"

آسیہ بیگم فریج سے سبزیاں نکالتے ہوئے بولیں تو ممتا کی ماری نسیمہ بیگم بیٹیوں پر لگائے گئے الزام کی تردید بھی نہ کر سکیں یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ میری ہی بیٹیاں نماز فجر کے بعد کاموں میں جت جاتی ہیں' کیونکہ ان کے لب تو مجبوریوں نے سئے ہوئے تھے۔ یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ وہ رات سے بخار میں بھن رہی ہے۔

"مشین میں لگالوں گی بھابی جان! زیب کو بخار ہے رات سے۔ میں بس یہاں سے فارغ ہو کر مشین لگالیتی ہوں۔"

نسیمہ بیگم کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے تاکہ وہ بھابی کی مزید باتوں سے قبل ہی مشین لگالیں۔ کپڑوں کے بھی انبار لگ جاتے تھے۔

"نسیمہ! تمہاری لڑکیاں تو کچھ زیادہ ہی نازک ہیں۔ ذرا سی چھینک بھی آجائے تو..."

آسیہ بیگم نے کریلے کاٹتے ہوئے کہا۔ نسیمہ بیگم چپ رہیں کہ وہ صرف سن ہی سکتی تھیں۔

"فائزہ باجی!"

"کیا ہے؟" ناخنوں پر نیل پالش لگاتی فائزہ گویا کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"نیل پالش بعد میں لگالیجئے گا' پہلے مشین لگالیجئے' صائمہ باجی کو بھی ساتھ لگالیں۔"

"کیا ہم ل�وگ کپڑے دھوئیں گے؟ زیب کہاں ہے؟"

فائزہ یوں چونکی جیسے شذرا نے کوئی انہونی... بات کہہ دی ہو۔

"پہلی بات تو یہ کہ زیب نے گھر بھر کی میل دھونے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا۔ دوسری بات یہ کہ رات سے زیب بجو کو سخت بخار ہے۔ میں اور صدف صفائی کر رہے ہیں' لہٰذا کپڑے تو آپ دونوں ہی کو دھونے پڑیں گے۔" شذرا نے ایک طرح سے فیصلہ سناڈالا۔

"کیا... کیا تم ہم پر رعب ڈالو گی۔ بات تو یوں کرتی ہو' جیسے تم نہیں' ہم تمہارا کھاتے ہیں۔"

فائزہ کو شاک لگا تھا۔ ایک تو کپڑے دھونے کا' اوپر سے شذرا کا بات کرنے کا انداز۔"

"کھاتے تو سب ہی خدا کا ہیں فائزہ باجی! یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا رزق ایسے لوگوں کے رزق میں شامل کر دیا ہے' جن کا ظرف بہت چھوٹا ہے۔"

"شذرا! تم انتہائی بدتمیز لڑکی ہو۔" غصے سے فائزہ کے نتھنے پھول گئے۔

''اکھڑ' بدتمیز' منہ پھٹ' ہٹ دھرم' چنڈال' نکمی' کام چور... ہونہہ! یہ سارے خطابات پرانے ہو چکے ہیں فائزہ باجی! کوئی نیا خطاب دیجئے' کسی نئے القاب سے نوازیے تو بات بنے۔''

شذرا نے طنزیہ اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''شذرا! تم ایسے باز نہیں آؤ گی' امی کو بتاتی ہوں۔''

فائزہ غصے میں اٹھ کر آسیہ بیگم کے پاس چلی گئی تو شذرا کے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اپنی بے چارگی' کم مائیگی پر یا فائزہ کی بات اور بے حسی پر۔

''کیا یہ سب شذرا نے تم سے کہا ہے؟ یہ شذرا ہے ہی فساد کی جڑ' میں پوچھتی ہوں اس سے۔''

فائزہ نے ایک کی چار لگائیں تو عزیز از جان بیٹی کی توہین کا سن کر آسیہ بیگم بولتی ہوئی آ گئیں۔

''شذرہ!''

''جی مامی!'' شذرا نے اطمینان سے آسیہ بیگم کو دیکھا' جو غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''فائزہ سے کیا کہا ہے تم نے۔''

شذرا نے سکون سے گہرا سانس لیا۔ دونوں ماں بیٹی کو دیکھا اور جھاڑ پونچھ میں مصروف ہو گئی۔

''مامی! آپ کو اعتبار تو اسی پر آئے گا ناں جو فائزہ باجی نے کہا ہے' تو پھر میں کیا بتاؤں؟''

شذرا جانتی تھی کہ فائزہ نے جا کر ہر بات الٹ کی ہو گی۔ لہٰذا اس نے وضاحت ضروری نہیں جانی۔

''شذرا تم... تم ایک دن اپنی ماں کو تارے ضرور دکھاؤ گی۔''

ایک تو بیٹی کی بے عزتی' اوپر سے شذرا کا دل جلانے والا رویہ' ان کا دل چاہا' زور سے تھپڑ مار دیں اسے۔

''میری ماں بہت دکھی ہے۔ مامی' دکھی لوگوں کو نیند نہیں آتی تو وہ تارے دیکھتے اور گن گن کر رات گزارتے ہیں' کوئی نئی بات تو نہیں۔''

شذرا ان کی بات سمجھ تو گئی' مگر بات کو گھما کر اس طرح سے کہا کہ آسیہ بیگم کا بس چلتا تو اسی وقت ماں بیٹیوں کو گھر سے نکال دیتیں۔

''احسان فراموش تم جیسے لوگ ہی ہوتے ہیں' جس تھالی میں کھاتے ہیں' اسی میں چھید کرتے ہیں۔''

وہ اور بھی بے شمار احسانات گنواتی رہیں' مگر وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہی' یوں جیسے اسے کچھ سنائی نہ دے رہا ہو۔ وہ وہیں موجود تھیں کہ وہ لائونج میں آ گئی' جہاں منیب اور اسد کچھ دیر قبل ہی آئے تھے اور گندے جوتوں سمیت قالین پر چڑھے ہوئے تھے۔

''جنگلی کہیں کے' نظر نہیں آرہا' سارا قالین مٹی مٹی کردیا' ابھی صفائی کی تھی۔'' شذرا چیخ ہی توپڑی۔

''اوہ سوری یار! یہ لو۔'' منیب کو احساس ہوا' تو اس نے جلدی سے جوتے اتار کر ایک طرف رکھ دیئے مگر اسد اسے جلانے کیلئے... قالین پر جوتے گھسٹنے لگا۔

''اسد...!'' وہ احتجاجاً چلائی۔

''آواز کو دھیمار کھا کرو شذرا! قالین ہمارا ہے' ہم جیسے چاہیں رہیں' تم کون ہوتی ہو ٹوکنے والی؟''

اسد جوتوں سمیت صوفے پر لیٹ گیا۔اسے شذرا کو تنگ کرنے میں بڑا لطف آتا تھا۔

''میں قالین پر اپنے حق کا دعوی دائر نہیں کر رہی... یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے' لیکن جان تو ہماری ہے' جو صفائیوں میں ختم ہو رہی ہے اور...''

''اچھا زیادہ شور نہ کرو اور پانی پلاؤ' بہت پیاس لگی ہے۔''

درمیان سے اس کی بات کاٹ کر اسد نے کچھ حقارت سے کہا تو شذرا کا دماغ الٹ گیا۔

''میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں' میں پانی نہیں زہر پلاؤں گی تمہیں۔''

شذرا نے وہ کپڑا جس سے گھر بھر کی صفائی کی تھی' وہ اسد کو دے مارا جس سے ساری گرد اس کی سفید شرٹ اور منہ پر گری' وہ بھنا اٹھا۔اکلوتا ہونے کے باعث خاندان کا چہیتا تھا اور اکھڑ اور بدتمیز تو پیدائشی تھا۔وہ شذرا کی طرف جھپٹا۔

''یو اسٹوپڈ گرل! تمہاری حیثیت میری ملازمہ کی سی بھی نہیں۔ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والی آج ہم لوگ نکال باہر کریں تو در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرو۔احسان فراموش ہو تم لوگ۔امی اور تائی جان بالکل درست کہتی ہیں۔''

''پھپھو آپ؟'' منیب کی آواز پر اسد نے دروازے کی جانب دیکھا' جہاں نسیمہ بیگم ہاتھ میں دھلے مگر گیلے کپڑوں کی ٹوکری... لیے باہر ڈالنے جارہی تھیں کہ اس شور پر ادھر آگئیں اور کانوں میں اسد کا انڈیلا ہوا سیسہ اترنے لگا۔

''پھپھو آپ... دیکھیے۔''

اسد... شذرا کے بازو جن کو مضبوطی سے پکڑ کر وہ جھنجوڑ رہا تھا چھوڑ کر نسیمہ بیگم کی طرف بڑھا تاکہ اپنی صفائی پیش کر سکے۔

''مر جاؤ... خدا کرے اسد مر جاؤ۔''

شذرا نے چیخ کر اسد کو بددعا دی۔وہ جب بہت ہرٹ ہوتی تو ایسے ہی چیخا کرتی۔

وہ ابھی کمرے سے نکلی نہیں تھی' نہ ہی اسد نے گم صم کھڑی پھپھو کو کوئی وضاحت پیش کی تھی کہ اس کی دی ہوئی بددعا زاہدہ بیگم نے سن لی۔انہوں نے دل تھام لیا۔

''ہائے میں مرجاؤں' تمہارے منہ میں خاک شذرہ' خدا تمہیں غارت کرے۔میرے اکلوتے بیٹے کو بددعا دیتی ہو۔ٹھیک ہے بی بی! ہمیں یہ ہی صلہ ملنا چاہئے' محبتیں لٹانے کا' پیسہ لٹانے کا۔نسیمہ باجی! آپ نے شذرا کو یوں آزادی دے رکھی ہے' میری بیٹی ایسا کرتی تو میں تھپڑوں سے اس کا منہ سرخ

کردیتی۔اسد میری جان! تم اس ذلیل لڑکی کے منہ ہی کیوں لگتے ہو' میں اس جیسی ہزاروں تمہارے صدقے میں واردوں۔''

زاہدہ بیگم بھی ماں تھیں۔اکلوتے بیٹے کو کوئی بددعا دے تو یہ کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔وہ نسیمہ بیگم کی خاموشی کو شذرا کی حمایت قرار دے رہی تھیں' مگر کوئی اس عورت کے دل سے پوچھتا کہ اس وقت وہ ضبط کی کس منزل سے گزر رہی ہے۔ان کا بس چلتا تو یا تو شذرا کو ختم کر دیتیں یا خود کو مار ڈالتیں۔

''زاہدہ! میں مجبور و بے کس ہوں اور میری بیٹی تمہاری مجرم ہے' اسے دار پر چڑھا دو یا دھکے دے کر گھر سے نکال دو' میں اف تک نہ کروں گی۔کاش! میں اس کی زبان کاٹ سکوں۔'' نسیمہ بیگم کی آواز رندھ گئی۔

زاہدہ بیگم نے اسد کو بازو سے پکڑا اور باہر لے گئیں۔

مگر اسد کو سخت ملال ہو رہا تھا۔شذرا کو تو چڑانے کیلئے اس وقت غصے میں اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے تھے مگر پھپھو کے ہرٹ ہونے کا اسے دکھ ہو رہا تھا۔

زاہدہ بیگم نے اس بات کو اتنا طول دیا کہ بات شوکت حسین کی عدالت تک پہنچ گئی۔

نسیمہبیگم اور شذرا مجرموں کی حیثیت سے حاضر تھیں۔

اور زاہدہ اور آسیہ بیگم آج دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔

مشتاق احمد بھی خوب لال پیلے ہو رہے تھے۔وہ تو شروع دن سے بیوی کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ہر الزام پر شذرا اور نسیمہ بیگم دل تھام لیتیں۔شذرا کا دل چاہا پھٹ پڑے اور سب کو اتنی سنائے کہ ہوش ٹھکانے آجائیں۔

''اس وقت اگلی پچھلی باتوں کو چھوڑو منیب! تم موقع کے گواہ ہو' بتائو آج کیا ہوا؟''

شوکت حسین نے ایک نظر نسیمہ بیگم اور ایک شذرا پر ڈالی جو واقعی مجرم ہی بنی بیٹھی تھیں۔ان کے دل پر چوٹ سی پڑی تو انہوں نے منیب کو سچ کیلئے بلایا' تو اس نے جو کچھ ہوا وہ من و عن سنا دیا۔

''ہوں' تو منیب کے بیان کے مطابق تو اسد کی غلطی تھی۔اس نے کیوں اس قسم کی باتیں کیں کہ شذرا کو غصہ آیا۔اسد تمہیں شذرا سے سوری کرنی پڑے گی۔''

شوکت حسین نے ایک مدبر منصف کی طرح فیصلہ سنا دیا' تو مشتاق احمد اور زاہدہ یا بیگم بگڑ گئے۔

''واہ بھائی صاحب' واہ! ہم تو انصاف کیلئے آپ کے پاس آئے تھے اور آپ نے ہمیں ہی مجرم بنا ڈالا۔واہ کیا خوب انصاف کیا ہے کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔میرے بچے کو یہ کلموہی دن رات بددعائیں دیتی ہے اور معافی بھی میرا بچہ ہی مانگے۔نہیں بھائی صاحب! یہ نہیں ہوگا۔میرا بچہ سوری کیوں کرے؟''

سارے ادب' لحاظ بالائے طاق رکھ کر زاہدہ بیگم نے بے لحاظی سے کہا۔

''زاہدہ بالکل درست کہہ رہی ہے بھائی جان! اسد سوری نہیں کرے گا۔''

مشتاق احمد نے بھی حتمی سے انداز میں کہا تو شوکت صاحب کو غصہ آ گیا۔

''اسد سوری ضرور کرے گا اسے کیا حق ہے کہ وہ شذرا کو ملازمہ کہے یا اس سے بھی کمتر حیثیت دے اور ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ دے۔ یہ میری بہن ہے اور یہ میری بیٹیاں کسی پر بوجھ نہیں ہیں' حق ہے ان لوگوں کا اس گھر پر... خبردار! جو آئندہ کسی نے ایسی ویسی بات منہ سے نکالی۔ چلو اسد شاباش جس طرح تم نے اس کی توہین کی ہے' اسی طرح اسے عزت دو' معافی مانگ کر...'' شوکت حسین نے اسد کی طرف دیکھا۔

''بات کو بڑھانے کی کوشش نہ کریں بھائی جان! کہہ جو دیا اسد سوری نہیں کرے گا۔''

مشتاق احمد کا لہجہ خاصا گستاخانہ اور تلخ تھا... دونوں بھائی ایک دوسرے سے الجھنے کیلئے تیار تھے۔

نسیمہ بیگم کیلئے یہ صورتحال تکلیف دہ تھی۔

''نہیں شوکت بھیا! اس میں سراسر شذرا کی غلطی ہے' یہ بھی حد درجہ گستاخ اور منہ پھٹ ہے' اسد نے جو کیا' جو کہا' بہت اچھا کیا' اسد کیوں اس سے معافی مانگے۔ یہ اسد سے معافی مانگے گی۔ چلو شذرا! اسد سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگو' ہاتھ باندھ کر پاؤں کو چھو کر معافی مانگو۔ اسد سے' زاہدہ سے' مشتاق سے' سب سے' گھر کے ایک ایک فرد سے معافی مانگو' ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔''

نسیمہ بیگم ہذیانی انداز میں شذرا کی طرف لپکیں اور تھپڑوں کی بارش کر دی اس پر۔

''امی جان!'' نسیمہ بیگم بے ہوش ہو کر شذرا کے بازوؤں میں گر گئیں' تو سب ان کی طرف بڑھے۔ سب سے آگے اسد تھا۔

☆...☆...☆

''کیا دیکھ رہے ہو تیمور حیدر! کیا ہاتھ پر کلائی کا نقش ابھر آیا ہے؟''

کتاب پر سے نظریں ہٹا کر علی نے تیمور کو دیکھا' جو واقعی کافی دیر سے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا' جس سے اس نے سجل کی کلائی پکڑی تھی۔ اس کی نازک کلائی کا احساس جیسے ہاتھوں کی لکیروں میں اتر آیا ہو۔

''فضول باتیں مت کرو۔'' تیمور نے جھینپ کر اس کو تکیئے کے نیچے کر لیا اور علی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

علی سیاست پر لکھی گئی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ دونوں کا تعلق یونیورسٹی میں موجود سیاسی تنظیم سے تھا۔ تیمور تو اتنا انوالو نہیں تھا' مگر علی ضیاء کو سیاست سے عشق تھا۔ وہ سیاست

میں بہت آگے جانا چاہتا تھا اور سیاست میں ہر اچھے برے کام کو جائز سمجھتا تھا' جبکہ تیمور حیدر محض وقت گزاری اور اس کی دوستی میں سیاست میں انوالو ہو تھا۔

''علی!'' تیمور خاصی آہستہ آواز میں بولا۔

''ہوں۔'' علی نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

''علی! تمہیں احساس ندامت نہیں کہ آج ہم لوگوں نے کتنی نازیبا' غیر اخلاقی چیپ حرکت کی ہے؟''

تیمور کو رہ رہ کر ملال ہو رہا تھا کہ ایسے نہیں ہونا چاہئے تھا۔

''تمہاری سوئی ابھی تک وہی اٹکی ہوئی ہے۔''

اب علی کتاب ایک طرف رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''دیکھو یار! سیاست اور عشق میں کوئی حرکت نازیبا' غیر اخلاقی یا چیپ نہیں ہوتی' سب جائز ہوتی ہیں۔ اچھا بتاؤ سجیلہ فاروق احمد تمہیں پسند ہے کہ نہیں اور تم اس کی طرف بڑھنا چاہتے تھے کہ نہیں' اس سے تعارف حاصل کرنا چاہتے تھے کہ نہیں۔ ارے احسان مانو میرا' گرو مانو مجھے کہ ایک ہی ملاقات میں تعارف بھی کروا دیا اور اس کا ہاتھ بھی تمہارے ہاتھ میں دے دیا اور کیا چاہتے ہو؟''

علی نے مسکرا کر اسے چھیڑا تو وہ بیڈ سے اٹھ کر نیچے کارپٹ پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''مانا علی! میں یہ سب چاہتا تھا' چاہتا ہوں' مگر ایسے نہیں کہ میرا اس پر امپریشن ہی ایسا پڑے کہ وہ مجھے غنڈہ سمجھنے لگے۔ تمہیں معلوم نہیں فرسٹ امپریشن...''

''او کم آن یار تیمور! کوئی فرسٹ ورسٹ امپریشن نہیں ہوتا۔ فرسٹ امپریشن تو بعض اوقات بناوٹ اور تصنع کی نذر بھی ہو جاتا ہے۔ ڈونٹ وری... کچھ نہیں ہوگا۔''

علی نے بچوں کی طرح اس کے گال پر پیار کر کے پچکارا' مگر وہ مطمئن نہیں تھا۔

''کچھ بھی ہو... ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا یار! وہ کیا سوچے گی کہ ہم عورت کی عزت نہیں کرتے۔ سیاست میں آنے کے بعد تو انسان کا کردار ویسے ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔ کجا ایسی حرکت کر کے کوئی اچھی امید رکھنا۔''

سجل پر برا امپریشن پڑنے کا تیمور کو سخت ملال تھا۔

دیکھو یار! اللہ سے اچھی امیدیں وابستہ رکھو انشاء اللہ پوری ہوں گی۔''

''یہ تو ٹھیک ہے علی! ہمیں ان لڑکیوں سے ایکسکیوز ضرور کرنا چاہئے۔ عورت کی عزت کرنا بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔''

تیمور نے ذرا ڈرے ہوئے لہجے میں کہا' کیونکہ علی کا موڈ آف ہونے لگا۔

''مانگ لوں گا بابا ان سے معافی۔ حکم ہوگا تو پاؤں بھی پکڑ لیں گے میڈم کے اور صرف لڑکی پر نظر رکھو' لڑکیوں پر نہیں۔''

علی نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ تیمور کو ہنسی آ گئی اور وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑکی میں کھڑا ہو گیا اور آنکھوں میں آج سے اڑھائی سال قبل والا زمانہ گھوم گیا جب یونیورسٹی میں داخلوں کا میلہ لگا تھا۔ گویا یونیورسٹی میں بہاریں اتر آئی تھیں۔ زندگی سے بھرپور مسکراہٹیں لئے چہروں پر کچھ حاصل کرنے کی انجانی سی چمک تھی۔ کچھ گھبرائے' کچھ شرمائے یہ سماں بہت خوبصورت تھا۔ جب تمام طلباء تنظیموں نے اپنی اپنی تنظیم کی جانب سے سٹال لگائے تھے اور اپنے نئے طالب علم ساتھیوں کی مدد میں پیش پیش تھے۔ ہر کسی کو جامعہ کے بارے میں معلومات فراہم کر رہے تھے۔ کم نمبر حاصل کرنے والوں کی بھی ہمت افزائی

کی جارہی تھی کہ انہیں داخلہ مل سکتا ہے۔ نیز نئے لوگوں کو اپنی اپنی سیاسی تنظیم میں شامل ہونے کا فائدہ دے کر ایڈمیشن کی یقین دہانی کرائی جارہی تھی۔ ہر طلباء سٹال اور تنظیم کی کوشش تھی کہ نئے آنے والے زیادہ سے زیادہ ان کے سٹال پر آئیں۔ تیمور اور علی بھی اپنی تنظیم کی جانب سے سٹال پر بیٹھے تھے۔ علی کی چرب زبانی کی بدولت بہت سے لڑکے' لڑکیاں ان کے سٹال سے فارم وغیرہ حاصل کر چکے تھے۔

''ایکسیکوزمی! ہمیں ایڈمیشن فارم مل جائے گاناں؟''

اس شوخ کھنکتی جلترنگ پر تیمور حیدر اور علی ضیاء نے چونک کر برابر والے سٹال پر دیکھا۔ وہ سفید چکن کے کرتے اور سیاہ جینز میں حسین چہرے پر بے چینی اور آنکھوں میں عجیب سی چمک لئے قمرابرار سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں جی کیوں نہیں' ہم یہاں بیٹھے کس لئے ہیں۔ آپ کس ڈیپارٹمنٹ میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہیں؟'' قمرابرار نے نثار ہونے والے انداز میں کہا۔

''کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ میں۔''

سجل نے جلدی سے اپنے کاغذات کی فائل قمرابرار کے حوالے کر دی تو وہ بغور مطالعہ کرنے لگا۔ وہ تجسس اور بے قراری سے اسے دیکھ رہی تھی۔

مجھے ایڈمیشن مل جائے گاناں؟'' سجل بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔''

''کیوں نہیں مس سجیلہ فاروق احمد! آپ کے تو ایف ایس سی میں بہت اچھے مارکس ہیں' ذرا سی کوشش کرتیں تو آپ کو میڈیکل میں ایڈمیشن مل جاتا۔'' قمرابرار نے فائل اپنے پاس محفوظ کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

جی مل جاتا' لیکن مجھے ڈاکٹر بننے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ مجھے انسان اور انسان کے مطالعے سے خوف آتا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔''

اچھا خیر' یہ لیجئے آپ کا فارم' یہ رہی پراس پیکٹس اور بیس تاریخ کو پہلی لسٹ لگے گی۔ انشاءاللہ اللہ کو منظور ہوا تو پہلی لسٹ میں آپ کا نام آجائے گا۔ یہ'' ''کارڈ رکھئے' آپ کو اس جامعہ میں کسی بھی قسم کی پرابلم کا سامنا ہو تو ضرور رابطہ کریں۔

قمرابرار بھی متاثر نظر آرہا تھا۔ اس نے جھٹ اپنا ذاتی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

اوہ... تھینک یو سو مچ۔ میں تو بہت ڈر رہی تھی کہ نہ جانے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا کتنی مشکل بات ہے۔ مگر یہاں تو چٹکیوں میں کام ہو جاتے ہیں' ہے'' ''!ناں بجو

سجل نے کتنی ہی دیر بعد ساتھ آئی فاطمہ کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ بے حد خوش ہو رہی تھی۔

ارے نہیں مس سجیلہ! ایسی تو کوئی بات نہیں' تعلیم سب کیلئے ہے۔ جامعہ کے دروازے تو سب پر کھلے ہیں۔ یہ ہماری تنظیم کی جانب سے شائع ہوتے'' ''والا کتابچہ ہے' جس میں جامعہ کے بارے میں اور اس تنظیم کے بارے میں معلومات ہیں' آپ اس کا مطالعہ ضرور کیجئے گا۔

قمرابرار نے موقع پا کر اپنی تنظیم کا تعارفی کتابچہ بھی اسے تھما دیا' جسے اس نے بڑی خوشی اور اشتیاق سے وصول کیا۔

بے بی چلیں' اب کافی وقت ہو گیا ہے۔" فاطمہ نے سجل کو یاد دلایا کہ گھر بھی جانا ہے۔"

"ہاں چلیں۔"

یوں یہ حسن و آواز کا سحر اس وقت ٹوٹا جب اس کی سفید اکارڈ مین گیٹ سے باہر نکل گئی۔

"بھائی صاحب! وہ جا چکی ہے' لہٰذا اب آپ بھی واپس آجائیے۔"

علی نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ جھینپ کر سیدھا ہو گیا۔

سجل کے سحر خیز حسن میں کچھ ایسی بات تھی کہ تیمور حیدر کے دل پر چوٹ پڑی تھی۔ وہ اسے صرف اچھی ہی نہیں بلکہ اس حد تک پسند آئی تھی کہ ان اڑھائی سالوں میں وہ اسے ہی سوچتا رہا۔ اس کے بارے میں ساری معلومات حاصل کر لی تھیں۔

کب تک اس آگ میں جلتے رہو گے' اسے بتائو گے تو اسے پتا چلے گا ناں۔ مرد بنو اور آگے بڑھو۔" علی اسے اکثر آگے بڑھنے کو کہتا۔"

مگر وہ اس کی اور اپنی کلاس کے فرق کو اچھی طرح سمجھتا تھا' اس لئے آگے نہیں بڑھتا تھا اور پھر اس روز علی نے تعارف کرانے کی غرض سے وہ حرکت کر ڈالی جس سے اس کا امپریشن یقیناً خراب ہوا تھا۔

☆...☆...☆

سجل جب سے یونیورسٹی سے آئی تھی' گم صم اپنے کمرے میں بند تھی' جو کچھ یونیورسٹی میں ہوا تھا' وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا' جسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ تیمور حیدر کا اس کا ہاتھ پکڑنا' علی ضیاء کی باتیں... دل میں طرح طرح کے وہم آرہے تھے۔ اڑھائی سال کا دل جلانا' آپ سے تعارف' حق بنتا ہے۔ کتنی الجھی ہوئی اور معنی خیز باتیں کر رہا تھا علی ضیائ... کیا مقصد تھا ان کا ایسی باتوں سے' اگر خدانخواستہ پاپا جی کو یا گھر میں کسی کو خبر ہو گئی تو...؟ وہ بری طرح پریشان ہو رہی تھی اور مستقل اپنی کلائی ہاتھ میں لئے بیٹھی دیکھ رہی تھی' جس پر تیمور کی انگلیوں کے نشان اب مدھم پڑ گئے تھے' مگر اس کیلئے سوچوں اور تفکرات کے در کھول گئے تھے۔

"بے بی! کیا سوچا جا رہا ہے؟"

فاطمہ نے اندر آکر اس کے چہرے پر سوچوں کا جال بچھا دیکھا تو بولی' مگر وہ اپنے خیالوں میں مستغرق رہی۔ فاطمہ کو حیرت ہوئی۔ وہ اس کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔

"بے بی! کیا بات ہے بازو میں تکلیف ہے کیا؟"

فاطمہ نے اسے کلائی تھامے دیکھ کر پوچھا تو وہ جیسے ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹ آئی۔

"ہوں... ہاں... اوہ! بجو آپ کب آئیں؟"

سجل کو فاطمہ کے وجود کا احساس ہوا تو وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔

"ابھی آئی ہوں' تم نہ جانے کن سوچوں میں گم تھیں کہ میری بات کا جواب بھی نہیں دیا۔ بازو کو کیا ہوا ہے؟" فاطمہ نے اس کی کلائی اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا تو سجل اندر تک کانپ گئی۔

"کک... کک... کچھ نہیں ہوا بجو! وہ آج کافی دنوں بعد یونیورسٹی گئی تھی ناں تو تھکن ہو گئی ہے اور آج پوائنٹ میں اتنا رش تھا کہ سیٹ نہیں ملی بیٹھنے کو' تو کھڑا ہونا پڑا پائپ پکڑ کر' اس وجہ سے بازو میں ذرا درد ہو گیا ہے۔"

سجل کی بات ابھی ادھوری تھی کہ آمنہ آندھی کی طرح اندر داخل ہوئی۔ اس کا جیسا گرم اور تیز مزاج تھا ویسے ہی اطوار بھی تھے۔

"باجی! آپ تو بس بے بی کے کمرے میں آکر یہیں کی ہو رہتی ہیں۔"

"کیا ہوا آمنہ؟ خفا کیوں ہو رہی ہو؟ آرام سے' تحمل سے بات کرتے ہیں۔"

فاطمہ اپنے فطری حلیم لہجے میں بولتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔

"وہ فرحانہ کی بڑی بہن رومانہ جو آپ کی دوست ہے' آئی ہیں۔"

"ارے تو کیا آ گئی امریکہ سے؟ بے بی! تم بھی فریش ہو کر آ جاؤ۔"

رومانہ بڑی گہری دوست تھی فاطمہ کی۔ اس کی آمد پر وہ بے حد خوشی سے نیچے اترتے ہوئے سجل کو آنے کیلئے کہہ گئی۔

دونوں کافی عرصے بعد ملی تھیں۔ تین سال قبل جب رومانہ پاکستان آئی تھی تو فاطمہ' مما کے ساتھ اسلام آباد گئی ہوئی تھی۔

"رومانہ! تمہیں تو بہت جلد آنا چاہئے تھا' بہن کی شادی ہے۔"

"ہاں فاطمہ! کیا کروں' سب ہی ناراض ہیں کہ دن کے دن آئی ہو۔ بچوں کے ایگزام ہو رہے تھے۔ اب بھی صرف میں اور بڑی بیٹی ہی آ سکے ہیں اور سناؤ کیا حال احوال ہیں۔ بھئی میں تو بہت مصروف ہو گئی ہوں نئی زندگی میں۔ تم تو فارغ ہو' کیسی گزر رہی ہے؟"

رومانہ نان سٹاپ بولے چلے گئی۔

"بس گزر رہی ہے خدا کا شکر ہے' اچھی گزر رہی ہے' تم سناؤ کیا کھاتی ہو کہ ماشاءاللہ جوان بچوں کی ماں ہو کر بھی جوان لگ رہی ہو؟"

فاطمہ نے رومانہ کو دیکھا۔ زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تھی اس کے چہرے پر' کسی محرومی' کسی تلخی کا گزر تک نہ تھا۔

"ہاں' میں بھی یہ ہی کہنے والی تھی کہ بچے خیر سے میرے جوان ہوئے ہیں اور بوڑھی تم نظر آ رہی ہو۔ وہ خوبصورت چہرہ' وہ سیاہ بالوں کی چمکدار چوٹی کیا ہوا یہ سب؟"

رومانہ کو بہت دکھ ہوا تھا فاطمہ کو دیکھ کر۔ کتنی حسین اور فریش ہوا کرتی تھی... یہ فاطمہ' مگر اب تو اپنی عمر سے بھی چند برس بڑی ہی دکھائی دے رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو رومانہ! تمہیں بوڑھا ہونا بھی نہیں چاہئے' اس لئے کہ جوان بچوں کی مائیں کبھی بھی بوڑھی نہیں ہوتیں۔ انہیں دیکھ کر' ان کی خوشیاں دیکھ کر سدا جوان رہتی ہیں۔"

"یہ بتاؤ کہ اب تو رہو گی ناں زیادہ دن؟"

فاطمہ نے اپنے مثالی ضبط سے اپنے کرب' اپنی محرومیوں کو چھپاتے ہوئے کہا۔

''نہیں فاطمہ! عورت کی زندگی بھی عجیب ہوتی ہے۔ مجھے شکیل کی طرف سے کوئی مسئلہ نہیں' مگر بچوں کی وجہ سے کہیں رہ ہی نہیں سکتی۔ ماشاءاللہ! اتنی مصروفیات اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں بچوں کی کہ... لیکن جو مزہ ان ذمہ داریوں کو نبھانے میں ہے ناں' وہ فارغ رہنے میں نہیں۔ میرے خیال میں تو تم نے شادی نہ کرکے اچھا نہیں کیا۔ سچ! اگر میں یہاں ہوتی ناں تو دیکھتی کہ کیسے تم شادی نہیں کرتیں۔ زبردستی پکڑ کر نکاح پڑھوا دیتی کسی اچھے سے شریف بندے سے۔''

''نہیں رومانہ تم اگر یہاں بھی ہوتیں تو کچھ نہیں کرسکتی تھیں بلکہ کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ جب میرے ہاتھ میں قدرت کی طرف سے ایسی کسی خوشی کی لکیر ہی نہیں تو... تم یا کوئی اور یہ لکیر کیونکر بنا سکتا تھا۔''

فاطمہ نے ایک اذیت ناک گہرے سانس کا گلا سینے ہی میں گھونٹتے ہوئے کہا جو ٹیسوں کے احساس سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔

''رہنے دو فاطمہ! تم نے اپنے ساتھ یہ ظلم اپنے ہاتھوں کیا ہے۔ حارث کی محبت میں عمر بھر کا جوگ لے لیا اور وہ بے وفا' ہرجائی' خودغرض' لالچی آدمی۔''

''رومانہ پلیز!'' فاطمہ ان جھوٹے الزامات پر تڑپ اٹھی جو حارث پر لگائے گئے تھے' لیکن یہ صرف وہ جانتی تھی کہ یہ الزامات جھوٹے ہیں کیونکہ لوگوں کو ایسی ہی کہانیاں' فرضی من گھڑت قصے سنا کر مطمئن کردیا جاتا تھا تاکہ کوئی ان کو موردالزام نہ ٹھہرائے۔

''اور نہیں تو کیا خبردار جو اس کی حمایت کی ہو تو۔ آنٹی بتارہی تھیں کہ وہ لوگ تو اس کی تمام شرائط پوری کرنے کو تیار تھے' مگر بعد میں تم نے انکار کردیا۔'

''ہاں میں نے انکار کردیا تھا' بھلا میں ایک لالچی آدمی کے ساتھ کس طرح زندگی گزار سکتی تھی۔'' فاطمہ نے اپنے اندر اٹھنے والی چیخوں کو بمشکل روکا۔

''خیر' یہ تو تمہارا اچھا فیصلہ تھا' پھر اس کے روگ کو جان سے لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ آنٹی! یہ بھی بتارہی تھیں کہ اور بھی اچھے اچھے رشتے آئے تھے... تمہارے' مگر تم نے انکار کردیا۔

رومانہ کو قطعی احساس نہیں تھا کہ وہ نادانستگی میں ہر حقیقت سے انجام اس کے زخموں پر مسلسل نمک پاشی کررہی ہے کہ ضبط کے پل پر کھڑی فاطمہ کے پاؤں ڈگمگانے لگے تھے۔

''ہاں... ہاں رومانہ! مماجان درست کہتی ہیں۔ بہت رشتے آئے تھے' مگر میں کسی پر اعتبار نہ کرسکی اور انکار کرتی رہی۔ جب قدرت کی طرف سے یہ خوشی نصیب میں نہیں تھی تو کیونکر مل سکتی تھی۔ میرا خیال ہے اس موضوع کو' اس باب کو اب بند کردینا چاہئے۔ کوئی اور بات کرو۔'' فاطمہ نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے آواز کو لرزشوں کی زد میں آنے سے بچایا۔

''ہاں ظاہر ہے' اب تو اس کتاب کو بند کرنا ہی پڑے گا' ویسے تم نے اچھا نہیں کیا اپنے ساتھ۔'' رومانہ نے ایک نظر اس پر ڈال کر بیگ میں کچھ ٹٹولتے

ہوئے کہا تو پھیکی سی... مسکراہٹ فاطمہ کے لبوں پر ابھر کر رہ گئی۔

''ہیلو فاطمہ بیگم! یہ تم کہاں کھو گئیں؟''

اپنے پرس سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنی لپ سٹک دوبارہ درست کرتی ہوئی رومانہ نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونک گئی۔

''کیا ہوا کھڑی ہو گئیں؟'' فاطمہ اسے کھڑا ہوتا دیکھ کر خود بھی کھڑی ہو گئی۔

''میں کھڑی ہی نہیں ہوئی بلکہ جا رہی ہوں' تم بھی تیار ہو کر آ جاؤ تمہارے ساتھ شاپنگ کیے مدت گزر گئی' پرانی یادیں تازہ ہو جائیں گی۔''

کتنا آسان ہے رومانہ کیلئے ہر بات کر لینا' کوئی فکر' کوئی پریشانی' کوئی پابندی نہیں تھی خیال و اظہار پر... یہاں تو سوچنا بھی گناہ تھا۔

''رومانہ! تم جانتی ہو کہ...''

''اونہوں! کسی پس و پیش کی ضرورت نہیں۔ میں آنٹی سے اجازت لے چکی ہوں اور ویسے بھی جس عمر سے' میں اور تم گزر کر رہے ہیں ناں' اس عمر میں پابندیاں نہیں ہوتیں۔''

''ہاں تم ایسا کہہ سکتی ہو' اچھا میں ابھی آئی۔''

فاطمہ نے بکھر... جانے والے وجود کے سنگریزوں کو سمیٹا اور لائونج میں آئی' جہاں صوفیہ بیگم' رشید کو لنچ میں تیار ہونے والے کھانے کے بارے میں ہدایات دے رہی تھیں۔

''وہ جی آمنہ بی بی کہہ رہی تھیں کہ آج قیمہ بھرے کریلے بنیں گے۔''

صوفیہ بیگم سے ہدایت سن کر رشید نے ڈرتے ڈرتے آمنہ کی خواہش کا اظہار کیا۔

''کیا' آمنہ کون ہوتی ہے یہ کہنے والی' کریلے فاروق کو سخت ناپسند ہیں۔ وہ نہیں پکیں گے' جو تم سے کہا گیا ہے وہ کرو۔''

صوفیہ بیگم نے کڑک دار آواز میں آمنہ کی بات کو رد کرتے ہوئے کہا تو سیڑھیوں کے بیچوں بیچ کھڑی آمنہ کے ہاتھوں میں کٹی ہوئی پیاز سے بھری پلیٹ لرز گئی۔

''کریلے اسے بے حد پسند تھے۔ خاص کر بھرے ہوئے تو آج اس نے سوچا تھا کہ پکا لے گی مگر رشید کے بچے نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ وہ خاموشی سے گئی کٹی ہوئی پیاز فریج میں رکھی اور آ گئی۔

''مما جان!'' فاطمہ نے آہستگی سے پکارا۔

''ہوں کیا بات ہے؟'' وہ اخبار پر نظریں جمائے ہوئے بولیں۔

''وہ رومانہ...''

''ہاں' اس کے ساتھ چلی جاؤ اور جلدی آ جانا۔''

وہ گویا اس کے آنے اور بات کرنے کا مطلب سمجھ گئی تھیں۔

فاطمہ کا جی چاہا' انکار کردے۔ اس کا رومانہ کے ساتھ جانے کو قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ایک تو اس کو شادی کی شاپنگ کرنا تھی' دوسرے وہ شوہر اور بچوں کی باتیں کر کے اسے محرومیوں کا مزید احساس دلا دیتی تھی۔

وہ دو بجے کی گئی تھیں اور اب چھ بج رہے تھے' مگر واپس نہیں پلٹی تھیں۔

فاروق احمد اڑھائی بجے... گھر آ چکے تھے۔ ایک تو ان کو رومانہ کے ساتھ اس کا جانا بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

''بیگم! آپ کو خود احساس ہونا چاہئے کہ حالات کیسے ہیں۔ کیوں جانے کی اجازت دی فاطمہ کو؟''

گو کہ وہ اپنی بیگم کو بہت عزیز رکھتے تھے' لیکن اگر وہ بھی کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف کرتیں تو ان کو بھی سنا دیتے۔

اس وقت صوفیہ بیگم بھی بہت پریشان اور مجرم بنی کھڑی تھیں۔

''رومانہ نے تو واقعی حد کر دی۔ اس نے تو کہا تھا کہ دو گھنٹوں میں آ جائیں گی۔ مجھے کیا خبر تھی آپ زیادہ فکر نہ کریں' آ جائیں گی' آپ کا بلڈ پریشر ہائی نہ ہو جائے۔''

صوفیہ بیگم کو یہ بھی فکر تھی کہ کہیں ان کا بلڈ پریشر ہائی نہ ہو جائے اور فاروق احمد مستقل ٹہل رہے تھے۔

''اب پتا بھی نہیں کہ کہاں ہوں گی' میں گاڑی لے کر چلا جاؤں... مما! آپ آئندہ کسی کو اس طرح جانے کی اجازت نہیں دیں گی۔ پریشان کر کے رکھا ہوا ہے۔''

راحیل کو بھی غصہ آ رہا تھا۔ عجیب ماحول تھا اس گھر کا۔ ذرا ذرا سی بات کو اتنی سنجیدگی سے لیا جاتا کہ وہ بات ایک گناہ یا جرم کی حیثیت اختیار کر لیتی۔ ساڑھے چھ بجے فاطمہ ڈری سہمی آئی تو سب کو خصوصاً فاروق احمد کو اپنے لئے یوں متفکر پا کر وہ مجرم سی بن گئی۔

''اتنی دیر کیوں ہوئی؟'' فاروق احمد غصے میں دانت پیس کر یوں بولے گویا وہ اپنی مرضی سے کہیں گئی تھی یا کوئی غلط کام کر کے آئی ہو۔

''پپا جی! وہ رومانہ کے ساتھ گئی تھی' مما جان نے خود اجازت دی تھی' حالانکہ میں جانا بھی نہیں چاہ رہی تھی۔'' فاطمہ کی آواز لڑکھڑا گئی۔

''میں پوچھ رہا ہوں' دیر کیوں ہوئی؟''

''وہ جی رومانہ کو شادی کی شاپنگ کرنی تھی' اسے تو کوئی احساس ہی نہیں رہا وقت کا۔''

''اسے احساس ہوتا یا نہ ہوتا' تمہیں احساس ہونا چاہئے تھا واپسی کا' مگر تمہیں گھر والوں کی پریشانی کا احساس ہوتا تب ناں۔''

''پپا جی! میں اس سے بار بار کہہ رہی تھی' مگر اس نے بہت شاپنگ کرنی تھی' اس لئے اس نے بات ہی نہیں سنی۔ پھر میں کیا کر سکتی تھی۔''

اس کی آواز لرز گئی اور آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتی تھی' مگر پپا کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ان کا یہ مشکوک انداز' تلخ لہجہ' بے قصور ہو کر بھی وہ مجرم بنی کھڑی تھی۔

''ٹھیک ہے' اب جاؤ اندر' آئندہ تمام لوگ محتاط رہیں۔ کوئی بات ڈسپلن کے خلاف برداشت نہیں کر سکتا میں۔'' فاروق احمد کو گویا اس کی بات پر اعتبار

آ گیا تو آئندہ کیلئے تنبیہ کرتے ہوئے وہ اندر چلے گئے۔ ان کے پیچھے صوفیہ بیگم بھی چلی گئیں۔

فاطمہ بے جان قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"بجو! یہ پانی پی لیں۔" سجل' فاطمہ کے پیچھے ہی چلی آئی تھی' جو سارے دن کی بھوکی تھی۔ اس نے رومانہ کے اصرار پر بھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ کیونکہ مما' پپا کو باہر سے کچھ کھانا پینا قطعی پسند نہیں تھا۔ وہ چونکہ مما کی اجازت سے گئی تھی' اس لئے اسے توقع نہیں تھی کہ پپا ایسے رویے سے اس کا استقبال کریں گے۔

"پپا جی کا موڈ کیسا ہے بے بی؟" فاطمہ نے گلاس پکڑ کر پہلا سوال کیا۔

"معلوم نہیں' کھانا لاؤں آپ کیلئے؟" سجل نے اس کا مرجھایا ہوا' اترا ہوا چہرہ تھام کر پوچھا۔ فاطمہ نے جلدی سے خود کو نارمل کر لیا۔

"نہیں بھئی' میں خود کھا لوں گی' تم تکلیف کیوں کرتی ہو' تم بتاؤ یونیورسٹی میں دن کیسا گزرا؟"

فاطمہ جلدی سے اس اذیت ناک احساس کی تکلیف سے نکلنا چاہتی تھی' جو اس پر گزر چکا تھا۔

"پتا نہیں بجو! ہماری قسمتوں کو کیا ہے کہ آزادی کے چند سانس بھی ہم سے ایسا خراج وصول کرتے ہیں کہ پھر سانس لینے کو جی نہیں چاہتا۔"

آج ہونے والے واقعے نے سجل کو بھی خاصا بددل کر دیا تھا۔ وہ اپنے یونیورسٹی کے مستقبل سے بھی مایوس سی ہو گئی تھی۔ اگر ذرا بھی گھر میں اس بات کی بھنک پڑ گئی تو باقی کچھ نہیں بچے گا۔

"بے بی! ارے جان! تم کیوں ایسی بات کر رہی ہو مایوسی کی۔ گھروں میں ایسی باتیں تو ہو ہی جایا کرتی ہیں اگر اچھے برے پر ہمارے والدین ہمیں نہ روکیں گے تو کون روکے گا۔ چلو شاباش' میرے اور اپنے لئے... اور ہاں آمنہ کیلئے چائے بنا کر لاؤ۔ آج ہم تینوں بہنیں ٹیرس پر بیٹھ کر چائے پئیں گے اور ہاں فرحانہ کی مہندی اور مایوں جمعہ کو ہیں' پروگرام بناتے ہیں مل کر تینوں۔"

فاطمہ بات کر رہی تھی کہ آمنہ بھی آ گئی۔ اس نے سجل اور آمنہ کو ساتھ لگایا تو اک گونہ سا سکون محسوس ہوا فاطمہ کو' اس بھری دنیا میں تینوں ہی تو تھیں۔ ایک دوسرے کی گو کہ آمنہ بھی اکثر اوقات مخالف پارٹی کی طرف ہو جاتی تھی بہر حال وہ تھی تو انہی میں سے۔

☆...☆...☆

"ہیلو..."

"اوہ! ہیلو امجد کیسے ہو یار؟" امجد کی آواز پر نبیل جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا عجیب گائودی ہو۔ یار میں نے بیگم جان سے تمہارا غائبانہ تعارف بھی کروا دیا ہے اور تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔" امجد چھوٹتے ہی اس سے ناراض ہونے لگا۔

"یار! میری مجبوری تو تم جانتے ہو۔ سو طرح کے سوالوں کے جواب دینے پڑتے ہیں پپا' مما کو تب جا کے اجازت ملتی ہے۔"

نبیل اس ماحول سے فرار چاہتا تھا۔

''یار نبیل! تمہارے گھر کا ماحول تو ساری دنیا سے مختلف ہے۔ نجانے کس سیارے سے تعلق ہے تم لوگوں کا۔ دیکھو نبیل! جب تک تم اس سحر کو نہیں توڑو گے' اسی میں قید رہو گے اور ایک وقت آئے گا کہ دم گھٹ کر مر جائو گے۔ نبیل تمہیں اس قید کی سلاخوں کو توڑنا ہو گا۔ اس سحر سے نکلنا ہو گا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ آج رات نو بجے آجانا' ورنہ پھر شکوہ نہ کرنا۔''

امجد کی باتیں دل کو لگ رہی تھیں۔ واقعی آخر ایسا کب تک ہو گا۔ اس سحر کو توڑنے کیلئے' اس قید سے آزاد ہونے کیلئے بغاوت کے ہتھیار استعمال کرنے ہی پڑیں گے۔ یہ والدین کی سخت تربیت کا اثر تھا یا وہ لوگ تھے اتنے فرمانبردار کہ جس سانچے میں ڈھالا گیا ڈھل گئے' ورنہ معاشرے کے جس طبقے سے ان کا تعلق تھا وہاں تو کسی قسم کی پابندی کا رواج ہی نہیں ہوتا ہے' مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا۔

''نہیں یار امجد! میں آجائوں گا' نو بجے تک میرا انتظار کرنا۔''

نبیل نے ریسیور رکھا اور سوچنے لگا کہ آج پپا اور ممی نے کہاں جانا ہے' مگر دونوں اطمینان سے پہلے لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے' پھر ٹی وی لائونج میں آگئے۔ آج تو ایسا لگ رہا تھا وہ کہیں جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ وہ اللہ کا نام لے کر تیار ہو کر نیچے آیا۔

''کہاں کی تیاری ہے صاحبزادے؟'' فاروق احمد نے سر سے پیر تک جائزہ لے کر پوچھا تو نبیل کے ارادے ڈانوا ڈول ہونے لگی۔

''جی وہ امجد ہے ناں' اس کی منگنی ہونے والی ہے۔ ہم دونوں نے اس سے ٹریٹ مانگی تو وہ وہاں جا رہا ہوں۔''

بر وقت اس سے مناسب بہانا اور کیا ہو سکتا تھا۔

☆...☆...☆

''اس سے پہلے بتایا... تھا ہمیں؟'' تیز لہجے میں انہوں نے تفتیشی انداز میں اسے دیکھا۔

''نہیں جی، آپ گزشتہ ایک ہفتے میں اتنا مصروف رہے کہ آپ سے ملاقات ہی نہیں ہو پائی تھی۔''

اور یہ حقیقت تھی کہ وہ اپنے بزنس میں بعض اوقات اتنا مصروف ہو جاتے کہ بچوں سے ملاقات بھی نہیں ہو پاتی تھی۔

''اوکے، لیکن تمہاری مما تو کسی بزنس میں مصروف نہیں تھیں، ان کو بتا... دیا ہوتا۔'' فاروق احمد نے ایک اور تیر چلایا تو نبیل نے ایک نظر صوفیہ بیگم پر ڈال کر نظریں نیچے کر لیں۔

''سوری سر!'' نبیل نادم سے لہجے میں بولا۔ پھر تھوڑی دیر فضا میں سکوت رہا۔ نبیل جز بز ہو رہا تھا۔

''پھر پپا! میں جائوں کہ نہیں؟'' نبیل کچھ ہمت کر کے بولا۔

''ٹھیک ہے جائو۔'' فاروق احمد نے دیکھے بغیر کہا۔

''نبیل یوں وہاں سے نکلا گر ایک سیکنڈ بھی دیر ہو گئی تو شاید اپنا ارادہ بدل دیں اور اس کو واپس نہ بلا لیں۔''

''صوفیہ بیگم! یہ کیا ہو رہا ہے گھر میں؟ میری تربیت میں اور روپے میں کہاں کمی یا لچک رہ گئی ہے کہ یہ لوگ اپنی مرضی کے مالک بننے لگے ہیں، جس کا جس وقت جہاں جانے کو جی چاہتا ہے بے لگام اونٹ کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اس میں بچوں ہی کا نہیں، تمہارا بھی قصور ہے۔ تم کیوں ان کو ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہو۔ اب کل کلاں کو یہ لوگ کوئی بڑا مطالبہ کر دیں گے۔ میں یہ سب ہر گز نہیں ہونے دوں گا۔ کوئی لڑکا، لڑکی میری مرضی کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتا، سمجھیں تم؟''

پائپ میں تمبا کو بھرتے ہوئے فاروق احمد نے تیز نگاہوں سے بیگم کو دیکھا۔ ان کا خیال تھا کہ صوفیہ بیگم کے رویئے میں لچک آ گئی ہے، جواب بچے من مانی کرنے لگے ہیں۔

''آپ ناحق ناراض ہو رہے ہیں فاروق! اللہ کا شکر ہے، بچے ہمارے فرمانبردار ہیں۔ مسز شکور بتا رہی تھیں کہ ان کے بیٹے نے خود اپنی پسند سے لڑکی منتخب کی حالانکہ گھر میں کسی کو پسند نہیں تھی، مگر بیٹا ایسا اڑا کہ شادی کر کے ہی دم لیا۔ ان کو بھی بات ماننا پڑی۔ ہمارے بچوں نے تو آج تک ہماری بات مانی ہے، کبھی کسی معاملے میں تنگ نہیں کیا۔''

آج ماں کی محبت جانے کیسے بیدار ہو گئی تھی کہ ان کو اپنے بچے سعادت مند نظر آ رہے تھے۔

''ذرا کر کے تو دیکھیں تنگ، میں نے اس اولاد کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ معاشرے میں بلند مقام دلانے کے لیے دن رات محنت کی ہے۔ یہ دولت، یہ جائیداد کس کی ہے، ان ہی لوگوں کی ہے ناں اور یہ راحیل کہاں ہے؟'' بات کرتے کرتے فاروق احمد کو اچانک راحیل کا خیال آ گیا۔

''اپنے کمرے میں ہو گا، اگر کہیں تو بلاؤں؟''

صوفیہ بیگم جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔ وہ یہ ہی چاہ رہی تھیں کہ موضوع بدلے اور ان کا غصہ ختم ہو۔

راحیل سے ویسے بھی ان کی انڈراسٹینڈنگ بہت تھی۔ بزنس کے سارے معاملات وہ زیادہ تر راحیل ہی سے ڈسکس کیا کرتے یا پھر عدیل سے، دونوں اچھے بزنس مین تھے۔ ان کی طرح البتہ نبیل کو بزنس سے دلچسپی کم تھی اور چھوٹا ہونے کا فائدہ بھی حاصل تھا کہ زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا تھا، اسی لیے اس کا دھیان فضول باتوں کی طرف جانے لگا تھا۔

''نہیں رہنے دو، رات ڈنر پر ملاقات ہو جائے گی تب بات کر لوں گا۔''

والدین اور بچوں کی ملاقات زیادہ تر ڈائننگ ٹیبل پر ہی ہوا کرتی تھی، ورنہ سب اپنے اپنے کمروں میں اپنی اپنی دنیا میں آباد زندگی گزار رہے تھے یا زندگی ان کو گزار رہی تھی۔

☆...☆...☆

نسیمہ بیگم کی طبیعت کافی دن خراب رہی۔ اسد نادم نادم سا ان کی تیمارداری کرتا رہا۔ اس دوران پتا چلا کہ نسیمہ بیگم شوگر کی مریضہ بھی ہیں۔ اس کو شدید

تائو آگیا شذرا پر۔ اس کے خیال میں وہ ہی ان کی بیماری کی ذمہ دار تھی۔

"شذرا!" اگر میری پھپھو کو کچھ ہوا تو میں تمہیں خود مار ڈالوں گا۔"

اس نے سارا غصہ شذرا پر اتارا۔

"اسد مشتاق! تمہاری پھپھو میری ماں ہیں۔ ہم لوگ مریں یا جیئیں، تم لوگوں کو غرض نہیں ہونی چاہیے۔ اور جس دن ہم لوگ مر جائیں، اس روز گھی کے چراغ جلانا۔"

شذرا ایک تو ماں کی بیماری کا سن کر اور دوسرے اس روز سے نسیمہ بیگم نے شذرا سے بات نہیں کی تھی اور اس کا سبب اسد تھا۔ سب گھر والے تھے، جن سے اسے نفرت تھی۔

"ہاں جلائوں گا گھی کے چراغ، تمہارے لیے... صرف تمہارے مرنے پر۔"

اسد دھیمی آواز مگر سخت لہجے میں کہتا باہر نکل گیا۔

شذرا کتنی ہی دیر محو خواب نسیمہ بیگم کو دیکھتی رہی... آنکھوں میں اتر آنے والی دھند میں ان کے دلکش نقوش چھپ گئے۔

"امی... امی جان! مجھے معاف کر دیں۔"

شذرا نے نسیمہ بیگم کے ہاتھوں کو اپنے رخسار سے لگاتے ہوئے کہا۔

"امی کو آرام کرنے دو شذو! اور میری بات دھیان سے سنو۔"

زیب نے شذرا کے آنسو اپنے آنچل میں جذب کرتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر بالکونی میں لے آئی۔

"دیکھو شذرا! ہم کیا ہیں، ہمارے حالات کیا ہیں، یہ سب تمہارے سامنے ہے۔ ہمارا اس دنیا میں سوائے ہماری ماں کے کوئی نہیں۔ اللہ تعالی ہماری ماں کا سایہ ہم پر سلامت رکھے۔ شذو ورنہ ہمارا کوئی پرسان حال نہیں۔ یہاں ماموئوں کے گھر میں ہم لوگ ملازموں سے گری ہوئی حیثیت میں رہتے ہیں۔ امی نہ جانے کیا کیا برداشت کرتی ہیں، اس لیے

کہ ہمیں عزت کے ساتھ سائبان چاہیے، ورنہ تمہیں اندازہ نہیں کہ ایسی عورتوں کو ہمارا معاشرہ جینے نہیں دیتا۔ جن کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو اور باپ بھائی نہ ہوں، تمہیں احساس ہے کہ امی تمہاری وجہ سے کتنی باتیں برداشت کرتی ہیں، مامیوں کی، تم ہو کہ سمجھتی نہیں ہو۔"

آج پہلی بار زیب نے بڑی بہن بن کر اسے ساتھ لگا کر سمجھایا تو وہ اکھڑ، بدتمیز سی شذرا شدت سے رو پڑی۔

"مانتی ہوں میں بجو! کہ یہ سب میری وجہ سے ہوتا ہے مگر... بجو مجھ سے یہ ناانصافی برداشت نہیں ہوتی۔ مامی آسیہ اور مامی زاہدہ کا بس چلے تو، ہمیں دھکے

دے کر گھر سے نکال دیں۔ ایسی ایسی باتیں کرتی ہیں کہ میری رگیں کٹنے لگتی ہیں۔ میں ہر بات برداشت کر سکتی ہوں، مگر جب اسد بکواس کرتا ہے تو خدا کی قسم دل چاہتا ہے اس کا منہ نوچ لوں، جان سے مار دوں، نفرت ہے مجھے اس کمینے سے۔

''کوئی بات نہیں شذو! اگر ہماری اس گھر میں ملازم سے بھی کمتر حیثیت ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے ہم اسی قابل ہوں۔ اللہ کی ذات سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ شذو آج ہم پر برا وقت ہے اور اللہ کا حکم ہے کہ انسان کو برے وقت میں صبر اور نماز سے مدد مانگنی چاہئے۔ تم باقاعدگی سے نماز نہیں پڑھتیں ناں، اسی لیے تم میں صبر اور ضبط کا مادہ کم ہے۔ پابندی سے نماز پڑھا کرو۔ آج نہیں تو کل ہمارے حالات بھی اللہ تعالیٰ بدلے گا۔ مجھے خدا کی ذات سے پوری امید ہے کہ عمیر بھیا ایک روز اچانک آجائیں گے ہمارا معتبر سا سائبان بن کر۔''

زیب دھیمی آواز میں بولتی، آنکھوں میں... آنے والے دنوں کی چمک لیے نہ جانے شذو کو سمجھا رہی تھی کہ خود کو بہلا رہی تھی۔

''بڑا اچھا اختتام سوچا ہے آپ نے اپنی زندگی کے دکھوں کا۔ ایک دم فلمی سا، کہ ایک روز اچانک عمیر بھیا آجائیں گے۔ ہمارے نجات دہندہ بن کر اور پھر ہم ہنسی خوشی رہنے لگیں گے اور پھر سکرین پر لکھا ہوگا اختتام...!''

شذرا نے عجیب ٹوٹے لہجے میں بھیگی پلکوں کے ساتھ امید کا دامن چھوڑتے ہوئے کہا۔

''مایوسی کفر ہے شذو! مسلمان خدا کی ذات پاک سے مایوس نہیں ہوا کرتے، بری بات ہے۔'' زیب نے اسے ٹوکا تو وہ آنسو ہاتھوں سے صاف کر کے واپسی کے لیے مڑی۔

''ٹھیک ہے بجو! میں نماز کی پابندی کروں گی، یہ میرا وعدہ رہا۔''

''ایک وعدہ اور کرو شذو! زیب اس کے سامنے آکر بولی۔

''کیا؟''

''دیکھو! اسد ماموں جان کا اکلوتا بیٹا ہے، اس سے تم نہیں لڑو گی اور نہ ہی اسے بددعا دو گی، اسی بات سے سارا فساد پھیلتا ہے۔''

''سوری باجی! میں نہ یہ وعدہ کر سکتی ہوں اور نہ نبھا سکتی ہوں۔ میں تو اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی، لڑتی تو اس کی باتوں پر ہوں۔ وہ ہے ہی فسادی دنیا جہان کا، اور دعائیں خوش نصیبوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ کم از کم وہ میری دعاؤں کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ نفرت ہے مجھے اس سے، گرگٹ کہیں کا۔''

شذرا نے تلخ لہجے میں کہا اور باہر نکل گئی۔

زیب نے ماں کو بھی سمجھایا اور شذرا کو بھی۔

اس لیے نسیمہ بیگم نے شذرا کی خطائیں معاف کر دی تھیں اور وہ بھی اب نماز کی پابندی کے ساتھ زبان پر کنٹرول رکھنے لگی تھی۔ وہ بدزبان تو ہرگز نہیں تھی۔ بس گھر میں جوان کے ساتھ سب کا رویہ تھا، جو بے انصافی ہوتی تھی، اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی تو چیخ پڑتی تھی۔

''بھابی جان! کیا سوچ رہی ہیں، لیجئے چائے۔ تیز پتی اور زیادہ دودھ والی اپنے ہاتھوں سے بنا کر لائی ہوں۔

زاہدہ بیگم نے آسیہ بیگم کو متفکر دیکھ کر چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنے ہاتھوں پر زیادہ زور دیا۔ گویا اب تم بھی خیال رکھنا۔

''میں یہ سوچ رہی ہوں زاہدہ کہ کل کو خیر سے طلال نے آفیسر بن جانا ہے۔''

''ہائے بھابی یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے، پریشانی کی تو نہیں۔''

زاہدہ کی عادت تھی کہ بات پوری ہونے سے قبل بول پڑتی تھیں۔

''کون کہہ رہا ہے، میں پریشان ہوں، سوچ رہی ہوں کہ فائزہ کو بی اے تو کروا ہی دیا جائے مگر کیا کروں اس لڑکی کا پڑھائی میں تو دل لگتا ہی نہیں۔ انٹر بھی بڑی مشکلوں سے کروایا تھا۔ وہ بھی تھرڈ ڈویژن میں، اب آفیسر کو تو زیادہ پڑھی لکھی لڑکی چاہیئے ہوگی، جو اس کے ساتھ سوسائٹی میں ہم قدم ہو کر چل سکے۔''

''ارے بھابی جان! آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ فائزہ بچی ہے، آپ اسے زمانے اور طلال کی مجبوری بتا کر مزید تعلیم پر آمادہ کر سکتی ہیں۔ سمجھ دار بچی ہے، خود ہی سمجھ جائے گی۔ آپ کہیں تو میں اسے سمجھا دوں۔''

زاہدہ اب تو... آسیہ بیگم کی ہر بات پر نثار ہو جانے کو تیار تھیں۔

''نہیں زاہدہ! میں خود اس سے بات کر لوں گی۔ اچھا اب اس موضوع کو بدلو۔ نسیمہ آ رہی ہے۔ اس کے کانوں میں بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیئے، ہر جگہ پہلے اپنی بیٹیوں کا رونا لے کر بیٹھ جاتی ہے۔''

''آپ درست کہہ رہی ہیں بھابی جان! نسیمہ باجی جلتی ہیں ہماری خوشیوں سے۔ میں خود بھی یہ ہی چاہتی ہوں کہ ان کو خبر نہ ہونے پائے کہ ہم لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔ برا مت مانیئے گا ظہیر بھائی کی تو اب بھی منظور نظر ہیں یہ... اور ان کی بیٹیوں کو تو وہ بہت چاہتے ہیں۔''

دراصل دونوں خواتین ان دونوں لڑکیوں سے خائف تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ نسیمہ بیگم یا ان کی بیٹیاں ظہیر احمد یا ان کے بیٹوں کے سامنے آئیں۔

''ہاں میں خوب سمجھتی ہوں ظہیر بھیا، تو آج بھی نسیمہ کا دم بھرتے ہیں۔ یہ تو رابعہ بھابی اعلیٰ ظرف ہیں کہ ظہیر بھائی کی باتوں کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔ میں تو خود پریشان رہتی ہوں۔ یہ جو زیب ہے ناں، بڑی گھنی ہے۔ اوپر سے خاموش رہتی ہے مگر ہے پوری... خیر سے نسیمہ بیگم پہلے ہی کیا کم تھیں کہ اب بیماری کی وجہ سے مزید منہ لٹکائے رہتی ہیں۔ جہاں بھائیوں کے آنے کا وقت ہوا، ان کا منہ لٹک گیا۔''

آسیہ بیگم ان دکھوں کے احساس سے عاری تھیں، جو ایک بیوہ عورت پر گزرتے ہیں، جو اپنے بھائیوں کے سر پر بوجھ ہو اور اس کے دن رات کے طعنوں تشنوں میں بسر ہوتے ہوں۔ جس ماں کے سامنے تین جوان بیٹیاں ہوں، جن کے بارے میں وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ کچھ سوچ نہیں سکتیں تھیں کچھ بنا نہیں سکتی تھیں ان کے لیے۔

''بھابی جان! رات کھانے میں کیا بنایا جائے؟ تاکہ میں چڑھا دوں۔''

نسیمہ بیگم جانتی تھیں کہ ان کی دونوں بھابیاں جب مل بیٹھیں تو موضوع گفتگو ان کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔

''ارے نسیمہ باجی! آج تو کچھ نہیں پکے گا۔ وہ ظہیر بھائی اور رابعہ بھابی نے رات اپنے گھر بلایا ہے سب کو۔'' اچانک ہی زاہدہ بیگم کو رابعہ بھابی کی دعوت یاد آ گئی۔

"لیکن نسیمہ تم اور بچے تو یہیں ہوناں۔ تو دوپہر کا کھانا ہوگا، بچا ہوا گزارا ہو جائے گاناں۔" آسیہ بیگم نے جلدی سے وضاحت کر دی کہ کہیں یہ لوگ بھی تیار نہ ہو جائیں۔

"جی ہاں بھابی جان گزارا کرنا ہو تو ہو جاتا ہے، آپ فکر نہ کریں۔"

نسیمہ بیگم خاموشی سے واپس آگئیں۔ وقت نے کتنا ذلیل اور بے بس کر دیا تھا۔ لوگوں کے سامنے وہ انیکسی میں آگئیں۔

"کیا بتایا امی نے رات کے کھانے کے لیے؟" زیب حکم کی منتظر تھی جیسے۔

"نہیں بیٹا! وہ سب تو ظہیر بھائی کے ہاں جا رہے ہیں اس لیے رات کو کھانا وہیں ہوگا۔"

"امی جان! ہم لوگ نہیں جائیں گے؟" فرخ نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہمیں بھی نہیں لے کر جاتے۔ خود مزے کرتے پھرتے ہیں۔" فرخ بچہ تھا اسے بھی شوق ہوتا سب کے ساتھ جانے کا۔

"ارے فرخ بھیا! میری جان! جاتے ہیں تو جائیں۔ مریں، دیکھنا آج ہم خوب مزا کریں گے۔ آج رات ایک بجے تک ہماری صرف ہماری حکمرانی ہوگی۔ مزے مزے کی چیزیں پکائیں گے کھائیں گے۔ پتا ہے آج میں تم لوگوں کو چکن کڑھائی بنا کر کھلاؤں گی۔"

شذرا تو اس طرح خوش ہوئی ان کے جانے کا سن کر گویا کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا تھا۔

"ہاں شذرا آپی! بہت مزا آئے گا۔ آج ہم آزادی سے گھومیں پھریں گے گھر میں اور میں نومی کی سائیکل بھی چلاؤں گا ورنہ تو کوئی ہاتھ نہیں لگانے دیتا اور میں آج ٹی وی کے ریموٹ کنٹرول سے خود ٹی وی لگاؤں گا اور قالین پر کشن رکھ کر لیٹ کر ٹی وی دیکھوں گا۔"

فرخ کے دل میں جو حسرتیں تھیں وہ ایسے موقعوں پر جب سب گھر والے کہیں جاتے، تب پوری کیا کرتا تھا اور سب گھر والے شاذ و نادر ہی کہیں جاتے۔ آج تو سب خوش تھے کہ اپنی مرضی سے کچھ کر سکیں گے۔

"شذرا! تمہارے لیے اطلاع ہے کہ بڑی امی فریزر لاک کر کے جاتی ہیں جہاں گوشت وغیرہ رکھا ہوتا ہے۔" زیب نے اسے بتایا تو شذرا اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھوم گئی۔

"ارے بجو ڈیئر، لگایا کریں لاک اپنے فریزر پر۔ اللہ کی رحمت پر تو کوئی لاک نہیں لگا سکتاناں۔ میڈم یہ دیکھئے اللہ کی رحمت، سب سے چپکے چپکے مجھ پر برستی رہتی ہے۔"

شذرا نے الماری کے جانے کس کونے سے اپنا پرس نکال کر ان کے سامنے کھول دیا۔

"اتنے پیسے کہاں سے آئے؟"

زیب نے دس دس اور پانچ پانچ کے کئی نوٹ دیکھ کر پوچھا۔

"جناب چرائے نہیں ہیں جب بڑے ماموں جان مجھ سے پاؤں دبواتے ہیں یا سر میں مساج کراتے ہیں تو تھوڑا سا دبوانے کے بعد وہ چپکے سے میرے ہاتھ

میں دس پانچ روپے رکھ دیتے ہیں۔ وہ سب میں جمع کرتی ہوں اور آج ہم ان ہی پیسوں سے عیش کریں گے۔"

"کاش بڑے ماموں کی طرح مشتاق ماموں اور چھوٹے ماموں بھی ہمارے ہوتے۔" صدف نے حسرت ناک لہجے میں کہا۔

"تب بھی کچھ فرق نہ پڑتا۔ ان سب کی بیگمات جو ہیں ناں۔ فساد نرا فساد۔"

شذرا کے دل میں تو سب کے لیے نفرت بھری ہوئی تھی۔ وہ سب لوگ تیار ہو کر جا چکے تھے ساتھ ہی شذرا نے لسٹ بھی تیار کر لی تھی۔

"فرخ! جاؤ تم یہ چیزیں جلدی سے لے آؤ۔" شذرا نے اسے لسٹ تھمائی۔

"سائیکل پر جاؤں گا۔" فرخ نے شرط رکھی۔

"ہاں جان لے جاؤ۔" شذرا نے فراخ دلی سے اجازت دی۔

"شذرا بیٹے یہ سب فضول خرچی ہے۔"

نسیمہ بیگم خود بھی چاہتی تھیں کہ آج ان کے بچے اپنی پسند کا کھانا کھائیں، پھر خیال آیا کہ جو پیسے یہاں برباد کرنے ہیں، کسی اہم کام کے لیے رکھ دیئے جائیں۔

"گستاخی معاف امی جان! آج آپ اور بجو یہاں بیٹھ کر صرف حکم چلائیں گی۔ بڑی مامی کی طرح اور ہم کام کریں گے آؤ صدف۔"

شذرا نے زیب اور نسیمہ بیگم کو اس تخت پر بٹھا دیا جس پر بیٹھ کر آسیہ بیگم سب پر حکم چلایا کرتی تھیں اور صدف کو حکم ملا کہ وہ گھر کی صفائی کرے۔ خود اس نے کچن سنبھال لیا اور ڈیڑھ گھنٹے میں اس نے تینوں چولہے جلا کر چکن کڑھائی، بریانی اور ٹرائفل تیار کر لیا۔ فرخ تو بس تب سے سائیکل چلا رہا تھا۔ کتنا شوق تھا اسے جب نومی سائیکل چلاتا تھا۔ کبھی منت کر کے وہ نومی سے لے لیتا تو چھوٹی مامی جھٹکے سے اس سے چھین لیتیں۔

"امی جان، بجو آجائیں کھانا تیار ہے۔"

شذرا اور صدف نے قالین پر دستر خوان سجا رکھا تھا۔ سلاد سمیت ہر چیز بہت خوبصورت انداز میں سجائی گئی تھی۔ نسیمہ بیگم خوش تھیں کہ اللہ نے ان کو باسلیقہ بیٹیاں عطا کی تھیں۔ وہ شذرا کو دیکھ رہی تھیں۔ کتنی معصوم اور پیاری لگ رہی تھی، مگر جب ان سب کے سامنے ہوتی تو شعلہ بنی ہوتی۔

"باجی! میں مرغ کی ٹانگ لوں گا۔ مجھے کبھی بھی مرغ کی ٹانگ نہیں ملی۔"

"میری جان تم دونوں ٹانگیں لے لو مرغ کی۔" شذرا نے مرغی کی ٹانگیں فرخ کی پلیٹ میں ڈال دیں۔ ابھی سب نے پہلا لقمہ توڑا ہی تھا کہ بیل چیخ پڑی۔ نسیمہ بیگم سمیت سب کے سانس رک گئے۔

"یہ شوبی بھائی ہوں گے۔ وہ تو ان کے ساتھ نہیں گئے۔ کسی دوست کے ساتھ گئے تھے، آگئے ہوں گے۔" زیب کو یقین تھا کہ یہ شوبی ہی ہے۔

"اچھا ہوتے ہیں تو ہوں، ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

شذرا نے زبان سے تو کہہ دیا مگر دل میں ڈرتی ہوئی گئی اور دروازہ کھول دیا۔

"اوہ خدا تیرا شکر ہے کہ بلال بھائی آپ ہیں۔"

شذرا نے کسی بھی ناپسندیدہ ہستی کی آمد کے خوف سے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا تو سامنے بلال کو دیکھ کر خوش ہوگئی۔ وہ بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگا کیونکہ اس وقت شذرا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے، کچھ خوف، کچھ خوشی کے ملے جلے۔

''لڑکی! بات کیا ہے؟ اتنی بدحواس کیوں ہو رہی ہو۔ میرے آنے پر خوش ہوئی ہو، حیران یا خوفزدہ، اس لیے کہ اس وقت تمہارے چہرے پر تینوں کیفیات یکجا ہیں۔''

بلال نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔ وہ کنڈی اچھی طرح چڑھا کر اس کی طرف گھومی۔

''آپ تو میرے بہت ہی اچھے سے بھیا ہیں۔ بلال بھیا آپ کے آنے سے ہمیشہ خوشی ہی ہوئی ہے مجھے۔ اس وقت بھی میں بہت خوش ہوں۔ باقی جو دو کیفیات ہیں، ان کی وجہ بھی بتاتی ہوں اندر تو چلئے۔''

کوریڈور میں اس سے آگے آگے چلتے ہوئے شذرا تیز تیز بولتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔

''فکر کی کوئی بات نہیں، بلال بھیا آئے ہیں۔''

شذرا کو معلوم تھا کہ بیل کی آواز پر سب کی دھڑکنیں تھم گئی تھیں کہ خدانخواستہ شعیب نہ آگیا ہو، جو کسی دوست کے ہاں گیا ہوا تھا، اسی لیے باقی سب کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ شذرا نے کوریڈور سے تیز آواز میں کہا تو باقی سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔

زیب کا دل زور زور سے دھڑکا اور ڈھلکا ہوا دوپٹا درست کرنے لگی۔

''شذرا! آج تم خاصی پراسرار سی لگ رہی ہو۔ گھر میں غیر معمولی خاموشی، یہ میرے آنے کی اطلاع دینا، بات کیا ہے، کہیں باقی سب کو ہضم تو نہیں کر گئیں؟''

بلال نے رک کر، مسکرا کر شذرا کو دیکھا، جو آج خلاف معمول گہرے میک اپ میں اچھے سے کپڑوں میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ آج شذرا نے خود بھی خوب اہتمام کیا تھا اور باقی زیب اور صدف کو بھی خوب میک اپ کر کے تیار کیا تھا۔

''کاش ایسا کر سکتی۔ ارے ہاں بھیا! وہ سب تو آپ کے ہاں گئے ہیں اور آپ یہاں؟''

کافی دیر بعد شذرا کو خیال آیا کہ گھر والے تو بلال کے ہاں گئے ہیں، مگر بلال تو لاعلم لگ رہا تھا ان سے۔

''ہمارے ہاں، کیا سب کے سب؟'' بلال کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

''جی نہیں، وہ سب کے سب گئے ہیں، ہم سب کے سب گھر پر ہیں۔ چوکیدار ہیں ناں ہم لوگ، دوسرا ہم ان کے ساتھ کہیں جانے آنے کے قابل... ارے بھیا! چھوڑیئے آج ہم آزادی کے ان لمحات کو کسی منحوس ذکر سے بے مزا نہیں کریں گے۔ آپ اندر ڈرائنگ روم میں چلئے، میں ابھی آئی۔''

شذرا جو تلخ ہونے لگی تھی، مگر پھر فرخ کی سالگرہ کا خیال کر کے بات بدل دی اور کچن میں بلال کے لیے برتن لینے چلی گئی۔

بلال، زیب کا دلکش تصور لیے اندر آگیا، تو ڈرائنگ روم خاصا سجا ہوا تھا۔ کھانے کا پرتکلف اہتمام، لیکن سب کو یوں تیار اور پرسکون دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔ ان لوگوں کو خوشیاں بھی تو سسک سسک کر ہی ملتی تھیں۔ اس نے پیرٹ گرین سوٹ اور میک اپ میں سجی زیب پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔ اس طرح اہتمام

سے اسے تیار آج پہلی بار دیکھا تو نگاہوں نے اس منظر سے ہٹنے سے انکار کر دیا مگر اسے ناموس حسن زیادہ عزیز تھی، وہ نسیمہ بیگم کی طرف بڑھا۔

''آداب پھپھو! وہ جھک گیا۔''

''جیتے رہو بیٹا! تمہاری آمد ہم سب کے لیے حیران کن ہے، باقی سب تو...''

نسیمہ بیگم نے اس کے شانے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ ان کے برابر ہی بیٹھ گیا۔ عین سامنے زیب بیٹھی تھی اس نے کن اکھیوں سے زیب کو دیکھا اور گلاس میں پانی نکالنے لگا۔

''آں... ناں... ناں بلال بھیا بن بلائے سہی، لیکن اب آپ مہمان خصوصی ہیں۔ ہماری اس چھوٹی سی تقریب کے، پانی سے پیٹ بھر لیں گے تو باقی چیزیں کہاں جائیں گی، تھوڑا صبر کر لیں۔''

شذرا نے اس کے ہاتھ سے پانی کا بھرا گلاس لے کر ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

''جی پھپھو! میں اپنے ایک دوست کے ہاں گیا تھا۔ اس نے میرا کیمرہ لیا ہوا تھا، وہ لینے گیا تھا۔ واپسی پر سوچا سب سے ملتا ہوا جاؤں۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ وہ سب ہمارے ہاں گئے ہیں۔ خیر شکر ہے کہ آپ لوگ مل گئے، ورنہ بہت بے مزا ہوتا۔''

بلال نے چپکے سے ایک نظر زیب پر ڈالی، جو گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو آپس میں الجھائے جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

''بھیا! میں بہت خوش ہوں کہ آپ آئے ہیں میری برتھ ڈے پر۔''

فرخ واقعی خوش ہو گیا کہ چلو اپنی ماں، بہنوں کے علاوہ بھی اس کی برتھ ڈے میں کوئی اور شریک ہے۔

''اوہو! تو یہ ہمارے فرخ کی برتھ ڈے ہے۔ بھئی میں تو ناراض ہوں، بن بلایا مہمان ہوں۔ بتایا ہوتا تو گفٹ وغیرہ... لے کر آتا۔ خیر یہ تو ادھار رہا۔ انشاء اللہ پسند کا گفٹ

لے کر دوں گا، لیکن یہ ناراضگی رہے گی کہ برتھ ڈے پر انوائٹ نہیں کیا۔''

بلال نے مصنوعی خفگی سے فرخ کو دیکھا۔

''ارے فرخ بیٹا! یہ پروگرام ارینج تو نہیں، بس سب گھر والے گئے تو شذرا نے یہ اہتمام کر لیا۔ اگر وہ لوگ تم لوگوں کے ہاں نہ جاتے تو ایسا ممکن کہاں ہو، اور پھر ویسے بھی یہ سب فضول ہی تو ہے۔''

نسیمہ بیگم واقعی اسے پیسے کا زیاں سمجھ رہی تھیں۔

''ایسے ہی خواہ مخواہ امی جان! یہ ہماری اپنی خوشیاں ہیں، ان پر صرف ہمارا حق ہے۔ ہمارے پاس کون سا خوشیوں کے انبار لگے پڑے ہیں۔ ہر وقت توڈانٹ پھٹکار ملا کرتی ہے۔ آج اتنے عرصے بعد ہمیں سکون کی یہ چند گھڑیاں میسر آئی ہیں۔ پلیز ہمیں کھل کر انجوائے کرنے دیں، کیوں بلال بھیا؟''

موم بتیاں جلاتے ہوئے شذرا بلال کو دیکھ رہی تھی، جو اس وقت دکھ اور کرب کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ ان سب کی محروم اور ناسازندگی پر اس کا دل کڑھ رہا تھا۔

"پھپھو! شنذرا بہت سمجھ دار لڑکی ہے اور بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ خوشی کی گھڑیاں جب میسر آئیں انہیں دامن میں سمیٹ لینا چاہئے تاکہ محرومی کے وقت ان گھڑیوں کے احساس کا لمس محرومی کی شدت کو کم کر سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو ایسی بے شمار خوشیاں نصیب کرے۔"

بلال نے گمبھیر لہجے میں کچھ اتنے جذبے اور خلوص سے کہا کہ پہلی بار زیب نے نظریں اٹھا کر اس مخلص سے بندے کو دیکھا۔ نظریں ایک لحظہ کو ملیں اور جھک گئیں۔ نہ جانے زیب کی نگاہوں میں کون سی ایسی تحریر پڑھ لی تھی کہ ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لو بھئی، فرخ میاں! کیک کاٹو، سچ بڑی بھوک لگی ہے اور آج تو لگتا ہے شنذرا بی بی نے اپنی ہنر مندی کے وہ جوہر دکھائے ہیں، کھانے میں کہ واہ خوشبو ہی لذیذ ہے، چلو فرخ کیک کاٹو۔"

بلال نے فرخ کو چھری تھما کر... کھانے کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو فرخ چھری سنبھال کر کیک کی طرف بڑھا۔

"ایک منٹ ارے یار! میرے پاس کیمرہ ہے، ابھی ریل ڈلوا کر لایا ہوں۔ یاد ہی نہیں رہا، چلو آج تمہاری سالگرہ کو ہم اپنے کیمرے میں مقید کر لیں۔"

اچانک ہی بلال کو کیمرے کا خیال آگیا پھر شنذرا اور بلال کی ہلکی پھلکی باتوں اور فوٹو گرافی کے دوران وقت کی شاہراہ پر گزرنے والے یہ حسین رنگ برساتے لمحے ان سب کے لیے یادگار بن گئے۔ بلال نے ڈھیر ساری تصویریں اتاریں، وہ زیب کی ایک تنہا تصویر لینا چاہ رہا تھا جب کہ وہ گروپ تصویر میں بھی آنے سے ہچکچا رہی تھی۔

بھئی شنذرا! یہ تو کوئی دوستی نہ ہوئی کہ دوست کی معمولی سی خواہش بھی پوری نہ ہو سکتی ہو۔"

شنذرا بہت بولڈ اور سمجھ دار لڑکی تھی اور مخلص بھی۔ اسی لیے بلال نے اشاروں کنائیوں سے اپنے دل کا راز اس پر عیاں کر دیا تھا۔ شنذرا کو بے حد خوشی ہوئی تھی۔ بلال ویسے بھی ان سب کو بے حد پسند تھا۔ یہ جان لینے کے بعد شنذرا خاصی شوخ ہو گئی۔

"یہ بات نہ کہیں بلال بھیا! ہم دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہیں۔ دوستی میں جان بھی دینے کا ظرف رکھتے ہیں، چلئے اتاریئے تو ہماری ایک اچھی سی تصویر۔ ہم دونوں بہنوں کی خوبصورت سی تصویر۔"

اور پھر شنذرا، زیب کے قریب آکر بیٹھ گئی، مگر ایک منٹ کہہ کر فوراً وہاں سے ہٹ گئی اور زیب کا دلکش سراپا بلال کے کیمرے میں مقید ہو گیا۔ زیب کو تو پتا چل گیا تھا کہ تصویر اس کی اکیلی کی کھینچی گئی ہے مگر یہ نہیں جان پائی تھی کہ یہ بلال اور شنذرا کی ملی بھگت ہے۔ ورنہ وہ دونوں سے خفا ہو جاتی، لیکن وہ فکر مند ضرور تھی کہ اگر کبھی وہ تصویر باقی گھر والوں کے سامنے آگئی تو کیا قیامت نہیں آئے گی۔ اس خوف سے وہ افسردہ سی ہو گئی۔ خصوصاً شوبی کی باتیں تیز نگاہیں، اسے اندر تک جھلسا دیا کرتی تھیں اور ہر گزرنے والا لمحہ یہ اندیشہ لے کر آرہا تھا کہ شعیب آجائے گا۔ وہ خوفزدہ ہو رہی تھی کہ اگر وہ... آگیا اور اس نے بلال کو یوں یہاں ہنستے بولتے دیکھ لیا، خود تو جو کیچڑ اچھالے گا ہی باقی گھر والوں کو بھی نمک مرچ لگا کر بتائے گا۔

"اف میرے خدا... پھر کیا جواز پیش کریں گے ہم لوگ۔ جب ثبوت سامنے موجود ہے۔ میرے رب یہ کیسی زندگی ہے کہ ایک خوشی کو ترس رہے ہیں، اگر کبھی کوئی خوشی مل ہی جائے تو اس کے عوض ملنے والے دکھ کا احساس ہی خوشی کے احساس کو ختم کر دیتا ہے۔"

وہ ان ہی پریشان کن خیالوں میں گم تھی اور صدف، شنذرا اور فرخ کے ساتھ باتوں اور شرارتوں میں گم بلال کی نگاہیں بار بار اس کے حسین چہرے پر

تفکرات کے اترتے سائے دیکھ رہی تھیں۔ وہ جان رہا تھا کہ وہ کن تفکرات میں گھری ہوئی ہے۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کانچ کا پیکر رکھنے والی اس پیاری سی لڑکی کو اپنے پیار اور خلوص کے حصار میں لے کر تمام
تفکرات سے آزاد کرے، مگر ایسا اتنی جلدی ممکن نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس پر ایک نظر عنایت کی قیمت زیب کیا، سب کو چکانی پڑے گی۔ اسی لیے وہ کھل کر سامنے نہیں آ رہا تھا۔

''بلال بھیا! آپ کے آجانے سے ہماری محفل سج گئی ہے۔ سچ ہمیں یقین نہیں تھا کہ ہم اتنا انجوائے کریں گے۔''

''جی ہاں بالکل بھیا! یہ ہماری زندگی کی پہلی خوشی ہے جس میں ہم نے اتنا انجوائے کیا ہے۔''

صدف، شذرا اور بلال بے حد خوش تھے۔ اسی قسم کی خوشی کا اظہار نسیمہ بیگم نے بھی کیا تھا۔ جو اب نماز عشاء کے لیے اٹھ چکی تھیں۔

''بھئی آپ لوگوں کے اس خلوص کا شکریہ کہ سب نے میری آمد پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ میرے آنے سے خوشی دوبالا ہو گئی، مگر زیب تو خاصی ڈسٹرب لگ رہی ہے۔ یوں جیسے میرا آنا ناگوار گزرا ہو۔''

بلال نے براہ راست زیب کا نام لیا تو زیب نے گھنیری پلکیں اٹھا کر شکوہ کناں نظروں سے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر جلدی سے برتن سمیٹنے لگی۔

''ارے نہیں بلال بھیا! بجو کی بس عادت ہے، کم گوئی فطرت ہے ان کی کسی بات کا اظہار نہیں کرتیں نہ خوشی کا نہ غم کا۔'' صدف فوراً زیب کی ڈھال بن گئی۔

''ٹھیک ہے بندہ نہ کرے اظہار، مگر خاموشی کی بھی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ بندہ کہنا چاہے تو خاموشی کی زبان کے ذریعے پوری داستان کہہ سکتا ہے۔''

بلال نے بھی شکوہ کرتی نظروں سے زیب کو دیکھا، جو اپنے کام میں یوں مصروف تھی گویا کمرے میں دوسرا بندہ ہی نہیں اور اس کی یہ ہی بے حسی بلال کو مایوس کر دیتی۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں بلال بھیا، ہماری بجو دل کی بہت اچھی ہیں۔''

شذرا نے مسکرا کر زیب کو دیکھا۔

''بہت مشکل مقام کا نام لے لیا ہے تم نے شذرا۔ اب وہاں تک رسائی کہاں ممکن ہے، ہم جیسوں کے لیے۔''

بلال کی اس بات پر زیب کے چلتے ہاتھ رک گئے، مگر اس نے پلٹ کر بلال کو دیکھا نہیں۔

''صدف! فرخ! چلو، برتن کچن میں رکھ کر آؤ وہ لوگ آنے والے ہیں۔''

اس نے برتن سمیٹ کر صدف اور فرخ کو پکڑائے۔

''ارے بھئی، بچو! کیمرے میں ایک آخری تصویر رہ گئی ہے۔ چلو سب کا گروپ فوٹو ہو جائے تاکہ یادگار رہے کہ کبھی ہم نے اس طرح فرخ کی سالگرہ میں شرکت کی تھی۔

بلال نے پھر کیمرہ سنبھالا۔ زیب تو تیار نہیں تھی، مگر سب کے اصرار پر زیب کو کھڑا ہونا پڑا۔

اس کا دل کسی بھی انجانے خدشے سے دھڑک رہا تھا، ذرا سی آہٹ پر لگتا کہ کوئی آ گیا ہے۔

اور پھر بلال نے ان سب بہن بھائیوں کا گروپ فوٹو بنا دیا۔

اس وقت نسیمہ بیگم کو عمیر بڑی شدت سے یاد آ رہا تھا۔ وہ ہوتا تو حالات کتنے مختلف ہوتے۔

"خدایا! میرے بچے کو زندگی اور صحت کے ساتھ مجھ سے ملا دے۔"

ماں کی ممتا کو خدا کے گھر سے پوری امید تھی، کہ ایک نہ ایک دن اچانک عمیر آ جائے گا اور وہ اسی دن کی آس میں جیئے جا رہی تھیں۔

"بھئی صدف! اب تو اچھی سی چائے پینے کو جی چاہ رہا ہے۔

زیب جتنا چاہ رہی تھی کہ وہ شعیب کی آمد سے پہلے چلا جائے، وہ اتنا ہی پھیل رہا تھا۔ اب قالین پر ہاتھوں کا تکیہ بنا کر لیٹتے ہوئے اس نے چائے کی فرمائش کر دی۔

"جی ابھی بنا کر لائی۔" صدف جلدی سے اٹھ گئی۔

"نہیں صدف! میں خود بناتی ہوں چائے۔"

نسیمہ بیگم ماں تھیں، آج بچوں کو یوں خوش اور مطمئن دیکھ کر خوش تھیں اور چاہتی تھیں، جتنا انجوائے یہ لوگ کر سکتے ہیں کر لیں۔

"واہ! پھر تو چائے کا مزہ آ جائے گا بلال بھیا! آپ امی کے ہاتھوں کی چائے پیئیں گے۔ ایسی چائے آپ نے کبھی نہیں پی ہو گی۔ اتنی مزے کی چائے بناتی ہیں امی جان... صدف! تم امی کے ساتھ جاؤ۔ برتن وغیرہ دھو کر دینا۔" شنزرا ابھی اپنی جگہ پر بیٹھی بھی نہیں تھی کہ دوسرے کمرے سے فرخ کی آواز آئی۔

"شنزرا باجی! دیکھئے تو کیسٹ وی سی آر میں پھنس گئی ہے۔"

"بدتمیز لڑکا ہے، پتا بھی ہے وی سی آر پہلے ہی خراب ہے، کیسٹ پھنسا دی، اب سارا الزام اسی پر آئے گا۔" شنزرا بولتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف بھاگی۔

ڈرائنگ روم میں صرف زیب اور بلال رہ گئے تھے۔ پہلی بار یوں تنہائی میسر آئی تھی کہ کچھ کہہ سن لیا جا سکتا تھا۔ بلال اور کچھ نہیں چاہتا تھا وہ صرف زیب سے اس کی بے رخی کی وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے زیب کو دیکھا جو صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ یوں جیسے زبردستی اسے بٹھایا گیا ہو۔ وہ اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ دل تھا کہ خوف سے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ بلال کی گہری نگاہوں یا موجودگی کا لطیف احساس کسی کے آ جانے کے خوف میں دب کر رہ گیا تھا۔ بلال بس اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا، مگر اب جب کہ موقع ملا تو الفاظ گونگے ہو گئے۔ زبان اظہار کی قوت کھو بیٹھی، بس اس کا یوں سامنے رہنا بھی غنیمت تھا۔ تھوڑی دیر بعد زیب جانے کے ارادے سے کھڑی ہوئی، تو بلال بھی کھڑا ہو گیا۔

"زیب پلیز! ابھی نہ جانا، ایک بات کرنی ہے تم سے۔"

بلال اس کی طرف بڑھا۔ عین اسی وقت دروازے پر بیل ہوئی، تو زیب نے خوفزدہ نظروں سے بلال کو دیکھا اور اس سے قبل کہ زیب باہر نکلتی شعیب سر پر سوار ہو گیا اور اس خشمگیں نظروں سے زیب اور بلال کو دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت نسیمہ بیگم اور صدف چائے لے کر آ گئیں۔

"ارے شوبی بیٹا! آ گئے... صدف! جاؤ بھائی کے لیے کھانا گرم کرو۔"

نسیمہ بیگم بھی اندر سے دہل گئی تھیں۔ ویسے تو کوئی بات نہیں تھی، مگر بلال کی موجودگی ہمیشہ ہی شعیب کو گراں گزرا کرتی تھی اور آج تو سب کی عدم موجودگی میں وہ یہاں تھا ان کے پاس۔

"نہیں پھپھو! کھانا میں دوست کے ہاں سے کھا کر آیا ہوں۔ آپ لوگ تو لگتا ہے، کسی تقریب سے فارغ ہوئے ہیں، باقی سب کہاں ہیں۔"

اس نے بکھری ہوئی چیزوں اور چند تحائف کو دیکھ کر طنزیہ سے لہجے میں کہا۔ زیب پر تو خاصی چبھتی ہوئی نگاہ ڈالی تھی اس نے، وہ سر تا پا کانپ گئی۔

"بیٹا! سب لوگ تو ظہیر بھائی کے ہاں گئے ہیں۔ آج چونکہ فرخ کی برتھ ڈے تھی لڑکیوں نے یہ ہلا گلا کر لیا، بس میں تو ایسا نہیں چاہتی تھی۔"

نسیمہ بیگم، شعیب کی حیثیت جانتی تھیں، اسی لیے چور سے لہجے میں وضاحتیں پیش کر رہی تھیں۔ یوں جیسے وہ ان کا کوئی بزرگ ہو۔ لڑکیوں کو خصوصاً شذرا کو ماں کا یوں وضاحت کرنا اچھا تو نہیں لگا تھا، مگر وہ خاموش رہی۔

"تم اچھے میزبان ہو بلال کہ اتنے ڈھیر سارے مہمان گھر پر گئے اور تم"...

شوبی کو اور کسی بات سے دلچسپی نہیں تھی، سوائے اس بات کے کہ بلال یہاں تھا اور بلال بھی اس کے طنز کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"ہاں ہے تو یہ غلط بات، لیکن اتفاق سے یہ لوگ یہاں سے ہمارے گھر گئے، مگر میں ان کی آمد سے قبل ہی اپنے دوست کے ہاں جا چکا تھا۔ واپسی پر سوچا سب سے ملتا چلوں۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ سب لوگ ہمارے ہاں گئے ہوئے ہیں اور فرخ میاں اپنی سالگرہ منا رہے ہیں۔ میں بھی شریک ہو گیا۔ بغیر تحفے کے۔"

شعیب کے آ جانے سے ماحول، جو بوجھل ہو گیا تھا، بلال اسے ختم کرنے کی کوشش میں فرخ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"یہ سارے حسین اتفاقات، اتفاق سے تمہارے ہی ساتھ کیوں ہوتے ہیں۔"

شوبی نے ذرا کٹیلے لہجے میں کہا۔

"یہ میرے خدا کی مہربانی ہے بھائی! شکر گزار ہوں اس کی ذات کا۔"

بلال بھی اسے خاص اہمیت نہیں دے رہا تھا، مگر زیب اور نسیمہ بیگم کی جان پر بنی ہوئی تھی، جن کو جواب دینا تھا اب نجانے شوبی خود سے کیا اضافے کرے۔

"زیب! چلو جاؤ میرے کپڑے استری کرو، بہت ہو گیا انجوائے منٹ۔"

شعیب نے یوں حقارت سے کہا، جیسے وہ اس کی زرخرید لونڈی ہو۔ بلال کا خون کھول گیا، اس کے اس انداز پر مگر وہ کچھ بھی تو نہیں کہہ سکتا تھا۔

"شلوار قمیص کروں ناں؟"

زیب خود جلدی سے اس جگہ سے ہٹ جانا چاہتی تھی، وہ بلال کے سامنے ذلیل ہونا نہیں چاہتی تھی۔

"ظاہر ہے رات کے وقت میں پینٹ شرٹ پہننے سے رہا۔"

شعیب نے... کھا جانے والے اکھڑ انداز میں کہا تو زیب دروازے کی طرف بڑھی۔

"اوہو تو گویا فوٹو گرافی بھی ہوئی ہے۔ چلو فرخ تمہاری سالگرہ کی فلمی رپورٹ ہم اس کیمرے کی بدولت دیکھ لیں گے۔"

شعیب نے صوفے پر پڑا ہوا کیمرہ اٹھا کر دیکھتے ہوئے ایک طنزیہ سی نظر بلال پر ڈالی تو زیب کے قدم جہاں تھے، وہیں تھم گئے، اس لیے وہ تصویریں کھنچوانے کے خلاف تھی۔

"افسوس کہ ایسا ممکن نہیں شعیب! اس لیے کہ میں یہی کیمرہ اپنے دوست سے لینے گیا تھا، لیکن مجھے کیا خبر تھی، یہاں فرخ اپنی برتھ ڈے منا رہا ہے، میں ریل ہی ڈلوا لاتا اور اس موقع کو یادگار بنا لیتا۔"

بلال چونکہ ریل شعیب کے آنے سے قبل ہی نکال کر جیب میں رکھ چکا تھا۔ اب اس نے اتنے اعتماد اور خوبصورتی سے بات بنائی کہ زیب کا رکا ہوا سانس بحال ہو گیا۔ کیسے بروقت اس نے بات سنبھال لی تھی۔ شعیب کو بھی گویا اس کی بات پر اعتبار سا آ گیا۔

"اچھا پھپھو! میں اب چلتا ہوں۔"

"اچھا بیٹا جاؤ، خدا کی امان میں، ظہیر بھائی اور بھابی کو میرا اسلام کہنا۔"

نسیمہ بیگم خود یہ چاہتی تھیں کہ وہ اب چلا جائے۔ وہ تو اب آئندہ کے حالات کے لیے خود کو تیار کر رہی تھیں۔ شعیب کے لیے یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، جسے وہ ہضم کر جاتا۔ اچھے خاصے فساد کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ بلال کے یہاں آنے سے، اگر شعیب، بلال کو یہاں نہ دیکھ لیتا، تو یہ بات کسی کو معلوم ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ بلال ان کی عدم موجودگی میں یہاں آیا تھا۔

"کھانا بہت مزے دار تھا۔ فرخ کا گفٹ ادھار رہا اور شنذرا اس احمق لڑکی کو بھی سمجھایا کرو کہ صرف خدا سے ڈرا کرے۔ انسانوں سے نہیں، انسان کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

دروازے تک خدا حافظ کہنے کے لیے ساتھ آئی ہوئی شنذرا کو وہ سمجھا رہا تھا۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا، اپنا اپنا سا، بالکل عمیر بھیا کی طرح۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" بلال نے شنذرا کے سر پر چپت لگائی۔

"بھیا! آپ... آپ ہمیشہ کے لیے ہمارے نہیں ہو سکتے، کوئی تو ہو جو ہماری ڈھال بن کر ہمارے سامنے آ جائے اور... ہمیں ان ستمگروں سے آزاد کرائے۔"

نجانے کیوں بلال کو دیکھ کر شنذرا کو آج شدت سے عمیر بھیا کی یاد آ رہی تھی۔ وہ ہوتا تو بلال کی طرح، جوان اور مضبوط سہارا ہوتا ان لوگوں کا، تب کسی کی کیا مجال تھی کہ ان کو کچھ کہہ جائے یا یہ لوگ سسک سسک کر زندگی بسر کرتے۔

''ارے لڑکی! میں تو تمہیں بہت دلیر اور نڈر... سمجھتا تھا... انقلابی لڑکی... یہ بے بسی، یہ آنسو تمہاری آنکھوں میں اچھے نہیں لگتے اور پھر خدا سے دعا کرو کہ میں واقعی تم لوگوں کی ڈھال بن جائوں اور دل چھوٹا نہیں کرنا، آئندہ سمجھیں! تم تو بڑی آئیڈیل قسم کی لڑکی ہو۔ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے گھبرانا تمہیں زیب نہیں دیتا اور ہاں تین چار روز بعد تصویریں لے کر آئوں گا، دیکھ کر مجھے دے دینا، میں اپنے پاس رکھ لوں گا... اگر یہاں رہیں تو کبھی نہ کبھی یہ راز افشا ہو سکتا ہے اور یہ لوگ کتنے کم ظرف ہیں، اس کا اندازہ تم لوگوں کو زیادہ ہے، ٹھیک ہے ناں؟''

''جی بالکل، آپ درست کہہ رہے ہیں، آپ اپنے پاس ہی رکھئے گا، تصویریں۔ پتا نہیں کب ہمیں آزادی نصیب ہو گی۔''

''ضرور ہو گی، انشاءاللہ! سب ٹھیک ہو جائے گا، اوکے میں چلتا ہوں۔اور سنو! اس کا خیال رکھا کرو۔اس کا یوں شعیب کا حکم ماننا مجھے قطعی پسند نہیں۔'' بلال نے ناگواری سے کہا۔

''ہمیں کیا یہ سب بھاتا ہے بھیا! امی کہتی ہیں کہ یہ سائبان چھن گیا تو کہاں جائیں گے، ہمیں اس سائبان کا کرایہ اپنی غلامی کی صورت میں دینا پڑتا ہے، کیا کریں؟''

''ہاں، میں بھی اسی لیے خاموش ہوں کہ ابھی کچھ نہیں کر سکتا، اپنے پیروں پر اچھی طرح کھڑا ہو جائوں، تو زیب تو کیا، سب کو یہاں سے لے جائوں گا، اچھا خدا حافظ۔''

رات کے بارہ بجے کے قریب سب لوگ واپس آئے۔ فائزہ اور صائمہ کے منہ بنے ہوئے تھے کیونکہ بلال تو گھر سے پہلے ہی غائب تھا اور طلال کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر کسی ضروری کام کا بہانہ بنا کر جو غائب ہوا تو ان کی واپسی تک نہیں لوٹا تھا۔وہ لوگ بڑی بے مزا ہوئی تھیں۔یہ بنائو سنگھار یہ ناز و ادا سب ہی دھرا رہ گیا تھا۔

نسیمہ بیگم خوفزدہ ہو رہی تھیں۔ جانے کب بم پھٹ جائے۔ وہ شذرا کو وہاں سے لے جانا چاہتی تھیں کیونکہ اس میں برداشت کا مادہ بالکل نہیں تھا۔وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا اپنا حق سمجھتی تھی۔

وہاں سے ندا اور جمال وغیرہ ساتھ آئے تھے اور وہ ظہیر بھائی کے بچوں کے سامنے کوئی تماشا نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں۔

''یہ زیب کہاں ہے، اس سے کہو کہ چائے بنائے، سب تھکے ہوئے ہیں۔''

آسیہ بیگم تخت پر پان دان سامنے رکھ کر یوں تھکے ہوئے لہجے میں بولیں، گویا پیدل چل کر آئی ہوں۔

''میں بناتی ہوں، بھابی جان چائے سب ہی پیئیں گے ناں؟''

نسیمہ بیگم جانتی تھیں کہ زیب کپڑے استری کر کے جا کر لیٹ گئی ہو گی۔اس لیے فوراً کچن میں آ گئیں۔

اوہو! برتن ابھی تک گندے پڑے ہیں۔ زاہدہ یا آسیہ بھابی ادھر آ گئیں تو کتنا بولیں گی۔'' وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر جلدی سے باہر آئیں تا کہ صدف

شذرا کو برتن دھونے کا کہیں، ورنہ تو ہنگامہ کر دیں گی یہ دونوں خواتین۔
''ارے بھئی، تم لوگوں نے فرخ کو ہیپی برتھ ڈے نہیں کہا۔''
ہال میں سب موجود تھے اور شعیب کہہ رہا تھا۔
نسیمہ بیگم کے قدم دروازے کی دہلیز کے باہر ہی رک گئے، جس ہنگامے سے وہ خوفزدہ ہو رہی تھیں، اس کی ابتدا ہو گئی تھی۔
''اوہو! تو کیا آج فرخ میاں کی برتھ ڈے تھی اور ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی کہ دنیا کی سب سے بڑی فسادی کے برادر عزیز کی سالگرہ ہے۔''
اسد نے چبھتی ہوئی نظروں سے شذرا کو دیکھا۔ وہ اس واقعے کے بعد اس سے خصوصی عناد رکھنے لگا تھا۔
''ہونہہ! یہ بہت خاص بات تھی۔ دنیا کے سب سے بڑے حاسدی اور اہم لوگوں کے لیے ہی یہ اہم خبر تھی۔'' شذرا نے بھی زہر میں بجھا تیر اس کی طرف اچھالا۔
''ہاں اور وہ اہم لوگ اس آج کی ارینج سالگرہ پارٹی کے گیسٹ آف آنر تھے۔ مستقبل کے سول انجینئر بلال ظہیر۔''
''کیا... کیا بلال یہاں تھے۔ آنٹی تو کہہ رہی تھیں کہ اپنے کسی دوست کے ہاں گئے ہیں۔'' صائمہ کو گویا کرنٹ لگا۔ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔
''ہاں، یہاں بھی تو ان کے دوست ہی ہیں، دشمن تو نہیں۔ ان ہی دوستوں کا کہا ہو گا ناں۔''
شعیب بڑے برے انداز میں بات کر رہا تھا۔
نسیمہ بیگم وہاں سے ہٹ گئیں۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں شذرا جھگڑا نہ کر دے۔
''ہوں تو پھر طلال بھی یقیناً یہیں ہوں گے، ابھی امی کو بتاتی ہوں۔''
فائزہ بھی طیش میں کھڑی ہو گئی، مگر شوبی نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔
''نہیں بھئی، ان گناہ گار آنکھوں نے صرف بلال صاحب کو دیکھا ہے، طلال کو نہیں۔''
اور بات کوئی معمولی نہ تھی کہ دب جاتی یا ختم ہو جاتی، ویسے تو شاید اتنی اہمیت نہ رکھتی یہ بات، مگر ساری گڑبڑ بلال کے آنے سے ہو گئی تھی کیونکہ ان سب کے لیے نہ فرخ اہم تھا نہ اس کی برتھ ڈے اور یوں چوری چھپے سالگرہ منانے کی خطا بھی معاف ہو سکتی تھی مگر اہم بات اور سنگین جرم... تو بلال کی آمد تھی اور سب چھوٹے بڑے اس بات پر متفق تھے کہ بلال کو پہلے سے پتا تھا اور یہ سالگرہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت منائی گئی ہے اور بلال کو باقاعدہ مدعو کیا گیا ہے۔
''یہ نسیمہ تو ہے ہی جادوگرنی۔ جانے کیا ہے اس کے پاس کہ جس مرد کو چاہتی ہے اپنا بنا لیتی ہے... بیٹیوں میں بھی وہی گر ہیں۔ بتاؤ بھلا، کوئی تک ہے کہ گھر بھرا ہوا ہے مہمانوں سے اور بلال میاں یہاں ہیں۔ نہیں بھابی جان! ہمیں اس بارے میں کوئی قدم اٹھانا پڑے گا ورنہ تو یہ ہماری اور ہمارے بچوں کی خوشیوں کو نگل جائے گی۔
زاہدہ بیگم کے تو تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی یہ جان کر...

"ہاں، سوچ میں تو میں بھی پڑ گئی ہوں۔ ارے بابا اس عورت میں تو واقعی جادو ہے۔ دیکھو ناں، ظہیر بھائی ابھی تک اس کے عشق میں روز اول کی طرح مبتلا ہیں، تو بیٹیوں کو بھی تو وہی تربیت دے گی ناں، مگر کریں کیا۔ گھر کے سارے مرد تو جان دیتے ہیں اس پر اور اس کے بچوں پر۔" آسیہ بیگم اپنے شوہر کی طرف سے مایوس تھیں، کیونکہ وہ بیوہ بہن کے خلاف ایک بات سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔

"خیر بھابی، یہ بات نہ کریں۔ میرے مشتاق اور فیاض تو ایسے نہیں، جو بات کروں فوراً اعتبار کر لیتے ہیں۔ وہ دونوں بھی ان کو رکھنے کے حق میں نہیں، مگر کہاں دھکا دیں ان کو۔ اب تو لڑکیاں بھی جوان ہو گئی ہیں اور لڑکیاں بھی ایسی کہ خدا کی پناہ اور یہ جو طوفان ہے ناں شذرا! یہ تو دیکھنا، دن میں تارے نہ دکھائے ماں کو تو کہنا، ابھی تو اسے باہر نکلنے کا موقع نہیں مل رہا۔ ادھر باہر نکلی تو ادھر ناک کٹوائے گی خاندان بھر کی۔"

"توبہ ہے اس نسیمہ پر۔ اوپر سے کیسی معصوم اور مظلوم بنی رہتی ہے۔"

ہونہہ بھابی جان! میسنی ہے پوری، مجھے تو طلال اور بلال کی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ ظہیر تو پہلے ہی نسیمہ کے دیوانے ہیں، لڑکے بھی اس کی لڑکیوں کے دیوانہ ہو گئے، تو ہم کہاں جائیں گے بھلا؟"

دونوں دیورانی اور جیٹھانی نند اور نند کی بیٹیوں سے خوفزدہ بیٹھی زہر اگل رہی تھیں، لیکن شاید وہ اس حقیقت سے ناآشنا تھیں کہ جن کا کوئی نہیں ہوتا، ان کا خدا... ہوتا ہے۔ اب بات کا دائرہ بچوں اور عورتوں سے پھیل کر مردوں تک جا پہنچا۔

"نسیمہ باجی! آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا؟ مشتاق احمد نے بڑی بہن کو گھور کر یوں دیکھا گویا انہوں نے جانے کیا کر دیا ہے۔"

"مشتاق! میرے بھائی! یہ۔ یہ ان لڑکیوں نے ایسا کیا ورنہ میں کب ایسا چاہتی تھی۔" وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بن گئیں۔

"حد ہوتی ہے نسیمہ! اب ٹھیک ہے، ظہیر بھیا میرے بھائی ہیں۔ بلال کوئی غیر نہیں مگر پھر بھی سو پردے ہوتے ہیں، انسان کے، تم نے یوں چوری چھپے فرخ کی سالگرہ ارینج کر ڈالی اور بلال کو بلا لیا۔" اس بے بنیاد الزام پر نسیمہ بیگم ماہی بے آب کی طرح تڑپ کر رہ گئیں۔

"نہیں بھائی جان! خدا گواہ ہے، یہ پروگرام لڑکیوں نے اچانک ہی بنا لیا۔ بلال تو اتفاقاً آ گیا ورنہ میری کیا مجال یا حیثیت کہ یہ سب کروں یا بلال کو بلاؤں۔"

نسیمہ بیگم نیچے قالین پر گر سی گئیں، اس کے اپنے ہی چھوٹے بڑے ان کو یوں مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے، گویا انہوں نے واقعی جانے ایسا کون سا گناہ کر دیا ہے جس کی کوئی معافی، کوئی توبہ نہیں۔

"یہ تو اور بھی بری بات ہے باجی کہ جیسے ہی ہم لوگ نکلے آپ لوگوں نے پروگرام شروع کر دیا۔ اچانک بلال نے آکر دیکھا ہوگا تو کیا رائے قائم کی ہوگی، ہمارے بارے میں کہ ہم لوگ اتنے ہی برے ہیں اور آپ لوگوں کو کچھ نہیں دیتے کہ آپ ہماری عدم موجودگی میں سالگرہ مناتی پھریں۔ اب کل کو ہم نے بلال اور طلال کو اپنی بیٹیاں دینی ہیں، کیا سوچیں گے وہ لوگ۔"

مشتاق احمد نے منہ بناتے ہوئے کہا اور زاہدہ بیگم نے سر ہلا کر شوہر کی تائید کی۔

''ضرور میرے بھائی ضرور۔ بلال اور طلال کو بیٹیاں دو۔ تم لوگوں کی اولاد میری اپنی ہے۔ میں ان کی خوشیوں کے لیے دعا کرتی ہوں۔ بھائی مگر خدا کے لیے مجھے اور میری بیٹیوں کو غلط نہ سمجھو۔'' نسیمہ بیگم نے ملتجیانہ لہجے میں کہا تو فیاض ایک تیز نگاہ ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

''گستاخی معاف باجی! آپ کی بیٹیاں بہت تیز ہو گئی ہیں۔ خصوصاً شذرا۔ آپ خود سمجھالیں گی یا میں اپنے انداز میں سمجھاؤں۔ ان لوگوں کو کیونکہ بد تمیزی میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

یہ فیاض تھے جنہیں نسیمہ بیگم نے گودوں کھلایا تھا۔ کتنے ناز نخرے وہ اٹھایا کرتی تھیں ان کے، آج وقت نے ان کے در پر لا پھینکا تو کتنی بے وقعت ہو گئی تھیں۔ وہ اور ان کی بیٹیاں جن کو اوور اور تیز کہہ رہے تھے اور اپنے انداز میں سمجھانے کو کہہ رہے تھے۔''

''ٹھیک ہے بھیا! وقت اسی کا ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں اس کی لگام ہو، اور میرے ہاتھ سے یہ لگام چھوٹ چکی ہے۔ جو تم لوگوں کے جی میں آئے کرو، میں لب نہ کھولوں گی۔''

نسیمہ بیگم ٹیسوں کو دباتی وہاں سے اٹھ کر آ گئیں۔

''شذرا! صدف! فرخ! چلو بیٹا، رات بہت ہو گئی۔ سو جاؤ آ کر۔'' اب ہال کمرے میں صوفے بچھے ہی رہ گئے تھے۔ شذرا صدف اور فرخ بھی۔ موجو تھے، نسیمہ بیگم نے جیسے ہی کہا، تینوں کھڑے ہو گئے۔

''ارے نہیں پھوپھو! آپ آرام کریں جا کر آج ہمارا پروگرام رت جگے کا ہے، خوب انجوائے کرنے کا موڈ ہے۔ آپ آرام کریں، ان لوگوں کو یہیں رہنے دیں۔''

جمال اور ندا نے بڑھ کر شذرا اور صدف کو روک لیا تو ایک آہ نسیمہ بیگم کے لبوں پر آ گئی۔

''خوش رہو بیٹا! خوشیاں تم لوگوں کا ہی مقدر ہیں۔ ہمیں تو یہ راس ہی نہیں آتیں تھوڑا سا ہنس لیں تو اتنا رونا پڑتا ہے کہ۔''

''پھپھو پلیز، ان دونوں کو یہیں رہنے دیں۔''

ندا نے ضد کی تو وہ واپس آ گئیں مگر ان کو شذرا کی طرف سے دھڑکا ہی لگا رہا کہ کہیں اسد کے ساتھ الجھ نہ پڑے۔

''ہاں تو ساتھیو! آج ہم یہاں جمع ہیں۔ ہم سارے کزنز مل کر رت جگا منائیں گے اور بغیر کسی دنگا فساد کے خوب انجوائے کریں گے۔ شذرا اور اسد خاص طور پر اس ہدایت پر عمل کریں گے۔'' منیب نے بلند آواز میں بولتے ہوئے اسد اور شذرا کو خاص طور سے مخاطب کیا۔ ''او کم آن موبی یار۔ کیا بے تکی بات کی ہے، ہم اسٹینڈرڈ کے لوگوں سے دشمنی اور دوستی رکھتے ہیں۔ ان چھوٹے کیڑے مکوڑوں سے کیا دوستی کیا دشمنی!'' اسد نے حقارت بھری نظروں سے شذرا کو دیکھا۔

''شاید موصوف نہیں جانتے کہ بھاری بھر کم اسٹینڈرڈ رکھنے والا ہاتھی بے وقعت سی بے حیثیت سی چیونٹی کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔''

''بھئی یہ فضول ہے شذرا، اسد''

''اوبجیکشن پلیز جمال میرا نام شذرا کے ساتھ نہیں لیا جائے، میں قطعی پسند نہیں کرتا اس بات کو۔''

جمال نے جیسے ہی شذرا، اسد کہا۔ اسد ہاتھ اٹھا کر احتجاجاً کھڑا ہو گیا۔

''میں بھی اپنے نام کی توہین برداشت نہیں کروں گی۔ کہ اس کے نام کے ساتھ میرا نام لیا جائے۔'' شذرا نے بھی اسی نفرت اور حقارت سے کہا۔

''سوچ لو، دونوں کہیں ایسا نہ ہو ایک وقت ایسا آئے کہ دونوں ایک دوسرے کے نام کے ساتھ نام لینا خوش نصیبی سمجھو۔''

منیب نے شوخ نظروں سے شذرا اور اسد کو دیکھا۔

''خدا نہ کرے۔'' دونوں بیک زبان بولے۔

''تو چلو بھئی۔ ہم لوگ اپنی نیند کیوں خراب کر رہے ہیں۔ جب کسی میں بھی برداشت نہیں تو ہم یہاں جمع کس لیے ہوئے ہیں یار اسد اسی تماشے کو دکھانے کے لیے تم یہاں لائے تھے۔'' جمال اور ندا سب سے خفا ہو کر الگ بیٹھ گئے۔ اسد کو احساس ہوا تو اس نے اپنا موڈ بحال کر لیا۔

''اوکے ساتھیو! آج ہم خوب انجوائے کریں گے اور کل تم سب کو میں اپنے پاس ہونے اور میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کی... ٹریٹ دوں گا، کسی بھی اچھے سے ہوٹل میں۔''

''ہپ ہپ ہرے، ہپ ہپ ہرے۔''

جیسے ہی اسد نے یہ کہا، ہال کمرہ خوشی کی تالیوں اور نعروں سے گونج اٹھا۔

''ارے ہاں دوستو ہماری ڈیئر کزن شذرا مراد بھی تو پاس ہوئی ہیں، کیا ہوا جو میڈیکل میں بوجہ... نالائقی ایڈمیشن نہیں مل سکا مگر پاس تو ہوئی ہیں ناں۔ اس لیے ہم ان سے بھی ٹریٹ لیں گے۔ پرسوں ہم شذرا کے مہمان ہوں گے کسی اچھے سے ہوٹل میں۔ کیوں شذرا! دو گی ناں ہمیں ٹریٹ۔''

اسد اپنی بدتمیزی سے کب باز آ سکتا تھا۔ وہ شوخی سے شذرا کی طرف جھکا تو اس کا جی چاہا ایک ہاتھ جڑ دے مگر اب اسے خود پر بہت کنٹرول کرنا پڑتا تھا۔

''ہاں، میں ٹریٹ دوں گی، لیکن صرف تمہیں، وہ بھی قبرستان میں، آئو گے ناں۔''

شذرا کے اگر ہاتھ بے بس تھے بندھے ہوئے تھے، مگر لفظوں کے تیر تو آزاد تھے۔ اور یہ ہی اچھال کر وہ کچھ مطمئن ہو جایا کرتی تھیں۔ اسد چاہتا تو اس بات کا جواب ایسا دیتا کہ سارا گھر جمع ہو جاتا مگر وہ بھی کنٹرول میں آ گیا۔ یوں تو اسے سب گھر والوں کی سپورٹ حاصل تھی اور اجازت بھی، جتنا چاہے برا سلوک کر سکتے ہو، ٹکڑوں پر پلنے والی پھپھو کی بیٹیوں سے مگر جانے کیوں اسے پھپھو کا خیال آ جاتا تھا۔ سو اب بھی ان ہی کا خیال کر کے وہ چپ کر گیا۔

☆...☆...☆

آزاد قید خانے کے مقید پنچھی نے قید خانے سے رہائی کے لیے جو سرنگ نکالی تھی۔ وہ بیگم جان کے گھر جا کر ختم ہوئی تھی جہاں بیگم جان کی منہ بولی یا سگی بلے پالک حسین بیٹی نے استقبال کیا تھا۔ اس سحر خیز حسن اور ادائوں نے نبیل کو مبہوت سا کر دیا۔ وہ اس کے حسن اور ناز و انداز میں کھو سا گیا۔ بیٹی کے ناز و ادا اور ماں کی محبت نے نبیل احمد کو دیوانہ کر دیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اتنی زندگی جوان سے دور رہا، وہ زندگی اکارت گئی۔

''یار امجد! اس سے قبل تم مجھے اس جنت میں کیوں نہ لائے، میں ویران اور بور زندگی گزارتا رہا۔'' نبیل احمد نے آہستگی سے امجد سے شکوہ کیا۔

''چلو۔ دیر آید درست آید اور دیکھو، بیگم جان کے ساتھ اس دیوانگی کا ہرگز اظہار نہ کرتا۔ وہ قیمت ہی دیوانگی کی لگاتی ہے۔ اس کے سامنے نارمل رہنے کی

کوشش کرنا ویسے میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا کہ کسی حسین کی ایک جھلک ہی۔"

امجد ان سارے مراحل سے گزر چکا تھا۔ اس لیے اسے سمجھا رہا تھا۔

"یار امجد! تم نہیں جانتے کہ میری زندگی کتنی ویران، کیسی خشک ہے، کسی تپتے صحرا کی مانند اور مہوش پھر کیوں نہیں آئی۔ بس دس پندرہ منٹ بیٹھی تھی ہمارے پاس۔"

"یہ آپ کی دیوانگی ہے جناب ورنہ مہوش پورا ایک گھنٹہ اداؤں کے خزانے لٹاتی رہی ہے۔ تمہیں صرف دس پندرہ منٹ لگ رہے ہیں۔ اچھا اب سنبھل کر بیگم جان آرہی ہے۔

ڑی ہوشیار اور مکار عورت ہے۔ سنبھل کر قدم رکھنا۔ اس دلدل میں۔ ٹھیک ہے میں نے تمہاری بوریت دور کرنے کے لیے تمہیں یہ راستہ ضرور دکھایا ہے مگر ایک مخلص دوست کی حیثیت سے نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتا ہوں۔ سنبھل کر قدم اٹھانا۔

امجد تو ہر لحاظ سے دوستی نبھا رہا تھا۔ سمجھا رہا تھا مگر نبیل کچھ نہیں سن رہا تھا۔ اس کے لیے یہ سب بہت نیا اور دلکش تھا۔ اتنا دلفریب کہ وہ اس فریب سے نکلنا نہیں چاہتا تھا؟ اب اسی لیے وہ امجد کی کسی بات پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔

"ارے نبیل صاحب، آپ تو پہلی بار ہمارے ہاں آئے ہیں، بوریت تو نہیں ہو رہی۔" زیورات زرق برق لباس اور گہرے میک اپ میں پچاس پچپن کی بیگم جان خاصی دلکش تھی اور ادائیں تو لڑکیوں والی دکھاتی تھی۔

"ارے نہیں بیگم جان! آپ میزبان ہوں اور مہمان بور ہو، یہ کہاں لکھا ہے بھلا۔ یہ مہوش تو پھر نظر ہی نہیں آئیں۔"

امجد نبیل کے خیال سے مہوش کا پوچھ رہا تھا۔ جس کی نگاہیں بار بار دروازے کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ نبیل خوش ہو گیا کہ امجد نے اس کے جذبات کی ترجمانی کر دی۔

"ہاں، وہ بس چلی گئی، لیٹ گئی جا کر، نازک بہت ہے ناں، ذرا باتیں کر لے تو تھک جاتی ہے۔ ابھی میں اسے سیب کا جوس دے کر آئی ہوں، بہت نازوں سے پالا ہے میں نے اسے، یہ میری اپنی بیٹی تو نہیں مگر اپنی سی اولاد سے بڑھ کر نخرے اٹھائے ہیں اس کے۔ بس چاہتی ہوں کہ ارے نبیل میاں، آپ نے یہ کباب تو لیے ہی نہیں، رات وشی کا، میں مہوش کو وشی کہتی ہوں، موڈ اچھا تھا اور پھر امجد میاں کا فون آ گیا کہ آپ کل ان کے ساتھ آ رہے ہیں۔ تو وشی نے خود یہ کباب بنا ڈالے۔ تب ہی تو آج تھکی تھکی سی ہے۔ میں تو کچن کا کوئی کام اس سے نہیں کراتی۔ ہاتھ خراب ہو جاتے ہیں۔ میری بیٹی کے، رنگت پر اثر پڑتا ہے اور میں اپنی بیٹیوں کے رنگ روپ پر بہت زیادہ توجہ دیتی ہوں۔"

بیگم جان نان اسٹاپ بولے جا رہی تھی۔

"اچھا تو پھر بیگم جان اب ہمیں اجازت ہے ناں۔" امجد نے نبیل پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی امجد میاں! ورنہ تم تو جانتے ہو کہ اس جگہ مہمان آتا بھی اپنی مرضی سے ہے اور جاتا بھی اپنی مرضی سے ہے، بابا! ہم کوئی گناہ اپنے سر نہیں لیتے ویسے میں امید کرتی ہوں کہ اب نبیل بیٹا آتے جاتے رہیں گے کیونکہ نبیل بیٹا! میں درست کہہ رہی ہوں ناں۔" مصنوعی لٹ سے کھیلتے

ہوئے بیگم جان نے اک ادا سے نبیل کی طرف دیکھا تو وہ گڑبڑا گیا۔

''جی۔جی ہاں، کیوں نہیں روز آیا کروں گا بلکہ یہیں رہوں گا۔''

وہ بوکھلاہٹ میں وہ بھی کہہ گیا، جو نہیں کہنا چاہئے تھا۔ امجد نے گھور کر اسے دیکھا۔

''ارے امجد بیٹا! اسے مت گھورو۔ اچھا لگا ہے بھولا بھالا سا بچہ مجھے اور اس کی معصوم حرکتیں اور باتیں کتنی اچھی ہیں، لگتا ہے، دنیا دیکھنے پہلی بار نکلا ہے۔''

بیگم جان بڑی خوش ہو رہی تھی نبیل کو دیکھ کر، اس سے مل کر، اس سے بیگم جان کو بہت سی امیدیں وابستہ ہو گئی تھیں۔

''جی ہاں، یہ ہی سمجھئے۔ یہ ابھی تک ماں کی گود میں ہمکنے والا بچہ ہے۔ اسے تو انگلی پکڑ کر چلنا سکھانا پڑے گا آپ کو۔ امجد نے قدرے برہمی سے کہا۔

''ارے چند اتو سکھا لیں گے چلنا بھی۔ یہ اگر بچہ ہے تو کیا ہوا ہم تو سمجھدار ہیں۔ بڑے ہیں، بزرگ ہیں اس کے۔ ہم نہیں سکھائیں گے تو اور کون سکھائے گا۔ بھلا نبیل بیٹا میں آنٹی ہوں تمہاری، یہ تمہارا اپنا گھر ہے جب دل گھبرائے تو آ جایا کرو، کوئی پابندی یا رکاوٹ نہیں ہے تم پر۔ تم بلا اجازت آ جایا کرو۔

بیگم جان اٹھ کر نبیل کے صوفے پر اس کے قریب آ کر پیار سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''واہ بیگم جان! اتنا عرصہ ہو گیا آپ کے ہاں آتے ہوئے مگر میں نے آپ کو آج تک کسی پر اتنا مہربان ہوتے نہیں دیکھا۔'' امجد نے مسکرا کر بیگم جان کو دیکھا۔ جو بڑی وارفتگی سے نبیل کو دیکھ رہی تھی۔

''اور میں نے بھی اتنا پیارا اور بھولا بھالا سا بچہ نہیں دیکھا۔ اگلے ماہ وشی کی سالگرہ ہے میں تم دونوں کو ایک ماہ قبل ہی انوائٹ کر رہی ہوں۔ یہ نہ ہو عین وقت پر بہانے بنالو۔ آئو گے ناں؟''

''جی ہاں، کیوں نہیں ضرور آئیں گے۔'' نبیل نے ایسے کہا جیسے کہنا چاہ رہا ہو کہ ہم ابھی سے آجاتے ہیں۔

''ہم وشی کی برتھ ڈے بھول سکتے ہیں بھلا۔ بیگم جان اب تو اجازت دیں۔ نیند آ رہی ہے زبردست۔ ایک بج رہا ہے۔ مجھے تو خیر چور دروازے سے گھر میں گھسنے کی اچھی خاصی پریکٹس ہو چکی ہے۔ نبیل کچا ہے پہلا دن ہے پکڑا نہ جائے چلو میاں اٹھو اب۔''

امجد نے نبیل کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ امجد کا اندازہ درست تھا۔ اسے تو کوئی طریقہ ہی نہیں آتا تھا۔ اندر جانے کا بڑے چھوٹے تمام گیٹ بند تھے۔ اب تو چوکیدار اپنی کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس نے باہر سے جائزہ لیا۔ فاطمہ باجی کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی جس کا مطلب تھا وہ اس کے انتظار میں جاگ رہی ہیں۔ جانے کیا بہانا بنایا ہو گا۔ ممی، پپا کے سامنے جو وہ لوگ یوں مطمئن ہو کر سو رہے ہیں۔ اسے یقین تھا کہ فاطمہ نے کوئی جاندار سا بہانا بنایا ہو گا، تب وہ لوگ سو رہے ہیں۔

''اب رات کہاں بسر کی جائے؟'' نبیل اب پریشان ہونے لگا تھا کیونکہ محلے کا چوکیدار اسے مشکوک انداز میں گھور رہا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ کون ہے۔

''چلو نبیل میاں، آج فضل کے مہمان بنتے ہیں۔'' بہت سوچ کر وہ فضل ڈرائیور کے کوارٹر کی طرف آ گیا۔ ملازم تو ہر وقت مالک کا غلام رہتا ہے۔ فضل کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ وہ اس وقت آیا۔ پریشانی اس بات کی تھی کہ اسے کہاں سلائے اور اگر صاحب کو خبر ہو گئی۔

''چھوٹے صاحب! میں تو ہر طرح کی خدمت کے لیے حاضر ہوں، کہیں تو چوکیدار سے گیٹ کھلوادوں۔ ہم دونوں میں یہ بات رہے گی۔ بڑے صاحب کو کبھی خبر نہیں ہو گی۔''

وفادار ملازم نے اپنی خدمات حاضر کر دیں تو نبیل متاثر ہو گیا۔

''نہیں فضل شکریہ! ایک گیٹ کھل بھی گیا تو کیا ہو گا۔ میرے کمرے تک کئی گیٹ دروازے ہیں۔ جو تمہیں معلوم ہے کہ رات دس بجے ہی لاکڈ ہو جاتے ہیں۔ دس بجے کے بعد آنے والے کو تفتیشی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اب تو ڈیڑھ بج رہا ہے۔''

''تو پھر صاحب! میرا بستر جیسا بھی ہے، حاضر ہے سو جایئے، میں بڑے صاحب کے اٹھنے سے قبل آپ کو جگادوں گا۔ آپ اندر چلے جایئے گا۔''

فضل نے اندر اس کے لیے اپنا بستر لگا دیا جو اس کے پاس میسر تھا دے دیا۔

''اور تم کہاں سوئو گے فضل؟'' بستر پر لیٹ کر نبیل کو اس کا خیال آیا۔

''ارے چھوٹے صاحب! آپ میری فکر نہ کریں۔ اللہ پاک نے ہم غریبوں کو اتنی صلاحیت عطا کر رکھی ہے کہ ہر قسم کے حالات سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ گزر کر لیتے ہیں۔ تب ہی تو زندہ رہتے ہیں آپ بے فکر ہو کر سو جائیں، میں چوکیدار خان بابا کے کوارٹر میں چلا جاتا ہوں۔''

فضل نے اپنا کھیس اٹھایا اور خان بابا کی طرف آگیا جو اب ٹہل رہا تھا۔

''ارے فضل داد خانہ خراب تم سوئی نئیں اے۔'' خان بابا ڈنڈا لے کر اس کی طرف بڑھا۔ جواب میں فضل نے ساری بات اسے بتادی۔

''فضل یارا! مارا جوانی یہاں گزرا۔ اب بڑھاپا آرہا ہے مگر ام اس صاب بیگم صاب کو اور ان کے طریقوں کو نئیں سمجھ سکا۔ یہ کیسا آدمی ہے فاروق صیب کسی بچے کا شادی نہیں بناتا، سارا بچہ بڈھا ہو رہا ہے۔۔''

پرانے اور وفادار ملازم نہ صرف مالک کے ہمراز ہوتے ہیں بلکہ ان کے بارے میں نرم گوشہ بھی رکھتے ہیں اور ان کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں۔ خان بابا سب جانتا تھا۔ فاروق صاحب کے بارے میں مگر وہ ملازم تھا کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔

''میں کون سا نیا ہوں بابا! میرے باپ نے تمام عمر اس کی ڈرائیوری کی۔ اب میں کر رہا ہوں۔ کیا کچھ نہیں معلوم مگر کیا کریں، صاحب کو تو بس دولت عزیز ہے، شاید تب ہی کسی کی شادی نہیں کرتے۔ حد تک تو یہ ہے کہ بیگم صاحبہ بھی صاحب کے ساتھ ملی ہوئی ہیں ان کو سمجھاتی نہیں کہ لڑکیوں کی شادی کریں فاطمہ بی بی تو بس۔''

''ارے یارا! فاطمہ بی بی تو خدا قسم بالکل فرشتہ کی مانند ہے۔ خانہ خراب کے بچے نے بیڑا غرق کر دیا اتنی اچھی لڑکیوں کا۔ دولت کا ایسا لالچی باپ ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ لعنت ہے ایسی دولت پر یارا! جو اولاد کی خوشیاں نہ خرید سکے۔ خدا قسم ام کو بڑا دکھ ہوتا ہے۔ یہ امارا بیٹی... ہوتا تو اُدر امارا وطن میں لڑکا ذرا بڑا ہوتا ہے تو اس کی شادی بنادیتا ہے مگر ادر شہر میں تو امارا سمجھ میں نئیں آتا کہ کیا ہو گا۔ اللہ پاک ایسے باپ کو کیسے معاف کرے گا۔ توبہ توبہ''!

خان بابا نے کانوں کو ہاتھ لگائے، اپنے اپنے کمروں میں سکون اور بے فکری کی نیند سوتے ہوئے فاروق احمد اور بیگم فاروق سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے ملازم ان کا نمک کھانے والے کیسی کیسی باتیں بنا رہے ہیں۔ مگر فاروق احمد اور بیگم فاروق کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو صرف اپنے آپ کو، اپنی سوچ

کو اہمیت دیتے ہیں۔ زمانہ خواہ کچھ کہتا رہے پروا نہیں کرتے۔

"دولت ہی تو ساری فساد کی جڑ ہے بابا! یاد ہے ایک بار آمنہ بی بی کی بات کہیں ٹھہر گئی تھی۔ مگر وہ کم بخت بھی ان ہی کی طرح دولت کے پجاری نکلے۔ شادی سے پہلے بولنے لگے کہ ہمیں جائیداد میں لڑکی کا حصہ چاہئے اور اپنے صاحب کی تو جان ہے دولت جائیداد میں۔ جھٹ انکار کر دیا۔ لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکوں کی شادی نہیں کرتا، یہ لالچی انسان۔ میرا ایک چاچا بڑے راحیل بھیا کی عمر کا ہے اس کے بچے جوان ہیں۔ ویسے خان بابا ایک بات ہے صاحب کے بچے سارے شریف ہیں، ورنہ اتنے دولت مندوں کے بچے تو اس قدر

سوچنے کی نہ بھائیوں کو فرصت تھی نہ والدین نے ضرورت محسوس کی تھی۔

فرحانہ کی مایوں مہندی تھی اور رومانہ نے کئی بار ملازم کو بھیجا۔ فاطمہ وغیرہ کو بلالائے سجیلہ تو روز ہی فرحانہ کے ہاں جا رہی تھی۔ اسے شادی کے ہنگامے بہت اچھے لگتے تھے۔ شادی والا گھر کتنا اچھا لگتا تھا۔ ہر کوئی خوش اور مطمئن تھا ہر کسی کے چہرے پر خوشیوں کی بارات اتری ہوئی تھی۔ ایسے میں ان کا کتنا دل چاہتا کہ ان کے گھر میں بھی کسی کی شادی ہو، کسی کی ڈولی اٹھے، کوئی دلہن لے کر آئے۔ خوشیوں کے شادیانے بجیں تو کتنا مزا آئے مگر یہاں تو ارمان حسرتوں میں بدل چکے تھے، مگر کوئی خوشی ان کے گھر کی دہلیز پار نہیں کر پائی تھی، کتنے مصروف تھے سب لوگ فرحانہ کتنی خوش تھی۔ شرمائی لجائی سی، ہونٹوں پر خوشیوں بھری مسکراہٹ لیے آنکھوں میں آنے والے حسین دنوں کے خواب سجائے معمولی سے نقوش رکھنے والی فرحانہ اسے دنیا کی حسین ترین لڑکی لگ رہی تھی۔ شاید ساری لڑکیاں ہی ایسی حسین لگتی ہیں جن کی شادی ہو رہی ہوتی ہے۔

میرے نیہرے آج مجھے آیا یہ پیلا جوڑا یہ ہری ہری چوڑیاں

ڈھولک پر بیٹھی لڑکیاں چیخ چیخ کر گا رہی تھیں۔ اور پیلے قدرے میلے جوڑے میں جس پر بڑے ارمانوں سے گوٹا لگایا تھا وہ شرما رہی تھی، سجل کے لیے یہ سب تکلیف دہ بھی تھا۔ اور اچھا بھی لگ رہا تھا۔ آمنہ اور فاطمہ بھی ایک کونے میں لگی بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر بعد آمنہ کو اس کی سہیلی... اپنے ساتھ لے گئی۔ فاطمہ ہونٹوں پر مہربان سی مسکراہٹ لیے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ مہندی کی رسم ہو رہی تھی۔ سات سہاگنیں فرحانہ کو مہندی لگا رہی تھیں۔

"ارے بھئی، آپ بھی آیئے ناں، فری کو، مہندی لگایئے۔"

جانے یہ کون... خاتون تھیں یقیناً محلے سے باہر کی ہوں گی۔ تب ہی اسے مہندی لگانے کی آفر کر دی تھی۔ فاطمہ سر تا پا لرز گئی۔ اب وہ انہیں کیسے بتاتی کہ وہ کتنی بے مراد ہے کہ جس کے اپنے ہاتھوں میں سہاگ کی مہندی نہ سج سکی۔ وہ کسی اور کو لگانے کا حق کہاں رکھتی ہے۔ ظاہر ہے اس کی عمر کی کوئی عورت بھی غیر شادی شدہ نہیں ہو سکتی، تو اسے کیسے سمجھ لیا جائے مگر وہ کیسے بتائے کہ اس کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جن کے نصیب میں ایسی خوشیاں نہیں ہوتیں۔

"کیا سوچ رہی ہیں، آپ سے کہہ رہی ہوں، آیئے ناں۔"

وہ عورت بھی جیسے اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

''مجھے رہنے دیں، آپ لگائیے پلیز۔''

فاطمہ نے بمشکل کہا اور وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ آ گئی۔ یہ سجل اور آمنہ جانے ہنگامے میں کہاں کھو گئی تھیں۔ اس عورت نے گویا سوئے ہوئے جذبوں کو جگا دیا تھا۔ ورنہ تو اس نے ان سب باتوں کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ آج پھر اس نے محرومیوں کو جگا دیا تھا۔ وہ جلدی گھر جانا چاہتی تھی۔ جانے گھر والے بھی کہاں تھے۔ کوئی بھی تو جان پہچان کا بندہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

''ارے آپ یہاں بیٹھی ہیں، آپ رومانہ کی دوست ہیں ناں۔''

میک اپ اور زیورات سے لدی پھندی عورت اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''جی میں رومانہ کی دوست ہوں، ہم بچپن کے دوست ہیں۔''

فاطمہ نے نرمی سے کہا اور شکر کیا کہ اب اس کے ذریعے وہ رومانہ کو بلا سکتی ہے۔

''جی بھابی نے بھی بتایا ہے ابھی ابھی کہ آپ ان کی دوست ہیں، لہٰذا آپ کا خاص خیال رکھا جائے۔ میں نند ہوں رومانہ بھابی کی، کیا کرتے ہیں آپ کے شوہر کتنے بچے ہیں آپ کے؟''

وہ عورت اس کے اندر ہوتی تباہ کاریوں سے بے خبر بولے چلی گئی۔

''اوہو! مسرت تم یہاں گپیں ہانک رہی ہو اور تمہارا بیٹا تمہیں ڈھونڈ رہا ہے جاؤ۔'' رومانہ جلدی سے اپنی نند کو بتاتے ہوئے آگے بڑھی، مگر فاطمہ پر نظر پڑی تو رک گئی۔

''ارے فاطمہ! تمہیں کیا ہوا، یہ رنگ کیوں اترا ہوا ہے۔''

رومانہ نے اس کا بے رنگ چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر پوچھا تو فاطمہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو روک پائی۔

مسرت کی باتیں تیر بن کر اتری تھیں دل میں۔

''کچھ نہیں رومانہ! اب میں جانا چاہتی ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''باجی! آپ کہاں، گھر چلیں جلدی سے۔''

آمنہ بوکھلائی ہوئی اندر آئی۔

☆...☆...☆

''آمنہ! خیریت تو ہے ناں؟''

فاطمہ جو توڑ پھوڑ کے عمل سے گزر رہی تھی، آمنہ کی پریشان صورت دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

''نہیں ناں، حمید آیا ہے۔ کہہ رہا ہے پپا جان کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے، جلدی چلو۔''

''اچھا! ٹھہرو... میں بے بی کو بلا لائوں۔''

فاطمہ جلدی سے اندر کی طرف بھاگی، جہاں سجل، فرحانہ کے ساتھ ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف تھی۔ اس کی خوشیوں کے رنگوں میں اپنے لیے کوئی دلکش رنگ تلاش کر رہی تھی۔

''بے بی! جلدی چلو، پپا کی طبیعت...''

''اوہو بجو! آپ تو خوامخواہ پریشان ہو جاتی ہیں بلڈ پریشر ذرا ہائی ہو گیا ہوگا، ٹھیک ہو جائیں گے۔ میں نہیں جاؤں گی، آپ کو جانا ہے تو جائیں۔''

سجل بہت بے مزا ہوئی اس کی بات پر۔ کتنی اچھی باتیں کر رہی تھیں۔ فرحانہ اور رخسانہ اسے دعا دے رہی تھیں کہ خدا تمہیں بھی ایسی خوشیاں نصیب کرے۔ وہ ابھی آمین بھی نہیں کہہ پائی تھی کہ فاطمہ آ گئی۔''

''بے بی کیسی باتیں کرتی ہو، چلو جلدی کرو پھر آ جانا، حمید بلانے آیا ہے تو خاص بات ہی ہو گی۔''

''ہونہہ! پھر آ جانا، جیسے اس قید خانے سے نکلنا اتنا ہی تو آسان ہے۔''

سجل بہت بے مزا ہو گئی تھی۔ یہ سن کر وہ بڑبڑاتی ہوئی ساتھ آ تو گئی، مگر اس کا موڈ آف رہا اور پھر فاروق صاحب کو خیریت سے دیکھ کر وہ تپ گئی۔

''آپ ٹھیک ہیں پپا جان؟'' فاطمہ اور آمنہ ایک ساتھ ان کی طرف بڑھیں۔

''آئی ایم آل رائٹ بیٹا! بس تمہاری مما پریشان ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے ہی تم لوگوں کو بلوا لیا۔''

فاروق احمد نے ان کے متفکر چہروں کو دیکھ کر کہا، تو سجل نے شکایت بھری نظروں سے مما کو دیکھا۔

''مما! کبھی تو ہمیں بھی انجوائے کرنے دیا کریں بے فکر ہو کر۔''

اسے چھوٹی ہونے کی جو رعایت حاصل تھی، وہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتی تھی۔

''کیا مطلب ہے بے بی تمہارا؟ کبھی سے کیا مراد ہے تمہاری، جتنی آرام و آسائش تم لوگوں کو حاصل ہے میرے خیال میں کسی اور کی ایسی لائف نہیں ہو گی، پھر بھی... تم لوگ تنگ ہو۔''

بیگم فاروق احمد نے سجل کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کٹیلے لہجے میں ڈانٹا تو تینوں لڑکیاں اس آرام و آسائش جیسے لفظ کو سن کر، کڑھ کر رہ گئیں۔ آمنہ کا جی چاہا کہہ دے ممی پلیز، ہمیں آسائشوں کے اس شیش محل سے آزاد کر دیں، جس میں ہم سانس بھی اتنی احتیاط سے لیتے ہیں کہ کہیں یہ شیش محل ٹوٹ نہ جائے۔

''کم آن بے بی! خفا نہیں ہوا کرتے۔ بھئی، آپ کی مما کو ہم سے بہت محبت ہے ناں، اس لیے ہماری ذرا سی تکلیف پر بے تاب ہو جاتی ہیں۔''

فاروق احمد نے شوخ نظروں سے بیگم کو دیکھا۔

''آپ تو بس بنانے میں ماہر ہیں، آمنہ! چلو کھانا لگوائو، لڑکے بھوکے پھر رہے ہیں۔''

''مگر ممی! ہمارا کھانا تو فرحانہ کے گھر ہے۔اس کی ممی نے بہت اصرار کیا تھا... ہم تو آپ کے بلانے پر دوڑے چلے آئے۔'' آمنہ نے جلدی سے یاد دلایا۔

''ہاں بیگم! آمنہ درست کہہ رہی ہے، لیکن ہم تو جا نہیں سکتے۔فاطمہ، آمنہ اور بے بی! تم لوگ جاؤ، کھانا کھا لینا،ڈاکٹر صاحب کو شکایت نہ رہے۔''

''فاروق صاحب نے جانے کی اجازت دی تو سجل خوش ہو گئی۔

''نہیں فاروق! اب یہ لوگ آ گئی ہیں،اب محض کھانے کے لیے جائیں گی تو اچھا نہیں لگے گا۔''

''جی پپا! مما درست کہہ رہی ہیں اب ہم جاتے اچھے نہیں لگتے۔ویسے بھی رسم ہو چکی ہے۔صرف کھانے کے لیے جائیں گے تو اچھا نہیں لگے گا۔''

فاطمہ تو اب وہاں قطعی جانا نہیں چاہتی تھی اور آمنہ کو بھی جانے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی،اس لیے وہ دونوں مما سے متفق ہو گئیں، پھر سجل کو تاؤ آ گیا۔

''لیکن میں جانا چاہتی ہوں... فرحانہ میرا انتظار کر رہی ہو گی۔اس نے واپس آنے کو کہا تھا،اس لیے میں جاؤں گی۔ویسے بھی وہاں شہر کا مشہور میوزیکل گروپ آ رہا ہے۔میں جاؤں ناں پپا؟''

اس نے بہنوں کو تیز نظروں سے گھورا، پھر فاروق احمد کے گلے میں لاڈ سے بانہیں ڈال کر پوچھا۔

''ہاں جاؤ، لیکن میرے خیال میں میوزیکل پروگرام ساری رات جاری رہے گا مگر بیٹا آپ کو جلدی آنا ہو گا۔جب بھی حمید آئے فوراً آ جانا۔''

''تھینک یو۔'' اس نے پپا کی پیشانی پر پیار کیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

میک اپ جو ممی کی ہدایت پر ہلکا کیا تھا،اسے درست کیا اور تیزی سے باہر آ گئی۔اس طرح کہ ممی کی نگاہ نہ پڑ جائے۔

''فاروق! اب دھیان میں رکھیے،خود ہی آپ ڈھیل دے دیتے ہیں۔جب بچے اپنی من مانی کرتے ہیں تو مجھے کوستے ہیں۔میری تربیت کو برا بھلا کہتے ہیں، جبکہ میں نے آج تک آپ کی حکم عدولی نہیں کی۔''

سجل کے جانے کے بعد بیگم فاروق نے شکوہ کر ڈالا،تو فاروق صاحب اچھے موڈ میں تھے، مسکرا دیئے۔

مگر آمنہ کو غصہ آ گیا۔جی میں آیا پوچھے کہ آپ کی اولاد نے کون سی من مانی کی ہے، کہاں گستاخی کی ہے۔

مگر وہ خاموشی سے کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

پھر اس نے وقت گزاری کے لیے فلم لگائی اور فاطمہ کو بلانے چلی آئی۔

''باجی! آئیں میں نے بڑی اچھی فلم لگائی ہے۔''

''لیکن آمنہ! میں بہت تھکن محسوس کر رہی ہوں۔سر میں بھی درد ہے۔سوری،میں اس وقت تمہیں کمپنی نہیں دے سکتی۔''

اس نے بوجھل آنکھوں سے آمنہ سے معذرت کر لی۔

"اوکے! آپ آرام کریں آنکھیں بہت بوجھل ہو رہی ہیں آپ کی۔"

آمنہ نے آہستگی سے دروازہ چھوڑا اور مڑ گئی۔

فاطمہ نے دروازہ اچھی طرح لاک کر لیا اور بستر پر گر گئی۔ اس کے اعصاب بری طرح تنے ہوئے تھے، دماغ کی رگیں پھٹ جانے کی حد تک تنی ہوئی تھیں۔

"آپ بھی مہندی لگائیے ناں۔"

"آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں؟"

"آپ کے بچے بھی بھابی کے بچوں جتنے ہوں گے۔"

لفظوں کی بازگشت کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔"

"مما... پپا! دیکھئے ہم نے آپ کی حکم عدولی نہیں کی، کبھی کچھ نہیں کہا مگر... مگر یہ دنیا والے جینے نہیں دیتے۔ قدم قدم پر ہمیں آزماتے ہیں۔ وہ عورت کہہ رہی تھی کہ میں رخسانہ کو مہندی لگادوں، بھلا میں کوئی سہاگن تھی کہ فرحانہ کے ہاتھوں میں سہاگ کی مہندی لگاتی۔ میں رومانہ کی نند کو کیسے بتاتی کہ جن خوشیوں کا وہ ذکر کر رہی ہے، وہ ہمارے نصیب میں لکھی ہی نہیں گئیں تو... تو... اللہ پاک کیوں... ستاتے ہیں لوگ نامرادوں کو... کیوں؟ کیوں؟"

اپنے کمرے کی تنہائی سے لپٹ کر روتی فاطمہ جانے کب ماضی کی گلیوں کی طرف نکل گئی۔

سجل واپس فرحانہ کے گھر آئی تو عجیب ہنگامہ بدتمیزی جاری تھا۔ خوب بنے سنورے چہرے اجلے جھلملاتے لباس کی پروا کیے بغیر ہر کوئی ایک دوسرے پر سفیدی اور ابٹن اچھال رہا تھا۔ ایسی رنگین چھیڑ چھاڑ سجل نے پہلی بار دیکھی تھی۔ کتنا مزا آرہا تھا ان سب کو دیکھ کر جو آپس میں کزنز تھے۔ شوخ جملوں کی جنگ سی جاری تھی۔ سجل کا جی چاہنے لگا۔ وہ بھی ان میں شامل ہو جائے۔ کاش ان کے گھر میں بھی خوشیوں کی برسات ہو۔ کاش ایسا ہو سکتا، مگر وہاں تو مستقل خزاں کا موسم تھا۔ وہ ہال کمرے ہی سے یہ ہنگامہ دیکھتی رہی۔ فرحانہ تک رسائی مشکل ہو رہی تھی۔

"راستہ دیجئے پلیز۔"

اس نے لڑکوں کے انتہائی شوخ گروپ کے قریب سے گزرتے ہوئے راستہ مانگا کیونکہ وہی راستہ روکے کھڑے تھے۔

"وائی ناٹ مس؟"

ایک شوخ وچنچل سراپے جس کے لمبے چوڑے وجود کے سامنے وہ گڑیا سی لگ رہی تھی، اس کی طرف پورے کا پورا گھوم گیا۔ اب وہ اس طرح کھڑا تھا کہ راستہ ہنوز رکا ہوا تھا اور وہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ سبز جھلملاتے کپڑوں اور گہرے میک اپ میں بہت اچھی لگ رہی تھی، وہ جزبز ہونے لگی۔

"پلیز!" سجل نے گویا پھر یاد دہانی کرائی کہ وہ جانا چاہتی ہے۔

"پلیز! لڑکا سینے پر ہاتھ رکھ کر شوخی سے جھکا اور اسے راستہ دے دیا۔

وہ تیزی سے فرحانہ کی طرف بڑھی۔ اس کا بھی انہوں نے حشر خراب کیا ہوا تھا۔ اس کے کزنز اور بھتیجے، بھانجے سب اس کے پاس جمع تھے۔ کوئی فرحانہ کو چھیڑ رہا تھا، کوئی تصویریں بنا رہا تھا اور کوئی لاڈ پیار سے کھلا پلا رہا تھا۔

"کتنی خوش نصیب ہو فرحانہ تم، کتنے نارمل اور خوش نصیب گھرانے میں تمہاری آنکھ کھلی ہے۔"

سجل حسرت کے ساتھ فرحانہ کو دیکھ رہی تھی۔

"فری آنٹی! ہوشیار دانی آرہا ہے۔"

ٹینا کی آواز پر فرحانہ ابھی سنبھلی بھی نہیں تھی کہ دانی نے مہندی اور ابٹن سے بھرا ہاتھ فرحانہ کے منہ پر لیپ دیا۔

"دانی کے بچے! اس کے منہ پر کیوں لگائی ہے مہندی، چہرے پر سارا رنگ آجائے گا۔"

فرحانہ کی سب سے بڑی بھابی نے دانی کو دھکا دے کر پیچھے کیا، ورنہ وہ شاید اور لگا دیتا۔

"اوہ نومی، فری آنٹی کو بھلا کسی میک اپ کی کیا ضرورت ہے۔ اتنی پیاری تو ہیں ہماری فری آنٹی کہ دولہا میاں دیکھتے ہی ڈر کر بھاگ جائیں گے۔"

دانی نے فرحانہ کو ساتھ لگایا تو اس دیو قامت جوان کے ساتھ لگی فرحانہ بالکل بچی لگی۔

"شرم کرو دانی کے بچے! لوگ کیا سوچیں گے۔"

فرحانہ نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا۔

"حد ادب فری آنٹی! میں آپ سے چھوٹا ہوں، بھتیجا ہوں تو کیا ہوا، ایک سال بڑا بھی تو ہوں... یور گڈ نیم پلیز!"

وہ فرحانہ کو ساتھ لگائے گھوما تو سجل پر نظر پڑی، جھٹ نام پوچھ لیا۔

"یہ میری دوست ہے سجل، بدتمیز لڑکے... اور سجل یہ میرے سب سے بڑے بھیا ہیں ناں جو نائیجیریا میں ہوتے ہیں ان کا بیٹا ہے، ایک سال بڑا ہے مجھ سے اور اکڑتا ایسے ہے، جیسے ایک صدی بڑا ہے۔"

فرحانہ نے عدنان اور سجل کا تعارف کرایا۔

"نائس ٹو میٹ یو۔"

عدنان نے خوش دلی سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ سجل نے بھی تھوڑا سا جھجک کر ہاتھ بڑھا دیا۔

"می ٹو۔"

"چلیے اس نئی دوستی کا جشن مناتے ہیں۔"

عدنان نے مہندی سے بھرا تھال سجل کی طرف بڑھایا۔

سجل کچھ دیر سوچتی رہی۔

پھر اس نے مہندی ہاتھ میں بھری اور عدنان کے منہ پر لیپ دی۔

عدنان جس کو کوئی بندہ مہندی نہیں لگا سکا تھا، اس لڑکی نے لگا دی تھی۔ جواباً اس نے بھی سجل کو مہندی لگانے کے لیے ہاتھ میں بھری سجل نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اور

چہرے پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس وقت وہ عدنان کو بہت اچھی لگی۔

''مس سجل! آنکھیں کھول دیں، خدا نے جس چہرے کو اتنا خوبصورت بنایا ہے، میں اسے کیسے بگاڑ سکتا ہوں؟''

عدنان نے مہندی والا ہاتھ دھو ڈالا۔

پھر سجل ان سب میں گھل مل گئی۔ اس نے محسوس کیا تھا۔ عدنان کی شوخی کا نشانہ وہ بن رہی تھی۔ سجل کے لیے یہ سب نیا تھا، اس لیے اسے اچھا لگ رہا تھا۔ کچھ دیر کے لیے وہ بھول ہی گئی تھی کہ وہ کیا ہے اور کہاں ہے۔ اس لیے وہ ابھی رکنا چاہتی تھی، مگر حمید لینے کے لیے آ گیا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ارے رکیے ناں، آپ چلی گئیں تو محفل سونی ہو جائے گی۔ پلیز رک جائیے۔ ابھی تو پروگرام شروع ہوا ہے۔ ہمارا تو رت جگے کا پروگرام ہے۔ چلیے میں خود آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آئوں گا، پرامس۔''

عدنان اٹھ کھڑا ہوا، وہ تو یقیناً جانے کو بھی تیار ہو جاتا۔

''نہیں پلیز، تھینک یو پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے، مما، پپا خفا ہوں گے۔''

جانے کو تو اس کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر اسے معلوم تھا کہ حمید آیا ہوا ہے، اس کا مطلب تھا، اسے ہر حال میں واپس چلنا ہے۔

''ارے سجل! اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔ ارے بھئی شادی کے ہنگاموں میں تو ایسا ہوتا ہی ہے، چلو میں تمہارے پپا سے بات کرتا ہوں، اجازت لے آئوں گا، رات یہاں رہنے کی۔''

عدنان اتنی سی دیر میں تمام تکلفات کی دیوار گرا چکا تھا۔ وہ تو بالکل تیار تھا، اس کے ساتھ جانے کے لیے۔ وہ اس کے ارادے دیکھ کر سر تا پا کانپ گئی اس کے ساتھ یوں جا کر آئندہ کے لیے دروازے بند کرنے ہیں آمد و رفت کے۔

''نہیں عدنان، پپا کی طبیعت بھی خراب ہے، میں اس لیے بھی جانا چاہتی ہوں۔ ویسے مجھے بھی اپنی نیند بہت عزیز ہے، کچھ بھی ہو۔''

وہ دوپٹا سنبھالتی کھڑی ہو گئی۔

''کاش! میں آپ کی نیند ہوتا۔''

عدنان نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ سجل کو ذرا بھی اچھا نہ لگا۔

"اوکے فرحانہ! میں صبح تو یونیورسٹی جاؤں گی، واپسی پر آؤں گی۔"

سجل نے جھک کر فرحانہ سے ہاتھ ملایا اور باہر آ گئی۔

عدنان گیٹ تک اس کے ساتھ آیا۔ وہ اتنے سے عرصے میں کافی حد تک فری ہو چکا تھا۔ خاصا بے باک لڑکا تھا۔

"اوکے عدنان! خدا حافظ۔"

سجل نے جلدی سے اسے خدا حافظ کہا اور باہر آ گئی۔

رات بستر پر لیٹ کر وہ ساری باتیں یاد کرتی رہی، فرحانہ کے گھر گزرا ہوا وقت بہت پر کیف تھا۔ وہ اپنے گھر میں بھی وہ مناظر دیکھنا چاہتی تھی، پھر عدنان کی باتیں یاد آ گئیں کہ گو کہ اسے عدنان برا نہیں لگا تھا، مگر اس کی صرف بے باکی پسند نہیں آئی تھی۔

"شاید ایسا ہی ہوتا ہو گا نارمل ماحول میں۔ ہمیں کیا خبر کہ نارمل زندگی کیسے بسر کی جاتی ہے۔"

پھر وہ خود ہی یہ بات سوچ کر مسکرا پڑی۔

اگلے روز اس نے حنا کو سب کچھ بتا دیا، کیونکہ وہ حنا سے کچھ بھی چھپا نہیں سکتی تھی۔

"ہوں، تو کہیں کیوپڈ کا تیر تو نہیں چل گیا؟" حنا شوخ ہو گئی۔

"اوہ نو حنا! ایسی کوئی بات نہیں، میں تو صرف یہ بتا رہی ہوں کہ وہ فرحانہ کا بھتیجا ہے اور اس سے بھی ایک سال بڑا ہے اور میرے ساتھ خواہ مخواہ ہی فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا، جانے کیوں؟"

پھر سجل کھلکھلا کر ہنس دی۔ حنا بغور اسے دیکھنے لگی۔

"تم ہو ہی ایسی چیز سجل! یوں ہی ہنستی رہا کرو، بہت اچھی لگتی ہے ہنسی تمہارے ہونٹوں پر۔"

"بنایا مت کرو، وہ دیکھو علیم الدین آ رہے ہیں، بڑے بد حواس سے لگ رہے ہیں، آؤ پتا تو کریں، معاملہ کیا ہے؟"

"ارے علیم بھیا! کیا ہوا آپ کو، خیریت تو ہے ناں"!

"اجی بھاڑ میں گیا علیم بھیا! جہاں سے گزرتا ہوں سب انگلیاں اٹھانا شروع کر دیتے ہیں، اوپر سے ان کی کھی کھی، زہر لگ رہے ہیں سب لوگ مجھے۔"

ایک تو انگلیاں اٹھنے کا خوف، اوپر سے سجل کا بھیا کہہ دینا قیامت ڈھا گیا۔

"ارے بھیا! اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھئے ناں، آپ کی صحت کے حساب سے صرف آپ پر انگلیاں ہی اٹھائی جا سکتی ہیں، پورا ہاتھ تو نہیں اٹھایا جا سکتا ناں، ویسے یہ آپ کی پشت پر کچھ چسپاں ہے۔"

سجل اور حنا نے سٹیکر پڑھا اور ہنس پڑیں۔ جس پر لکھا تھا۔

"مجھ پر انگلیاں اٹھائو، منجانب آصف گروپ۔"

"یہ... یہ تم لوگ مجھ پر انگلیاں کیوں اٹھا رہی ہو؟"

"اس لیے کہ آپ سر اظہر کے سبجیکٹ میں بڑی تیاری کے ساتھ ایک بار پھر فیل ہو گئے ہیں اور سر کا خیال ہے کہ آپ کبھی ان کو اپنے پاس ہونے کی خوشی نہیں دیں گے اور یہ کہ آپ کبھی بھی ان کے سوالات کے وہ جواب نہیں دیں گے جو کتابوں میں موجود ہیں یا جن سے وہ متفق ہوں... سر اظہر ہی نہیں تمام ٹیچرز کی آپ کے بارے میں یہ ہی رائے ہے۔"

نہلے پہ دہلا یہ ہوا کہ علیم الدین کے ایک کلاس فیلو نے رزلٹ کے بارے میں بتا کر ہمت توڑ دی تھی۔

"یہ... یہ زیادتی ہے ٹیچرز کی۔ میں دن رات ایک کر دیتا ہوں، پڑھائی میں اور ٹیچرز کے مزاج ہی نہیں ملتے ہیں... میں احتجاج کروں گا اس ناانصافی پر۔"

علیم الدین نے آستینیں اوپر چڑھائیں۔

"نہ... نہ علیم الدین بھائی نظر لگ جائے گی، دیا سلائیوں کو۔"

ساجد نے آگے بڑھ کر علیم الدین کی آستینیں نیچے کر دیں۔

مگر اس وقت وہ تپے ہوئے تھے۔ جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئے۔ ان کو اپنی رات رات کی محنت رائیگاں جانے کا دکھ تھا۔

"مت کرو ساجد! یہ ہے تو زیادتی کہ علیم بھیا اتنی جان توڑ محنت کریں اور ٹیچرز ان کو بلا حیل و حجت فیل کر دیں۔ یہ تو زیادتی ہے ناں، وہ آخر کتنی صدیوں تک یونیورسٹی میں رہیں گے۔ ویسے شکیل بھائی وجہ کیا ہے ان کے فیل ہونے یا یوں کہہ لیں کہ ٹیچرز کے فیل کرنے کی۔"

"بھئی یہ وجہ ہے کہ اگر ان سے ان کا نام پوچھا جائے تو پورے خاندان کا نام بتا دیں گے، اپنا لکھنا بھول جائیں گے، اسی طرح جو سوال پوچھا جائے، اسی کا جواب نہیں لکھیں گے تو پاس کیونکر ہوں گے۔"

شکیل نے آج علیم الدین کے بار بار فیل ہونے کی وجہ بتا ہی دی۔

"تو اتنے دن رات لگا کر جو کتاب رٹی جاتی ہے، وہ ضائع جائے، سر تو چھوٹا سا سوال کرتے ہیں، جس کا جواب اتنا آسان ہوتا ہے۔"

علیم الدین نے اپنا دفاع خود کیا۔

"اور بڑے بھیا! وہی آسان جواب آپ نہیں لکھتے۔"

پھر شکیل اور علیم میں کتنی دیر بحث ہوتی رہی۔ وہ دونوں کھسک لیں۔

"سنو بچے! دو گلاس جوس لے آئو۔"

حنا اور سجل نے ایک گھنیرے درخت کی چھائوں میں بیٹھتے ہوئے جوس کارنر کے ملازم لڑکے کو آرڈر دیا۔

"تیمور... یار تیمور... کہاں گم ہو؟ اوہ اب سمجھا، لیلیٰ پر نظر پڑ گئی ہے۔"

علی ضیا نے تیمور کی نگاہوں کا تعاقب کیا تو نظر لان میں بیٹھی حنا اور سجل پر ٹھہر گئی۔

''کافی دنوں کے بعد نظر آئی ہے تمہاری لیلیٰ۔''

''ہوں... ہاں... کون لیلیٰ؟'' تیمور حیدر چونک سا گیا۔

''وہی لیلیٰ جسے آپ اتنی محویت اور عالم شوق میں غرق ہو کر اس طرح دیکھنے میں گم تھے کہ میرا جوس بھی چڑھا گئے۔''

''نہیں یار!'' تیمور نے حیران نظروں سے علی کو دیکھا۔

''ہاں یار۔ یہ دیکھو۔'' علی نے اپنا خالی گلاس دکھایا تو وہ شرمندہ ہو گیا کہ وہ واقعی سجل کی طرف اتنا محو ہو گیا تھا کہ ہوش میں نہیں رہا۔

''استاد! دو گلاس جوس بنا دو، وہ لڑکیاں مانگ رہی ہیں۔''

وہ لڑکا جس نے سجل سے آرڈر لیا تھا، آ کر مالک کو بتایا، مگر اس نے انکار کر دیا۔

''جاؤ پہلے پیسے لے کر آؤ، اب میں اعتبار نہیں کر سکتا۔ کئی بار جوس کے پیسے نہیں دیئے۔''

''ان لڑکیوں نے استاد! وہ لڑکیاں۔''

''ہاں، وہ جو سفید اور جامنی رنگ کے کپڑوں میں بیٹھی ہیں، انہوں نے پیسے نہیں دیئے۔''

علی اور تیمور کو جانے کیوں جوس کارنر کے مالک کی بات اچھی نہیں لگی۔

''ارے نہیں صاحب! یہ تو اکثر آتی ہیں اور خود پیسے دے کر جاتی ہیں۔ وہ اور ہی گروپ ہے، بڑا تنگ کرتی ہیں، اس لیے میں دیکھ بھال کر دیتا ہوں۔''

''تو استاد! ان ہی لڑکیوں نے تو جوس مانگا ہے۔''

لڑکے نے جو گرمی اور تھکن سے چڑچڑا ہو رہا تھا، منہ بنا کر کہا۔

''چلو استاد! ہمارے لیے اور ان کے لیے جوس بنا دو، یہ لو پیسے۔''

علی نے جیب سے اپنے اور ان کے جوس کے پیسے نکال کر کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہا اور تیمور کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

''یہ کیا حرکت ہے یار علی، میں جتنا چاہتا ہوں کہ اس پہلی ملاقات اور امپریشن کا اثر زائل کیا جائے تم اتنا ہی۔'' تیمور کو علی کی یہ حرکت پسند نہیں آئی۔

''اور میں جتنا چاہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اس کی نظروں میں آؤ تم اتنا ہی... چلو اٹھاؤ گلاس... ارے بابا ان سے راہ و رسم بڑھانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا ناں۔''

''اور تمہارا کیا خیال ہے کہ اس طرح تم نے جوان کے جوس کی ادائیگی کر دی ہے۔ آپ کی اس حرکت سے خوش ہو کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے گی اور جھٹ دوستی کا ہاتھ بڑھا دے گی۔''

تیمور کو یہ انداز... پسند نہیں آیا تھا... مگر علی کا کیا کرتا جوان لوگوں میں سے تھا جو کر گزرنے کے بعد سوچتے ہیں۔

"بڑھانا تو چاہیئے، دیکھو جس کلاس سے وہ تعلق رکھتی ہے وہاں یہ باتیں معیوب نہیں سمجھی جاتیں۔"

"لیکن علی! وہ بہت مختلف ہے۔"

تیمور نے آگے بڑھتے ہوئے سجل کے سفید آنچل کو دیکھا۔

"السلام علیکم!"

قریب پہنچ کر علی نے بلند آواز میں سلام کیا تو دونوں جو باتوں میں گم تھیں ان دونوں کو اتنے قریب دیکھ کر... چونک کر کھڑی ہو گئیں۔

سجل کے ہاتھوں میں گھبراہٹ سے نمی اتر آئی تھی۔

"یہ آپ لوگوں کا جوس؟" علی نے اپنے ہاتھ میں پکڑے گلاس ان دونوں کی طرف بڑھائے۔

"جی نہیں تھینکس، ہم نے آرڈر دیا ہوا ہے۔" حنا تنک کر بولی۔

"جی، آپ ہی کا دیا ہوا آرڈر ہے، لیجئے۔"

علی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"اور پیسے؟" سجل نے آہستگی سے پوچھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر ہم دیکھنے میں فقیر نظر آتے ہیں، تو جیب کے بھی فقیر ہیں، پکڑیئے میرے ہاتھ بھی تھک گئے ہیں۔"

علی نے زبردستی دونوں کی طرف گلاس بڑھائے تو مجبوراً ان کو لینے پڑے۔

"لیکن آپ نے ہمارے پیسے کیوں دیئے؟" سجل کو یہ بات بری لگی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"پلیز مس سجل! بیٹھ جایئے۔ اس یونیورسٹی میں ہماری اور آپ کی ایک ہی حیثیت ہے، یعنی ہم طالب علم ہیں۔ اس طرح خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

تیمور نے حنا اور سجل سے کہا تو وہ دونوں بیٹھ گئیں۔

"جی فرمایئے، کون سی معذرت کرنی ہے آپ کو؟"

حنا نے اسٹرا کے ساتھ گلاس میں برف کو ہلاتے ہوئے علی کو دیکھا، جس نے ایک ہی سانس میں آدھا گلاس چڑھا لیا تھا۔

"آپ کو بے چینی کیا ہے؟ آپ سے معذرت نہیں کرنی ہے مس سجل، آپ سے کرنی ہے۔"

علی نے حنا کو ڈپٹ کر کہا اور سجل کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ ضرور گڑبڑ کرے گا، لڑکیوں کو بدظن کرے گا۔"

تیمور نے گھور کر علی کو دیکھا۔

"جی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، فوراً کہئے۔"

"جی میں خوب سمجھ رہا ہوں، انداز دیکھا ہے آپ نے اپنا، جی کہئے، دوسرے لفظوں میں بکو اور دفع ہو جاؤ۔ بہر حال وہ جو ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی ناں: خیر، وہ پہلی ملاقات تو آپ لوگوں کے لیے تھی ہم تو آپ کو ایک عرصے سے جانتے ہیں۔ ہاں تو اس روز جب آپ ہماری گاڑی کے نیچے آتے آتے بچ گئی تھیں، میں اس سلسلے میں معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ معذرت کی بات تو نہیں، مگر معاملہ چونکہ دل کا آ گیا تو..."

جانے وہ اپنی دھن میں... کیا کہہ جاتا، تیمور نے اسے زور سے کہنی ماری۔

"مس سجل اور مس حنا! اس کی عادت ہی ایسی ہے، اس کی باتوں میں مت آیئے گا۔ دراصل اس روز جو کچھ ہوا، اسے اس کی شرارت سمجھ کر در گزر کریں... ہم خواتین کا احترام کرتے ہیں اس روز بھی اس طرح کرنے کا ہمارا دانستہ ارادہ نہ تھا۔ اسے صرف علی کی شرارت سمجھئے۔ ہم دونوں معذرت خواہ ہیں۔ ہم طالب علم ساتھی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہئے۔ امید ہے کہ آپ ہم لوگوں کی معذرت قبول کریں گی۔"

تیمور نے انتہائی مہذب انداز میں معذرت کی تو دونوں کچھ نرم پڑ گئیں۔

"دیکھئے مس سجل! اسے ضرور قبول کر لیں۔ میرا مطلب ہے اس کی معذرت ضرور قبول کر لیں، ورنہ اس بندے کا سانس درمیان میں ہی اٹکا رہے گا۔"

تیمور نے پھر گھور کر علی کو کوئی بھی بات کہنے سے روک دیا۔

"آپ کچھ کہنے کا موقع دیں گے تو ہم کہیں گے ناں۔" حنا نے چڑ کر کہا۔

"اجی آپ کہئے تو ہم ہمہ تن گوش ہیں۔" علی نے کان حنا کے قریب کر دیا۔

"تیمور صاحب! اس روز جو کچھ ہوا، اس کا ہمیں بہت غصہ اور ملال ہے۔ کم از کم تعلیمی ادارے میں تو ایسی گھٹیا فلمی سچویشن نہیں ہونی چاہئے، لیکن آج آپ نے ہمارا وہ شکوہ دور کر دیا، اب ہمیں آپ سے کوئی خفگی یا ناراضگی نہیں۔"

حنا نے علی کو نظر انداز کرتے ہوئے تیمور کو مخاطب کر کے اعتماد سے کہا۔

"یہ الفاظ مس سجل کو کہنے چاہئیں تھے، آپ تو مجھے ان کی دوست سے زیادہ پرائیویٹ سیکرٹری لگتی ہیں۔"

"علی صاحب! حنا کو آپ نہ میری دوست سمجھئے اور نہ سیکرٹری، اسے آپ میری جان سمجھ سکتے ہیں۔" سجل نے پیار سے حنا کو دیکھا، جو اس کی مخلص دوست اور ساتھی تھی۔

"لو سن لو اور اس بات کو جیب میں رکھ لو، یہ حنا ان کی جان ہیں، للذا کسی خوش فہمی کا شکار نہ ہونا۔" علی نے پھر تیمور کو چھیڑا۔

"چلیے مس سجل! اور حنا اب جبکہ ہماری ناراضگی دور ہو گئی ہے تو ہم دوستی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں، خلوص دل کے ساتھ۔"

تیمور نے تیز دھوپ میں سجل کے چمکتے چہرے پر لرزاں پلکوں کے سائے کو دیکھتے ہوئے کہا، مگر وہ خاموش رہی۔

"اگر یہ آپ کے دوست نہ ہوتے تو ہمیں آپ سے دوستی کر کے یقیناً خوشی ہوتی۔" حنا نے گھور کر علی کو دیکھا۔

نہیں مس حنا! ایسامت کہیئے، یہ میرے نزدیک وہی حیثیت رکھتا ہے، جو آپ مس سجل کے لیے رکھتی ہیں۔" تیمور نے جاں نثار قسم کے دوست علی کو دیکھا۔

"خیر چھوڑ یئے... چلیئے ہم دوستی کی جانب پہلا قدم اٹھاتے ہوئے آپ کو دعوت دیتے ہیں کل ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں... سٹوڈنٹ کچھ پروگرام کر رہے ہیں، آپ دونوں بھی ضرور آیئے گا۔"

"پہلی کام کی بات کی ہے۔" تیمور نے علی کو شاباش دیتی نظروں سے دیکھا۔

"ارے آپ دونوں کس سوچ میں پڑ گئیں۔ یہ ہمارے ڈیپارٹمنٹل پروگرامز ہیں، کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہو گی۔ آپ لوگ ضرور آیئے گا، انجوائے کریں گے۔" ان دونوں کو خاموش دیکھ کر پر زور انداز میں علی نے کہا۔

"جی ضرور کوشش کریں گے۔"

دونوں نے مسکرا کر کہا اور کھڑی ہو گئیں۔

"دیکھیئے، کل یاد سے آجایئے گا، ایسا نہ ہو کہ انتظار میں ہماری آنکھیں پتھرا جائیں۔"

علی نے پھر شوخی سے تیمور کو دیکھا۔

"جی ضرور آئیں گے، اگر آج آپ نے جانے دیا تو، پوائنٹ بھی چلنا شروع ہو گئے ہیں چلو سجل! اوکے تیمور حیدر، خدا حافظ۔"

حنا نے جان بوجھ کر صرف تیمور کو خدا حافظ کہا۔ سجل نے بھی دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ علی اور تیمور کو خدا حافظ کہا اور آگے بڑھ گئیں۔

"اب تو خوش ہونا، میرے مجنوں۔"

واپس آرٹس لابی کی طرف آتے ہوئے علی نے تیمور کو دیکھا، جو بہت خوش اور مطمئن لگ رہا تھا۔

"ہاں، لیکن علی! یہ تم جو بار بار پٹڑی سے اتر جاتے ہوناں، یہ خطرناک ہے۔ اسے شبہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"شبہ! عجیب گائودی آدمی ہو۔ میں اسے یقین دلانا چاہتا ہوں کہ تم اسے کس حد تک چاہتے ہو۔"

"نہیں علی! میں تمہیں اس بات کی ہر گز اجازت نہیں دوں گا۔ اسے کبھی بھی یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے ' میں اپنے جذبوں کی تشہیر نہیں چاہتا۔"

تیمور لابی کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گیا۔ ایک عجیب سا احساس تھا اس کے چہرے پر۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ اتنی اللہ والی ہے کہ اسے الہام ہو گا کہ جناب تیمور حیدر صاحب اس سے افلاطونی قسم کا عشق فرمارہے ہیں۔ احمق آدمی اسے بتائو گے تو اسے خبر ہو گی ناں۔"

"خبر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے یار علی! کیا خبر کہ جب اسے خبر ہو تو... تو باقی کچھ نہ بچے، تیمور حیدر نے آنکھیں موند کر سر ستون سے ٹکا دیا۔

☆...☆...☆

''آپ اپنی بہن کے اشارے کنایوں کو سمجھ رہے ہیں ناں ظہیر؟''

رابعہ بیگم نے چائے کا کپ ان کو تھماتے ہوئے پوچھا۔

''اشارے کیا بیگم، اس نے تو واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ فائزہ آپ کی بیٹی ہے اسے طلال بے حد پسند ہے۔''

''آسیہ کو طلال پسند ہو نہ ہو، مجھے وہ چلتا پرزہ فائزہ قطعی پسند نہیں، کسی کام کا سلیقہ نہیں اسے، ہر وقت اپنے کمرے میں لیٹی ناول پڑھا کرتی ہے، مجھے تو اپنے بیٹوں کے لیے بہت پڑھی لکھی، سلیقہ شعار اور بااخلاق لڑکیاں چاہئیں۔''

رابعہ بیگم نے گویا ایک طرح سے اپنا حتمی فیصلہ سنا ڈالا تو ظہیر احمد پریشان سے ہو گئے۔

''لیکن رابعہ اس سے قبل تو تم نے کبھی اتنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ فائزہ کے ساتھ تمہارا رویہ بھی یہ ہی ظاہر کرتا ہے کہ تم اسے پسند کرتی ہو، ویسے بھی میرے خیال میں فائزہ میں کوئی کمی تو نہیں۔ بس ذرا اکلوتی ہونے کی وجہ سے۔''

''دیکھئے ظہیر! آسیہ ہے آپ کی بہن، آپ کی ہو گی، اس سے محبت اور لحاظ میں آپ کو آج صاف صاف بتا دوں کہ فائزہ مجھے قطعی پسند نہیں اور ان کے ساتھ خصوصاً فائزہ کے

ساتھ میرا رویہ غیر معمولی نہیں ہوتا۔ شاید آپ نے اندازہ نہیں لگایا کہ میں نسیمہ کی لڑکیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی رویہ رکھتی ہوں، لیکن وہ بچیاں تو موم کی بنی ہوئی گڑیائیں ہیں... جدھر چاہو موڑ دو، مجال ہے اف کر جائیں، دل سے پسند ہیں نسیمہ کی بیٹیاں مجھے خصوصاً زیب لیکن بہو میں اس کو بھی نہیں بناؤں گی۔''

رابعہ بیگم نے اٹل لہجے میں فیصلہ سنایا تو ظہیر احمد بغور ان کو دیکھنے لگے۔

''اس لیے کہ وہ نسیمہ کی بیٹی ہے اور نسیمہ...''

ظہیر احمد نے چور نظروں سے بیگم کو دیکھا، مگر وہ گہرا سانس لے کر مڑیں اور ان کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

''بہت افسوس ہوا ہے ظہیر! آپ کی ایسی سوچ سے۔ میں نے آج تک کبھی آپ کو کوئی بات جتائی۔ میں پڑھی لکھی عورت ہوں ظہیر! اور جذبوں کے وجود کو تسلیم کرتی ہوں۔ میں نسیمہ کی کسی بھی بیٹی کو پسند کرنے کے باوجود اس لیے بہو نہیں بناؤں گی... کہ آپ نسیمہ کو چاہتے تھے یا چاہتے ہیں بلکہ اس لیے کہ اگر میں آسیہ یا زاہدہ کی لڑکیوں کو نظر انداز کر کے نسیمہ کی کسی بیٹی کو بہو بنانا چاہوں تو آپ کے خیال میں یہ ممکن ہو گا۔ ارے آپ کی بہن اور زاہدہ دھکے دے کر گھر سے نکال باہر کریں گی۔ نسیمہ اور اس کی بیٹیوں کو۔ پہلے ان کے ساتھ کون سا اچھا سلوک ہوتا ہے۔ اب خود دیکھیں، اس روز ہمارے ہاں سب لوگ آئے، مگر نسیمہ بچوں سمیت گھر پر رہی۔ ملازموں سے بدتر ان کی حالت ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو اس قدر دکھ ہوتا ہے ان کی حالت دیکھ کر کہ کیا بتاؤں۔ کاش میں اس کے لیے کچھ کر سکتی۔''

رابعہ بیگم نے پر ملال لہجے میں کہا تو ظہیر احمد شرمندہ سے ہو گئے۔

"آئی ایم سوری رابعہ! مجھے تمہارے خلوص پر کوئی شبہ نہیں۔ بس یوں ہی کہہ دیا تھا، لیکن رابعہ آسیہ میری اکلوتی بہن ہے۔ اسے انکار بھی کس طرح کیا جائے گا۔"

ظہیر احمد نے کچھ نادم سے لہجے میں معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"آپ اس سلسلے میں فکر مند نہ ہوں۔ ابھی طلال پڑھ رہا ہے جب بھی بات کریں ٹال دیں کہ ابھی طلال نہیں چاہتا۔ بات ختم۔ اپنی اولاد پر ہر کسی کو حق ہوتا ہے اور میرا نہیں خیال کہ طلال، فائزہ کو پسند کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں تھا۔ اس روز وہ لوگ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے، کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔ نہیں ظہیر! خدا کو منظور ہوا تو اپنے بیٹوں کی شادی وہیں کروں گی، جہاں وہ کہیں گے، خواہ رشتے داروں سے رشتے داری رہے یا نہ رہے۔"

رابعہ بیگم پڑھی لکھی، مضبوط ارادوں کی مالک تھیں جو کہتی تھیں، کر گزرتی تھیں۔

اپنی نند اور رشتے داروں سے بڑے اخلاق سے ملتی تھیں تاکہ کسی کا دل نہ دکھے، آسیہ بیگم کی بہت سی غلط باتوں کو وہ نظر انداز کر جاتیں کہ وہ واجبی سی تعلیم رکھنے والی روایتی عورت ہیں لیکن اب معاملہ ان کی اولاد کا تھا، جن کی تعلیم و تربیت میں انہوں نے دن کا سکون اور راتوں کی نیندیں حرام کی تھیں۔ ان کی ہر خوشی کا خیال رکھا تھا تو اب زندگی کے اتنے بڑے فیصلے میں اتنی بڑی خوشی میں بھی وہ اولاد کی خوشی اور مرضی کو اولیت دینا چاہتی تھیں۔ جبکہ آسیہ بیگم تو اپنے تئیں فائزہ اور طلال کا رشتہ جوڑ چکی تھیں اور وہ اب فائزہ کے پیچھے لگی رہتیں کہ کسی طرح بی اے تو کر لے۔

"شعیب میرے بچے! چندا! ہزار ہا بار کہہ چکی ہوں، فائزہ کے داخلے کا کچھ کرو، کسی کالج میں داخل کرا دو، پڑھ جائے۔ رابعہ بھابی خود بھی ایم اے ہیں، اپنے افسر بیٹے کے لیے بھی تو پڑھی لکھی بہو کو پسند کریں گی۔"

وہ کئی روز سے شعیب کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں۔

"امی! حد کرتی ہیں آپ بھی، آپ کی بیٹی انتہائی کند ذہن اور نالائق ہے، چار سال میں اس نے انٹر آرٹس کیا ہے اور صرف پاسنگ نمبرز لے کر، تو بتائیے بھلا اسے کہاں داخلہ ملے گا۔ میرا تو مشورہ ہے کہ طلال کے ساتھ اس کی شادی کا خیال ہی چھوڑ دیں۔ انتہائی جاہل، اجڈ لگتی ہے، ان سب کے سامنے تو اور وہ بھی اسے پسند نہیں کرے گا۔"

"ارے خاموش رہ لڑکے! خدا نہ کرے جو ایسا ہو۔ یہ طلال ہوتا کون ہے میری بیٹی کو ناپسند کرنے والا۔ بڑا آیا کہیں سے۔ تمہیں اس کے داخلے کا کچھ کرنا ہے تو کرو، ورنہ میں بلال سے کہہ کر کروا لوں گی۔ پھر غیرت آئے گی کہ میری بہن ہے۔"

آسیہ بیگم نے شوبی کو غیرت کا طعنہ دیا تو شوبی زچ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"خدا کے واسطے بلال سے کچھ مت کہیئے گا، اسے تو بہانا چاہیئے ہمارے گھر کے چکر لگانے کا اور اس کا آنا جانا میں قطعی پسند نہیں کرتا۔"

یہ جملہ شعیب نے صفائی کرتی زیب کو دیکھ کر بلند آواز میں کہا تو ایک لمحے کے لیے زیب کے ہاتھ رک گئے، اسے یقین تھا کہ شعیب کی تیز نگاہیں اسی پر ہوں گی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

"او ہو امی جان! انٹر کافی ہوتا ہے لڑکی کے لیے، مجھ سے نہیں پڑھا جاتا۔ روز کالج جاؤ، پڑھائی کرو امتحان دو اور فیل ہو جاؤ تو باتیں سنو۔ نہیں امی، میں اب

پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع نہیں کر سکتی۔"

آسیہ بیگم جتنا فائزہ کو سمجھاتیں کہ وہ پڑھے، وہ پڑھائی سے اتنی ہی بددل تھی۔

"فائزہ! میری جان! آخر سمجھتیں کیوں نہیں، بھابی جان خود پڑھی لکھی ہیں اور پڑھی لکھی لڑکیوں کو پسند کرتی ہیں۔"

"امی! پسند تو وہ مجھے اب بھی کرتی ہیں، ویسے بھی فی الحال ایسی کوئی بات نہیں، اگر ہو بھی جائے تو رشتے داروں میں کہاں ایسی باتوں کو اہمیت دی جاتی ہے کہ... بس مجھ سے نہیں پڑھا جاتا۔"

فائزہ نے براسامنہ بنا کر نہ پڑھنے کا اعلان کیا... تو آسیہ بیگم سر پکڑ کر بیٹھ گئیں، مگر زاہدہ بیگم اتنی بے اختیار نہیں تھی، صائمہ پر پورا اختیار تھا... نالائقی میں صائمہ بھی کچھ کم نہیں تھی، فائزہ سے مگر وہ راز جو فائزہ نہیں سمجھ پائی، صائمہ جان گئی۔

"صائمہ! ایک طرح سے یہ ایک مقابلہ شروع ہو گیا ہے اور ہمیں اس مقابلے میں اول آنا ہے۔ سب سے بڑھ کر اپنی تعلیم پر توجہ دو، بلال اور رابعہ بیگم کو مٹھی میں کرنا ہے، تو تم نے... میں سب سمجھتی ہوں۔ آسیہ بیگم قطعی طور پر یہ نہیں چاہتیں کہ اس گھر کی کوئی اور لڑکی ظہیر احمد کی بہو بن کر ان کی بیٹی کا مقابلہ کرے، لیکن میں نے بھی اس کا پتہ نہ کاٹا تو میرا نام نہیں اور یوں سر جھاڑ، منہ پھاڑ نہ رہا کرو، بلکہ میرا خیال ہے کہ تم بال کٹوالو، تمہارے چھوٹے سے چہرے پر یہ پچکی ہوئی چوٹی اچھی نہیں لگتی۔"

"جی امی! میں بھی یہ ہی کہنا چاہتی تھی، مگر آپ سے ڈر لگتا تھا۔ آپ چلیں گی ناں بیوٹی پارلر۔"

صائمہ کی تو گویا من کی مراد بر آئی۔

"ہاں لیکن ذرا صبر کرو، تمہارے باپ سے بھی مشورہ کر لوں۔"

لیکن اس معاملے میں آسیہ اور فائزہ نے پھرتی دکھائی اور آسیہ بیگم اور فائزہ جو ڈاکٹر کے پاس جانے کا بہانا کر کے بیوٹی پارلر گئی تھیں۔ واپسی پر فائزہ کے شاٹ باب دیکھ کر سب نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"ہونہہ! بڑی ملکہ حسن لگ رہی ہے ناں، پہاڑی بھیڑ لگ رہی ہے پوری۔"

"زاہدہ بیگم نے فائزہ کو ایک نظر دیکھا، جس کے گرمی بال باب اسٹائل میں آ کر اس کی گوری رنگت پر بہت اچھے لگ رہے تھے، مگر زاہدہ بیگم کو زہر لگی۔

"ارے بھابی جان! یہ فائز کو خدانخواستہ ایسا کون سا مرض لاحق ہو گیا ہے کہ ڈاکٹر نے اس کے بال کاٹ دیئے؟"

عمرانہ جوان لوگوں کے درمیان ہونے والے ڈرامے اور رسہ کشی سے ناواقف تھیں، فائزہ کو حیرت سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھیں۔

"اے خدا نہ کرے عمرانہ کہ میری بچی کی کوئی موذی مرض ہو، وہ تو اس کی گردن پر دانے نکل آئے تھے، میں نے خود ہی اس کے بال کٹوائے ہیں کیوں نسیمہ تم بتاؤ، کیسی لگ رہی ہے فائزہ، ایسے بالوں میں؟"

آج نہ جانے کیسے آسیہ بیگم نے نسیمہ سے کسی معاملے میں رائے لی تھی، انہوں نے حیرت سے پہلے آسیہ بیگم کو دیکھا اور پھر فائزہ کو ساتھ لگا لیا۔

"ماشاءاللہ! میری فائزہ تو ہے ہی چاند کی طرح، کسی بھی انداز میں رہے، پیاری ہی لگتی ہے، اللہ نظر بد سے بچائے۔"

انہوں نے فائزہ کی پیشانی چوم لی۔

"ہونہہ! مکار، چاپلوس کہیں کی۔" زاہدہ بیگم نے جل کر سوچا۔

"واقعی فائزہ تو بہت پیاری لگ رہی ہے۔ یہ صائمہ بھی ایک سال سے پیچھے لگی ہے کہ بال کٹوانے ہیں، مگر میں نے ہی منع کیا تھا کہ آسیہ بھابی سے اجازت لے کر کٹوائوں گی۔ بھابی جان! آپ اجازت دیں تو صائمہ بھی بال کٹوالے؟"

زاہدہ بیگم بڑی چالاک قسم کی خاتون تھیں، دشمن کے کندھے پر بندوق چلانے کا فن اچھی طرح سے جانتی تھیں۔

"اے لو تو اس میں میری اجازت کی کیا ضرورت ہے، بھلا بچی کی خواہش تھی تو پوری کر دی ہوتی۔" آسیہ بیگم نے منہ بنا کر کہا۔

"ہونہہ! بڑی اچھی لگے گی ناں بکری بال کٹوا کر۔ ہر معاملے میں میری بیٹی کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے، شکل نہیں دیکھی اپنی اور اس کی۔"

آسیہ بیگم نے ایک کڑی نظر زاہدہ اور صائمہ پر ڈال کر سوچا۔

"زیب، ارے صدف! نسیمہ! یہ لڑکیاں کہاں ہیں؟ کیا وقت ہو گیا ہے اور کھانے کا کوئی بندوبست نہیں، ندا اور جمال آئے ہوئے ہیں۔ اپنا نہیں کچھ مہمانوں کا خیال کر لیا کرو، آسیہ بیگم کو اچانک ہی کھانے کی فکر لاحق ہو گئی۔

"آپ فکر مند کیوں ہوتی ہیں بھابی جان رات کے کھانے کا اہتمام میں کر چکی ہوں۔ زیب اور صدف کباب بنا رہی ہیں۔ صائمہ ضد کر رہی تھیں کہ ماموں جان کے بچے رہنے کے لیے آئے ہوئے ہیں، اس لیے بریانی پکائے گی۔"

"مہمانوں کو بھگانے کے لیے۔ برا مت مانئے گا چچی جان! صائمہ اتنا خراب کھانا پکاتی ہے کہ حد نہیں۔ اس کے ہاتھ کی پکی ہوئی بریانی کھا کر تو جمال اور ندا کے پیٹ خراب ہو جائیں گے۔"

فائزہ نے منہ بناتے ہوئے بالوں کو ایک جھٹکا دے کر یوں کہا، گویا خود تو ہر کام میں ماہر ہے۔

"کر لو باتیں بی بی، ایسا بنا کر صائمہ کو رابعہ کی بہو بنائوں گی کہ تم جیسی تو پانی بھریں گی میری بیٹی کے سامنے۔" زاہدہ بیگم نے ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے، مگر کھا جانے والی نظروں سے فائزہ کو گھورا، جس پر کٹے بال بہت سوٹ کر رہے تھے۔

"شنذرا! یہ کہاں مر گئی؟ اتنی کام چور لڑکی ہے... زاہدہ کہو ذرا اسے یہ اپنے ماموں کے کپڑے دھو دے۔" آسیہ بیگم نے وہیں سے شنذرا کو آواز دی۔

"لیجئے شنذرا کی بھی آپ نے خوب کہی بھابی جان، وہ تو اپنی باری کا کام کرتی ہے، اس کے علاوہ کہو تو جھٹ کہہ دیتی ہے، میں اپنی باری کا کام کر چکی ہوں، ابھی کچھ دیر قبل ہی میں نے کہا کہ یہ کچھ برتن دھو دو، جھٹ بہانا بنا ڈالا کہ میرا ہاتھ زخمی ہے۔"

زاہدہ بیگم نے اس کی بے بس ماں کا بھی خیال نہیں کیا اور بے بنیاد الزام دھر دیا۔

"ارے نہیں زاہدہ، وہ بد تمیز گستاخ ضرور ہے، جھوٹی نہیں، دوپہر میں سبزی بناتے ہوئے اس کی انگلی پر بڑا گہرا زخم آ گیا تھا۔ اسی وجہ سے اسے حرارت بھی ہو گئی، لایئے کپڑے میں دھو دیتی ہوں۔"

وہ ماں تھیں، مائیں تو اولاد کے ان دیکھے زخم بھی دیکھ لیتی ہیں۔ ان کا درد اپنے دل میں محسوس کرتی ہیں۔ شذرا کو تو ان کے سامنے اتنا گہرا زخم آیا تھا۔ وہ اسے کیسے نظر انداز کر سکتی تھیں بھلا۔

"نسیمہ! برا نہ ماننا، تم نے تو لڑکیوں کو ہتھیلی کا پھپھولا بنا رکھا ہے۔ ارے بھئی آگیا ہو گا زخم مگر اب ایسا بھی کیا کہ کام چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں۔ اب نہ لڑکیاں کام کریں نہ ہی ہم۔ کوئی ایسے لینڈ لارڈ ہیں کہ ملازم رکھتے پھریں اور آج کل... نوکرانیاں کون سا آسانی سے مل جاتی ہیں اور پیسے اتنے مانگتی ہیں کہ بابا! اپنے پلے تو اتنا نہیں نوکروں کو لٹاتی پھروں۔"

آسیہ بیگم نے نخوت بھری نظروں سے نسیمہ کو دیکھا، تو وہ گہرا سانس لے کر کھڑی ہو گئیں۔

"نوکر کیوں رکھنے ہیں بھابی جان! آخر ہم ماں بیٹیاں کس لیے ہیں، لایئے کون کون سے کپڑے دھونے ہیں؟"

نسیمہ بیگم کپڑے اٹھا کر باہر آ گئیں۔

"بہت گھنی ہیں یہ نسیمہ باجی! بھابی جان اس روز آپ نے دیکھا، کیسے دھوم دھام سے فرخ میاں کی سالگرہ منائی گئی، جیسے سالگرہ منائے بغیر تو وہ جی ہی نہیں سکتا۔ اوپر سے حد یہ کہ بلال کو بھی بلا لیا۔ آپ مانیں یا نہ مانیں، انہوں نے بلال کو خاص طور پر بلایا ہو گا۔ میں سب جانتی ہوں ان ماں بیٹیوں کو بڑے گر آتے ہیں مردوں کو پھانسنے کے، لیکن یہ ذرا بلال پر نظر تو رکھ کر دیکھیں، چٹیا سے پکڑ کر باہر نکلوا دوں گی بھائیوں ہی سے ماں، بیٹیوں کو۔"

انتقامی شعلے زاہدہ بیگم کی آنکھوں سے نکل کر ان کے وجود کو چیرنے لگے۔

"میرا بھی یہ ہی خیال ہے کہ لڑکوں کو ان کے سائے سے بھی دور رکھا جائے، لڑکیاں بھی آفت ہیں۔ خدا نے حسن بھی دل کھول کر دیا ہے۔ اوپر سے رونی معصوم صورتیں بنا کر مردوں کو مائل کرتی ہیں۔ ارے مرد تو ہوتے ہی سدا کے بے وقوف ہیں۔ جہاں ذرا عورت کی رونی صورت دیکھی جھٹ موم ہو گئے۔ اب کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا۔ ہمیں ورنہ بازی یہ عورت جیت جائے گی۔ اپنی حسین ناگنوں کے ساتھ۔"

یہ ایک معاملہ ایسا تھا، جہاں دیورانی اور جیٹھانی کا اتفاق رائے ہوتا ہے۔

"میں آپ کو ایک بات بتاؤں بھابی جان! اپنے شوبی کو بھی اس زیب کے اثر سے دور ہی رکھیے گا۔" زاہدہ بیگم کی نظر چونکہ دوسری بیٹی کے لیے شعیب پر تھی اس لیے وہ خود اس پر کڑی نظر رکھتی تھیں اور شعیب کا زیب پر عتاب کے ساتھ نازل ہونا بھی ان کو اس کی محبت ہی نظر آتا تھا۔

"نہیں... خیر شوبی میرا بیٹا ہے، وہ اس کی بیٹی پر ملتفت نہیں ہو سکتا۔ دیکھتی نہیں اتنا تو ذلیل کرتا رہتا ہے ہر وقت زیب کو۔"

آسیہ بیگم بس شعیب کے اسی رویے سے مطمئن تھیں۔

"ارے بھابی جان! ایسی کسی خوش فہمی میں نہ رہیئے گا یہ لڑکے بڑے عجیب ہوتے ہیں، ان کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ کس کروٹ بیٹھیں گے۔"

"اچھا خیر دیکھی جائے گی، مجھے شعیب کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں۔"

آسیہ بیگم تو لاپروا تھیں، اس معاملے میں کیونکہ ان کو خبر نہیں تھی کہ زاہدہ بیگم کیا چاہتی ہیں، اگر ان کو خبر ہو جاتی کہ وہ اپنی بیٹی شعیب سے منسوب کرنا چاہتی ہیں تو شاید دکھاوے کا میل جول بھی ختم ہو جاتا۔

"امی... امی! یہ اس وقت آپ کس کے کپڑے دھو رہی ہیں؟"

شذرا کے ہاتھ میں تکلف تھی۔ وہ کوئی ٹیبلٹ لینے آئی تو نسیمہ بیگم کو کپڑے دھوتے دیکھ کر تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

"اوہو بابا، کسی کے نہیں، تمہارے بڑے ماموں نے خود مجھ سے کہا تھا کہ شذرا بیٹی سے کہو کہ دھوئے مگر میں نے کہا کہ تمہارے ہاتھ میں زخم ہے، میں خود دھو دیتی ہوں۔"

اس طرح کے جھوٹ بول کر بات لپیٹ لینے کا ہنر بھی نسیمہ بیگم سیکھ گئی تھیں، کہیں... گھر میں فساد نہ ہو، ان کی بیٹیاں دکھی نہ ہوں۔

"حد ہو گئی۔ گھر بھرا پڑا ہے۔ عورتوں اور لڑکیوں سے، کیا سب کے ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں۔ یہ فائزہ تو لگتا ہے اسے شوکیس میں سجائیں گی بڑی ممانی لائیے میں دھو دیتی ہوں۔"

پھر وہ منع ہی کرتی رہ گئیں۔ شذرا نے ایک نہیں سنی۔

ہاتھ کا زخم زیادہ گہرا تھا، دوبارہ کھل گیا، درد سے اس کی چیخیں نکل گئیں۔

اس نے بمشکل کپڑے نچوڑ کر تار پر ڈالے اور لاؤنج میں آگئی۔ اس وقت لاؤنج خالی تھا، اس نے شکر کیا۔

"شذرا! کیا ہوا تمہیں، یہ خون اُفوہ! تمہیں تو لگتا ہے، بہت گہرا زخم آیا ہے۔"

وہ بالکل نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو پتا چلے، جمال ادھر آیا تو اس کی نظر پڑ گئی۔ اب وہ اس کا ہاتھ پکڑے دیکھ رہا تھا۔

"ارے کچھ نہیں جمال رہنے دو۔ اس سے بڑے بڑے زخموں کے ناز اٹھا رہے ہیں ہم، جو ہر پل روحوں پر لگائے جاتے ہیں۔ یہ زخم تو بہت معمولی زخم ہے۔"

مارے ضبط کے شذرا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ضبط کے باوجود آنسوؤں سے چہرہ تر ہو گیا۔

"احمق لڑکی! اتنا بڑا زخم ہے، رکو میں اسد کو بلاتا ہوں... اسد یار ذرا جلدی سے اندر آؤ، شذرا کو زخم آ گیا ہے۔"

جمال وہیں سے بلند آواز میں بولا۔ شذرا چیخ پڑی۔

"نہیں جمال! مجھے کسی کی ضرورت نہیں، تم بھی جاؤ اور اسد، اس کے توسط سے تو مجھے زندگی بھی ملے تو میں ہرگز نہ لوں اور اللہ پاک سے موت مانگ لوں۔"

شذرا نے انتہائی نفرت سے اسد کو دیکھا، جو جمال کی آواز پر تقریباً بھاگتا ہوا آیا تھا اور اب... دروازے پر کھڑا گہرے سانس لے رہا تھا۔ شذرا کی بات وہ سن چکا تھا۔

"یار! وہاں کھڑے کیا کر رہے ہو، آکر دیکھو اس کے زخم کو۔"

جمال نے اسد کو گھورا، جو وہیں کھڑا ہو گیا تھا۔

اس کے زخم کو کسی علاج، کسی دوا، کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں، جمال کچن میں جاؤ، مرچ اور نمک کی ایک مٹھی اس کے زخم میں بھر دو، یہ ہی اس کا علاج ہے

کیونکہ زہر ہی زہر کو کاٹتا ہے۔"

اسد نے بھی زہر خند لہجے میں کہا اور پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔

"تم لوگ بھی بہت عجیب ہو، چلو، میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔"

اور پھر شذرا منع ہی کرتی رہ گئی۔ آسیہ اور زاہدہ نے گھورا بھی مگر جمال نے کسی کی ایک نہیں سنی۔

"بیٹا! رہنے دو، خود ہی بھر جائے گا بڑے بڑے زخم اس وقت نے بھر دیئے ہیں تو یہ تو معمولی زخم ہے۔"

نسیمہ بیگم بھی اس بات کے حق میں نہیں تھیں کہ شذرا بائیک پر جمال کے ساتھ جائے۔

"ارے پھپھو! آپ بھی حد کرتی ہیں، اتنا گہرا زخم ہے، مجھے یقین ہے کہ ٹانکے لگیں گے، چلو شذرا اٹھو شاباش۔"

"شذرا بیٹے، جمال درست کہہ رہا ہے جائو۔"

پھر شوکت حسین کے کہنے پر وہ جمال کے ساتھ بائیک پر بیٹھ گئی۔

اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا اسد یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

"ہونہہ مکار! یہ ہی تو چاہتی تھی۔"

اسد نے زور سے کھڑکی بند کی اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ مستقل... جمال اور شذرا کے کہے ہوئے جملے پر تپ رہا تھا۔

"بھاڑ میں جائے، مائی فٹ شذرا اینڈ جمال، مجھے کیا پڑی ہے کہ فضول سوچوں ان کے بارے میں۔"

اس نے زور سے کرسی کو ٹھوکر ماری اور بالوں کو ہاتھوں سے درست کرتا ہوا باہر آ گیا۔

"زیب!"

"جی چھوٹی امی! کیا بات ہے، کیا کام ہے؟"

ادھر عمرانہ نے آواز دی، ادھر وہ جلدی سے تابعدار غلام بن کر حاضر ہو گئی۔

"ارے بھئی، کام تو کوئی نہیں! یہ بتائو اب فارغ ہو؟"

"جی اب تو فارغ ہوں۔ رات کا کھانا بنانے میں تو کافی دیر ہے آپ کام بتائیں۔"

"کام تو نہیں، ذرا میرے ساتھ طارق روڈ تک چلو گی؟ شاپنگ کرنی ہے۔ زاہدہ بھابی اور بڑی بھابی تو جل کر کباب ہی ہو جاتی ہیں میری شاپنگ سے، میرا اچھا پہننے، اوڑھنے سے، دونوں کی جان جاتی ہے۔ اس لیے سوچا ہے کہ اب تمہارے ساتھ ہی شاپنگ کر آیا کروں گی۔"

عمرانہ نے یوں کبھی ان لوگوں کو منہ نہیں لگایا تھا۔ خود کو انہوں نے اپنے کمرے تک محدود رکھا ہوا تھا مگر اب مطلب پڑا تو کیسے زبان شیرے میں بھیگ گئی۔

"چلئے، میں ذرا اندر سے چادر لے آئوں۔"

زیب نے اندر آکر نسیمہ بیگم کو بتایا اور چکن کی سفید چادر اچھی طرح لپیٹ کر باہر آگئی۔

"کہاں کی تیاری ہے؟ سامنے سے آتے شعیب کی تیکھی نظریں اسے جلا گئیں۔

"عمرانہ مامی کے ساتھ جا رہی ہوں۔"

"واپسی کب تک ہو گی؟"

وہ اس سے یوں پوچھ رہا تھا، گویا وہ ہی اس کے ہر فعل کا ذمہ دار ہے۔ وہ ہی اس کا مالک ہے۔

"یہ آپ مامی سے ہی پوچھئے۔"

وہ مستقل چلتی رہی۔ وہ بھی اس کے برابر چلتا ہوا عمرانہ کے کمرے تک آگیا۔

"چچی جان! اس کو لے جانا ضروری تو نہیں فائزہ کو لے جایئے ناں؟"

"کیوں تمہیں کیا اعتراض ہے بھئی؟ تم کیوں اپنے آپ کو اس کی زندگی کی نائو کے ناخدا سمجھنے لگے ہو۔ شعیب میاں! انسان کو وہ بات کرنی چاہئے، جو مناسب ہو، چلو زیب پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔" عمرانہ نے شعیب کو جھاڑ دیا تو وہ پیر پٹختا ہوا واپس آگیا۔

"نہ جانے یہ عمرانہ چچی خود کو سمجھتی کیا ہیں۔"

چار گھنٹے ہو گئے تھے۔ عمرانہ چیزیں خرید خرید کر ڈھیر لگا رہی تھیں۔ ایک سے ایک قیمتی کپڑا انہوں نے اپنے لیے اور بیٹی کے لیے خریدا تھا۔ وہ چیز کی قیمت لگا رہی ہوتیں اور زیب اپنے دل میں اٹھتے درد کو دباتی ہوئی سوچ رہی ہوتی کہ خود مختاری کتنی بڑی نعمت ہے۔ آج روپیہ پانی کی طرح بہا رہی ہیں۔ اس روز امی نے فرخ کی فیس کے لیے کچھ پیسے مانگے تو صاف انکار کر دیا کہ ہمارے پاس نہیں ہیں، پھر نسیمہ بیگم کو ڈھیٹ بن کر مشتاق احمد سے پیسے لینے پڑے تھے۔ اس طرح جب ان کی ماں ان کی ضروریات کے لیے اپنے

ہی بھائیوں کے آگے ہاتھ پھیلاتیں تو دل خون کے آنسو روتا۔ انا اس قدر مجروح ہوتی کہ دل چاہتا اپنے گلے گھونٹ لیے جائیں مگر ان لوگوں سے کچھ نہ مانگا جائے۔

"ہائے تھک گئے، آئو کہیں بیٹھ کر کچھ کھا پی لیں۔"

وہ کیا کہتی، خاموشی سے ایک چاٹ کی دکان میں آگئی۔ تھکن اور بھوک سے تو اس کا بھی برا حال تھا وہاں جو بیٹھے تو نیند سی آنے لگی۔ عمرانہ بار بار اپنی خریدی ہوئی چیزیں دیکھ رہی تھیں۔

"چلو بھئی، اب چلتے ہیں، کافی دیر ہو گئی ہے۔ یلو کیب لے لیتے ہیں، دو سو روپے ہی تو لگیں گے اور اس سے قبل کہ وہ یلو کیب رکواتیں سامنے سے طلال آ گیا۔

''ارے آنٹی، زیب آپ لوگ؟''

''ہاں بھئی شاپنگ کرنے آئے تھے، اب تو واپس جا رہے ہیں۔''

''اور زیب کیا حال ہیں؟ طلال نے خاموش کھڑی زیب کو دیکھا۔

''جی ٹھیک ہوں۔''

''چلئے آنٹی، گھر چلیے، اتنی قریب آکر گھر نہ جائیں، یہ زیادتی ہو گی۔ چلو زیب، تمہیں تو کبھی توفیق ہی نہیں ہوئی ہمارے ہاں آنے کی، سب آئیں گے مگر تم... چلو آج تو انتہائی قریب آ گئی ہو۔''

طلال بھی صرف زیب کی وجہ سے اصرار کر رہا تھا ورنہ اسے عمرانہ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔

''ارے جانے دو طلال! بہت دیر ہو گئی ہے۔''

حالانکہ زیب کا دل چاہ رہا تھا، طلال کے ہاں جانے کو، مگر وہ خاموش تھی۔

''ناممکن آنٹی! چلئے کہاں یلو کیب میں اتنے پیسے دیں گی۔ میں آپ کو اپنی گاڑی پر چھوڑ آؤں گا آؤ زیب۔''

طلال جو کام کرنے آیا تھا، اسے چھوڑ دیا، وہاں جانے کے خیال سے جانے کیوں زیب کا دل دھڑک اٹھا۔ بلال کی گہری نگاہیں حصار کرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

زیب کو یوں اچانک اپنے گھر دیکھ کر سب کو ازحد خوشی تھی۔ بلال گھر پر نہیں تھا۔ زیب بجھ سی گئی۔

''عمرانہ آج کیسے دل بڑا کیا؟'' رابعہ بیگم نے بڑھ کر زیب کو گلے سے لگایا۔

''دل کہاں بڑا کیا ہے، میں نے اغوا کیا ہے ان دونوں خواتین کو۔''

''بہت اچھا کیا تم نے، زیب بیٹے یہاں آؤ میرے پاس۔''

ظہیر احمد نے زیب کو ساتھ لگا کر پیار کیا۔

''امی! یہ بلال کہاں ہے، کب سے نہیں آیا۔''

طلال... فریج سے بوتلیں نکال کر خود ہی سرو کرنے لگا، کیونکہ باقی سب تو ان ہی کے گھر گئے ہوئے تھے۔

''ارے طلال بھیا، لائیے میں کرتی ہوں۔''

طلال کو کام کرتے دیکھ کر زیب آگے بڑھی۔

''کوئی بات نہیں لڑکی! مگر... ضروری نہیں کہ تم ہی کام کرو، کبھی خدمت کروا لینی چاہئے۔''

''لیکن بھیا! مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں بیٹھی رہوں، لائیے آپ بیٹھ جائیں۔''

رابعہ بیگم اور عمرانہ باتوں میں مصروف تھیں، زیب نے سب کو گلاس تھمائے اور اپنا گلاس لے کر ایک کونے میں پڑے موڑھے پر ٹک گئی۔

"کاش! خدا نے تم لوگوں کے نصیب بھی اتنے ہی اچھے لکھے ہوتے، جتنی اچھی صورتیں بنائی تھیں۔"

ظہیر احمد مستقل نسیمہ بیگم اور ان کی بیٹیوں کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

"لایئے انکل گلاس میں رکھ آئوں۔"

ظہیر احمد جیسے ہی گلاس رکھنے کے لیے اٹھے تو زیب جلدی سے آگے بڑھی، پھر اس نے ٹرے میں خالی گلاس رکھے اور کچن میں آگئی۔ اسی وقت بلال آگیا۔

"یہ عمرانہ آنٹی ہمارے گھر کیسے نظر آرہی ہیں، کیا چکر ہے؟"

بلال نے ڈرائنگ روم میں جھانک کر دیکھا تو سامنے عمرانہ ہی نظر آئیں، مگر وہ اندر نہیں گیا۔ اسے یہ بناوٹی لوگ پسند ہی نہیں تھے۔

"ان کو چھوڑو اور ذرا کچن سے ایک گلاس پانی تو لے کر آئو۔"

طلال معنی خیز نظروں سے بلال کو دیکھتے ہوئے بولا۔

بلال کچھ نہ سمجھتے ہوئے کچن کی طرف بڑھا، مگر کچن سے زیب باہر نکل رہی تھی۔

"زیب... تم"

بلال کی آنکھیں حیرت، خوشی اور بے یقینی سے چمک اٹھیں۔

☆...☆...☆

"زیب... زیب یہ تم یہاں کیسے؟"

بلال کی آنکھوں میں قندیلیں روشن ہو گئیں۔ اسے اپنی بصارت پر اعتبار ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ جو دل کے نہاں خانوں کی مکین... ہے وہ یوں اس کے گھر بھی مہمان ہو گی اور واقعی زیب جب سے بڑی ہوئی تھی کبھی بھی یہاں نہ آئی تھی آج بھی عمرانہ مامی کے سبب یہاں نظر آرہی تھی۔

"آداب" زیب نے خوشی سے تمتماتے چہرے کو دیکھا۔

"اوہو السلام علیکم میں تو سارے ادب آداب بھول گیا تھا تمہیں روبرو دیکھ کر ویسے آج تمہارا دل کیسے چاہا یہاں آنے کو۔"

وہ پر شوق نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"وہ عمرانہ مامی کے ساتھ آئی ہوں۔"

"یعنی کہ عمرانہ آنٹی کا شکریہ ادا کرنا پڑے گا کہ آپ کو ہمارا بنایا۔ لیکن مہمان تو یہاں بھی میزبان ہی لگ رہا ہے۔" بلال اسے کچن سے دیکھ کر بولا۔

"کیوں آپ کو میرا میزبان بننا پسند نہیں آیا اپنے گھر میں؟"

وہ گلاس دھو کر ایک طرف رکھتے ہوئے بولی تو وہ اس کی پشت پر لہراتی دراز چوٹی کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"زیب! میں تو تمہیں ہمیشہ کیلئے اس گھر کی میز بان بنانا چاہتا ہوں اور اس کی آواز کی گھمبیر تا زیب کی سماعتوں سے ہوتی ہوئی دل کے تاروں کو چھیڑتی چلی گئی تو وہ گھبرا کر واپسی کیلئے مڑی مگر وہ دروازے میں ایستادہ تھا وہ بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔"

"جانے دیں پلیز"

"رک جائیں پلیز۔" شوخ مسکراہٹ کے ساتھ بلال نے بھی اسی انداز میں کہا تو وہ ملتجی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بلال پلیز' جانے دیں' مامی کو ذرا بھی خبر ہو گئی تو۔"

"تو کیا ہو گا ہاں کیا ہو گا۔"

وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس سے پوچھ رہا تھا۔ زیب نے شاکی سی نظر سے اسے دیکھا۔ آپ' آپ کچھ نہیں جانتے بلال! کہ کیا ہو گا انجان ہیں آپ' آپ کو کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہو جائے گا۔"

زیب کا شاکی لہجہ بھیگ گیا تو بلال اس کے قریب آ گیا۔

"زیب! مجھے سب معلوم ہے بلکہ وہ کچھ معلوم ہے جو تم لوگوں کو معلوم نہیں مگر دیکھو زیب! تم لوگوں نے ان کے خوف کا ایک حصار اپنے گرد کھینچ لیا ہے اور یہ حصار روز بروز تم لوگوں کے گرد تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ تم لوگ اسے توڑنے کی کوشش کرنے کے بجائے اسے تنگ کر رہے ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تم سب اس خوف کے حصار سے نکل آؤ اور میں ان شاءاللہ تم سب کو اس پریشانی سے باہر نکالنے کی کوشش کروں گا۔ اپنائیت بھرے لہجے میں بولتا کتنا اپنا سا لگ رہا تھا۔

"لاحاصل کوشش مت کریں بلال! ہمیں اسی حصار میں زندہ رہنا ہے اور وہیں مرنا ہے یہ ہی ہماری تقدیر ہے۔"

اس کے ٹوٹے لہجے میں ڈھلے الفاظ بلال کو تڑپا گئے۔ آج پہلی بار وہ روبرو تھی تو کوئی اچھی اور خوش کن بات نہیں ہو رہی تھی۔

"تقدیر بدل بھی سکتی ہے انسان کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو بہتر بھی ہو سکتا ہے۔ اور دیکھنا ایک دن ان شاءاللہ سب کچھ بدل جائے گا۔"

بلال اسے مایوسی کے اندھیرے سے نکالنا چاہتا تھا۔

"میری آنکھیں خواب دیکھنے کی عادی نہیں ہیں بلال! اور نہ ہی میں ان کو یہ عادت ڈالنا چاہتی ہوں۔ پلیز۔ کوئی خواب مت سجائیں میری آنکھوں میں' اس لئے کہ ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں انسان کی بینائی چھین لیا کرتی ہیں اور میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ۔"

"زیب! میں تمہاری آنکھوں میں تعبیر نہ پانے والے خواب نہیں سجاؤں گا۔ دیکھنا ان شاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا ایک میں اور تم۔

"بلال! مجھے جانے دیں۔"

زیب نے محسوس کیا... کہ وہ خوابوں کی رہ گزر پر چل پڑا ہے۔ اس کا ہاتھ تھامے اور وہ کوئی ایسا خواب دیکھنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

"پلیز زیب! یہاں تو مت کتراؤ مجھ سے تم ہمیشہ مجھ سے کترا کر گزر جاتی ہو۔وہاں تو وجہ سمجھ میں آتی ہے مگر یہاں تو ایسا نہ کرو۔یہ تو میرا گھر ہے جو ایک روز تمہارا بھی ہو گا۔"

بلال نے پر اعتماد لہجے میں کہا تو وہ کچھ دیر کیلیئے اس کی روشن آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر رہ گئی۔کتنے خواب' کتنے ارمان جگمگا رہے تھے اس کی آنکھوں میں۔جی چاہا کہ آگے بڑھتے بلال کو روک دے۔کہہ دے کہ تم بھی مت ایسے خواب دیکھو جن کی کوئی تعبیر نہیں۔ان کے مقدر نے ان کو اتنی اجازت ہی کب دی ہے کہ وہ کوئی خواب آنکھوں میں سجائیں۔

"میں چلوں۔امی' اب اٹھنے والی ہوں گی۔"

وہ اسکے ایک سائیڈ سے راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تو وہ...سامنے سے ہٹ گیا۔

"تم میرے پاس ٹھہرنا نہ چاہو یا اپنی موجودگی کی خوشی نہ دینا چاہو تو الگ بات ہے ورنہ وہ تو اپنے میکے والوں کی تعریفوں میں مگن ہیں اور جب وہ اس کام میں مصروف ہوں تو اور کسی بات کا ان کو ہوش نہیں ہوتا تم جانا چاہتی ہو تو جاؤ اور اگر تمہیں گوارا نہیں تو میں کبھی تمہاری راہوں میں نہیں آؤں گا۔"

وہ روٹھے روٹھے لہجے میں بولا تو وہ چونک کر مڑی۔وہ اس سے خفا خفا سا کھڑا تھا جس کا تصور ہی گھٹن میں بہار کے لطیف جھونکے کی مانند... ہوتا تھا جو غیروں کی اس دنیا میں اپنا تھا وہی خفا ہو گیا تھا۔

"بلال! آپ تو خفا نہ ہوں"

اس نے آہستگی سے کہا تو بلال نے مڑ کر اسے دیکھا۔اس کی خفگی کے خیال سے پریشان سی زیب اسے بہت اچھی لگی۔

"طلال! یہ بلال کہاں رہ گیا ہے؟ پتہ کرو کہاں گیا ہے۔"

اس سے قبل کہ بلال کچھ کہتا رابعہ بیگم کی آواز گونجی تو وہ زیب کو دیکھتا باہر نکل گیا۔اس طرح کہ کسی کو اس کے گھر آنے کا پتہ ہی نہ چلے۔زیب نے گیٹ سے باہر نکلتے بلال کو دیکھا اور ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

"زیب! تم کہاں تھیں اتنی دیر سے؟"

عمرانہ کو اسے دیکھتے ہی اس کی موجودگی کا خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"یہیں تھی کچن میں۔گلاس دھو رہی تھی۔"

زیب نے قالین پر نظر جماتے ہوئے کہا مبادا وہ کچھ بھانپ لیں۔

"ارے بیٹا! رہنے دیتیں۔بس کام ہی تمہارے نصیب میں لکھے ہیں دو چار گلاس ہی تو تھے۔"

رابعہ بیگم نے پیار سے اسے دیکھا۔

"کوئی ایسا بڑا کام نہیں کیا میں نے آنٹی! بیکار بیٹھنا بھی۔اچھا نہیں لگتا۔"

"ہاں عادت جو نہیں آرام کرنے کی ہر وقت بس کام کام اور صرف کام ہوتا ہے۔تم لوگوں کے ہاں تو۔"

رابعہ بیگم نے تیکھی نظروں سے عمرانہ کو دیکھا جواب اپنا خریدا ہوا سامان سمیٹ رہی تھیں۔

"اچھا بھابی! اب اجازت دیں۔ باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا کہاں گیا یہ طلال۔ ارے بھئی' طلال میاں' جیسے لے کر آئے تھے اب چھوڑ کر بھی آئو۔ اپنی

گاڑی میں۔"

عمرانہ وہیں سے بیٹھ کر بلند آواز میں بولیں۔

"آداب آنٹی!" اسی وقت بلال اندر داخل ہوا۔

"جیتے رہو' کیسے ہو بلال؟ ہم تو اتنی دیر سے آئے ہوئے ہیں تم نظر نہیں آئے۔"

"جی آنٹی! میں اپنے دوست کے ہاں گیا ہوا تھا۔ ابھی آیا ہوں اور یہ کیا' آپ تو جانے کو تیار نظر آ رہی ہیں۔"

بلال نے ایک گہری نظر زیب پر ڈال کر یہ ہی احساس دلایا کہ وہ ابھی گھر آیا ہے۔

"ہاں بیٹا! بڑی دیر ہو گئی ہم تو شاپنگ کر رہے تھے کہ طلال ہمیں اغوا کر لایا اور اب جانے کہاں چھپا ہوا ہے۔"

"چھپا ہوا نہیں ہوں' آنٹی! تیار ہو رہا ہوں جانے کو۔"

طلال اپنی ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا آگیا۔

"طلال بھائی! آپ واقعی ان لوگوں کو چھوڑنے جا رہے ہیں۔"

بلال نے طلال کو کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ طلال سمجھ کر شوخی سے مسکرا دیا۔"

ہاں بھئی میں ہی لے کر آیا ہوں' چھوڑنے بھی میں ہی جائوں گا' کیوں زیب۔"

طلال نے شوخی سے زیب سے پوچھا۔ وہ تو بس دونوں کو دیکھ کر رہ گئی۔

"جی نہیں' آپ ان لوگوں کو چھوڑنے نہیں جا رہے۔ ویسے بھی آپ کی تیاری بتا رہی ہے کہ آپ کہیں اور جا رہے ہیں۔ آنکھوں کی چمک بڑھانے؟

بلال بھی سمجھ گیا کہ وہ کہاں جا رہا ہے محض اسے تنگ کرنے کیلئے جملے بازی کر رہا تھا۔

"بڑے سمجھدار ہو گئے ہو' مجھے راستے میں کہیں ڈراپ کر دینا اور ان لوگوں کو گھر چھوڑ آنا۔"

طلال نے ایک نظر زیب پر ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئے۔

"چلو جلدی کرو بلال بیٹے! نومی نے باپ کو پریشان کر رکھا ہوگا۔"

عمرانہ اپنا آپ سمیٹ کر بلال کی طرف بڑھیں۔ زیب نے بھی اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا۔

"زیب بیٹا! دو چار دن رک جائو' بھئی آخر ہم بھی تمہارے کچھ لگتے ہیں۔"

ظہیر صاحب نے زیب کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا بلال ایک دم خوش ہو گیا اور پر امید نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ جیسے فیصلہ کرنا اسی کے اختیار میں ہو۔

"اس بیچاری سے کیا کہہ رہے ہیں۔ ظہیر! عمرانہ سے بات کریں کیوں عمرانہ چھوڑ جائو۔ اسے چند روز کیلئے۔ ایک عرصے کے بعد تو آئی ہے۔

رابعہ بیگم بھی شوہر سے پوری طرح متفق تھیں۔ انہوں نے ساری ذمہ داری عمرانہ پر ڈال دی۔

"واہ بھابی! یہ کیسے ہو سکتا ہے میں اسے چھوڑنے والی کون ہوں۔ آسیہ بھابی اور زاہدہ بھابی سے بھی تو اجازت نہیں لی ویسے بھی زیب کے بغیر سارے کام رک جاتے ہیں۔"

"ہوں کام رک جاتے ہیں۔ ملازمہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔"

بلال نے غصہ سے عمرانہ کو دیکھتے ہوئے سوچا پھر زیب کو دیکھنے لگا جو عمرانہ کی بات پر سوچ رہی تھی کہ اس کی ماں کا نام ہی نہیں گویا آسیہ اور زاہدہ ہی اس کی مالک تھیں۔ وہی اجازت دے سکتی تھیں۔

"اچھا بیٹے! زیب! خدا حافظ' میں تو نماز پڑھنے جا رہا ہوں پھر کبھی موقع ملے تو ضرور آنا۔" ظہیر احمد اسے پیار کر کے مسجد جانے کیلئے باہر نکل گئے۔ عمرانہ گیراج میں کھڑی گاڑی میں اپنا سامان رکھنے لگیں۔

"بلال ذرا ڈگی کھولو' یہ سامان رکھنا ہے۔"

"لائیے میں رکھتا ہوں۔ ڈگی میں پہلے ہی کچھ سامان پڑا ہے۔"

بلال نے ان کا سامان پچھلی سیٹ پر رکھتے... ہوئے کہا۔ "ارے بھئی' زیب کہاں بیٹھے گی۔ ساری سیٹ پر تو سامان ہی آ گیا۔"

"اوہو یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں' چلیں زیب آگے بیٹھ جائے گی۔

بلال نے زیب کو آگے بٹھانے کی اس دانستہ کوشش کو اس طرح چھپایا کہ زیب کو ہنسی آ گئی۔

"میڈم! تشریف رکھئے۔" بلال دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کا کہہ رہا تھا وہ بیٹھنے کو تو بیٹھ گئی مگر ایک خیال تیر کی تیزی سے آیا اور دل میں پیوست ہو گیا۔ کہ اگر شوبی نے دیکھ لیا تو وہ اس کی طنزیہ باتوں کو کس طرح برداشت کر پائے گی۔ شوبی اور تو سب کو معاف کر سکتا تھا مگر بلال کے ساتھ اسے دیکھ کر تو وہ جنونی ہو جایا کرتا۔

"مامی: آپ آگے آ جاتیں تو اچھا تھا۔"

اس نے چور سی نظر بلال پر ڈالی اور آہستگی سے کہا مگر بلال نے انتہائی تیز نگاہ اس پر ڈالی اور ایک جھٹکے سے ریورس گیئر لگا کر گاڑی فل اسپیڈ میں چھوڑ دی۔ زیب سمجھ گئی تھی کہ اسکا موڈ کس بات پر آف ہوا ہے۔ تمام راستہ بلال نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا بھی نہیں۔ بس خفا خفا سا گاڑی ڈرائیو کرتا رہا اور وہ جلتی رہی۔ بلال بھی تو سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بچہ بنا ہوا تھا۔ اس سے خفا ہو رہا تھا۔ ایک تو شوبی کا خوف تھا دوسرے بلال کی خفگی کا احساس وہ بس ان ہی دو

احساسات کے ساتھ سفر کرتی رہی اور عین ان کے گیٹ کے سامنے جب گاڑی کے بریک چرچرائے تو وہ حواسوں میں لوٹ آئی۔ غنیمت تھا کہ سامنے کوئی نہیں تھا۔ خصوصاً شوبی اس نے شکر کیا عمرانہ نیچے اتر کر سامان اتار رہی تھیں زیب بھی اترنے لگی مگر بلال نے آہستگی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ سرتاپا کانپ گئی کسی نے دیکھ لیا تو قیامت آجائے گی۔

''زیب! میں جانتا ہوں تم کیوں خوف زدہ ہو تمہارا خوف بھی بجا ہے لیکن اگر سمجھو تو میں تمہارا ہوں صرف تمہارا۔''

بلال... خفگی بھرے لہجے میں اسے اپنے مخلص ساتھ کا یقین دلا رہا تھا جس کے بارے میں وہ سوچتے ہوئے بھی ڈرتی تھی وہ جس سے ہمیشہ کترا کر گزر جاتی تھی وہی ہر قدم پر ہر گام پر اپنے خلوص کی بانہیں پھیلائے اس کا منتظر تھا لیکن کیا ستم ظریفی تھی کہ چاہنے کے باوجود اسے مثبت جواب نہیں دے سکتی تھی۔ اس لئے کہ وہ جانتی تھی۔ زاہدہ بیگم اور صائمہ کیلئے بلال کیا حیثیت رکھتا ہے اگر گھر میں کسی کو بھنک بھی پڑ گئی تو بہت رسوائی ہوگی اوپر سے شوبی کے طنز 'اُف یہ سب کچھ تو وہ کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''بلال! آپ تو بہت سمجھدار ہیں میں آپ سے کہہ چکی ہوں مت خواب دیکھیں اور دکھائیں۔ ہمارے خوابوں کی راہ گزر بہت پر خار ہے۔ آپ کے پاؤں بھی زخمی ہو جائیں گے۔ اور میری روح تو پہلے ہی زخمی ہے۔''

اور وہ جو کسی... لطیف بات کا منتظر تھا اس کی بات پر بے مزا ہو گیا۔ اس نے زور سے دروازہ کھولا باہر نکلا اور زور سے بند کر کے آگے بڑھ گیا۔

''بلال! یہ ہی تو ہماری کم نصیبی ہے کہ کوئی ہمیں نہیں سمجھتا۔ کوئی ہماری مجبوریوں کو نہیں سمجھتا۔ بس اپنی من مانی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

زیب دکھ کا احساس لئے عمرانہ کا سامان اٹھا کر اندر آگئی۔ وہ شکر ادا کر رہی تھی کہ کسی نے نہیں دیکھا تھا اندر آئے تو گھر بھر کو فکر مند پایا۔

عمرانہ تم نے تو حد کر دی کہاں رہ گئی تھیں تم لوگ خیریت تو تھی؟''

''سوری بھابی جان! طارق روڈ پر طلال مل گیا تھا وہ ضد کر کے ساتھ گھر لے گیا پھر رابعہ بھابی کو تو آپ کو پتہ ہے۔ اتنے اخلاق سے ملتی ہیں کہ بندے کا اٹھنے کو جی نہیں چاہتا' بس وہیں دیر ہو گئی۔''

تو عمرانہ ظہیر بھائی کے گھر سے فون کر دیا ہوتا۔ خدا جانتا ہے بہت برا حال ہوا ہے۔ کیسے کیسے وہم نہیں آئے اس دوران۔''

نسیمہ بیگم نے زیب کو دیکھا تو ان کی جان میں جان آئی۔

''میں بتا رہی ہوں ناں۔ باتوں میں احساس ہی نہیں رہا۔ شذرا! یہاں آؤ یہ سامان میرے کمرے تک لے جاؤ اور یہ نومی کہاں ہے نظر نہیں آ رہا۔''

وہ سامان کے پیکٹ شذرا پر لادتی ہوئی ادھر ادھر دیکھ کر نومی کا پوچھ رہی تھیں۔

''ماموں کو بہت پریشان کر رہا تھا۔ الٹی سیدھی ضدیں کر رہا تھا۔ حسب عادت ماموں نے شعیب بھائی کے ساتھ باہر بھیجا ہے۔''

''اور خود کہاں ہیں فیاض؟''

''بڑے ماموں کے کمرے میں میٹنگ ہو رہی ہے وہیں ہیں تینوں ماموں۔''

شذرا ان کے سامان کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے ساری تفصیل بتا رہی تھی۔

''ہونہہ اپنے لئے ہر اوٹ پٹانگ چیز کیلئے پیسے آجاتے ہیں اور ہم ضرورت کیلئے بھی مانگیں تو کورا جواب اللہ سمجھے گا بے انصاف لوگو۔''

شذرا نے سامان ان کے کمرے میں پٹخنے کے انداز میں رکھا اور جلدی سے باہر آگئی۔ مبادا چار چھ کام اور بتا دیئے جائیں اور اس وقت وہ کسی کام کے موڈ میں نہیں تھی۔

''ارے شذرا! تم کہاں چلیں؟ ہم لوگ تو آئس کریم کھانے جا رہے ہیں؟''

جمال اور منیب وہیں... مل گئے وہ ابھی جواب دے بھی نہیں پائی تھی کہ اسد بھی کمرے سے باہر آگیا۔

''احمق لڑکو۔ محلے بھر کو انوائیٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔ گاڑی میں جگہ کہاں ہو گی۔ کوئی فضول بندہ نہیں جائے گا۔''

اسد نے ازلی دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شذرا کو دیکھا۔

''پھر تو تم بھی نہیں جا رہے ہو گے اسد احمد۔''

شذرا نے دانت پیس کر کہا تو جمال اس کے جملے پر منیب کو دیکھ کر مسکرا دیا اور پھر ان دونوں نے کتنا ہی زور لگایا مگر شذرا کو نہ جانا تھا نہ گئی۔

زیب نے شکر کیا تھا کہ شعیب گھر سے باہر ہے تو اسے بلال کے ساتھ آنے اور اس کے ساتھ بیٹھنے کی خبر نہیں ہوئی ہو گی۔ اسی لئے وہ دبے پاؤں کچن میں آکر نسیمہ بیگم کے ساتھ کام میں مصروف ہو گئی۔

''امی! پتا ہے' مامی نے آج کتنی شاپنگ کی ہے۔ ایک سے ایک مہنگا کپڑا' جوتے گھر کی چیزیں پتا نہیں کیا کیا جن چیزوں کی ضرورت بھی نہیں تھی وہ بھی انہوں نے خریدیں وہ روٹی توے پر ڈالتی تفصیل بتا رہی تھی نسیمہ بیگم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''زیب! میری جان! تم تو بہت صبر والی ہو پھر یہ باتیں کیوں؟''

امی جان! میں ان سے حسد نہیں کر رہی مگر دکھ ہو رہا تھا کہ صدف کے اسکول میں پارٹی تھی۔ آپ نے پہلے بڑی مامی کو کہا پھر چھوٹی مامی کو کہا مگر یہ سننا پڑا کہ نسیمہ بیٹیوں کے نخرے کم کرو' ہم سے یہ فضولیات پوری نہیں ہوتیں۔ عمرانہ مامی نے بہت تیر مارا اور مارکیٹ کا سب سے گھٹیا کپڑا اسے لا کر دیا۔ امی کیا یہ اپنے بچوں کیلئے ایسی شاپنگ کر سکتی ہیں؟''

زیب صبر و شکر میں ماں پر گئی تھی مگر آج جانے کیوں دل بوجھل ہو رہا تھا۔ اس ناانصافی پر بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ آج تو بہت سی باتیں غیر معمولی ہوئی تھیں۔ شاپنگ اور مامی کی بے انصافی پر دل کڑھ رہا تھا پھر بلال کی سنگت میں گزرے چند لمحے پھر اس کی ناراضگی تو یہ تمام دکھ وہ کس سے کہتی ماں ہی اس کی دوست دمساز تھی۔

قسمت کی بات ہوتی ہے بیٹا! جب ہمارے مقدر میں ہی اللہ پاک نے یہ کچھ لکھا ہے تو پھر ہم کیونکر اسے بدل سکتے ہیں۔ چلو نارمل ہو جاؤ۔ تم تو میری بہت صابر بیٹی ہو میں تمہاری طرف سے تو مطمئن رہتی ہوں اور صدف کی طرف سے بھی ورنہ شذرا کی طرف سے تو مجھے دھڑکا ہی لگا رہتا ہے۔ چلو شاباش ایسا نہیں سوچتے۔ اللہ کی پاک ذات پر بھروسا رکھتے ہیں۔ ایک دن آئے گا کہ وقت کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہو گی۔ انشاء اللہ وقت بدلے گا۔

ان...ماں بیٹیوں کی یہ ہی عادت تھی جب بیٹیاں اپ سیٹ ہوتیں توماں ہمت کی دیوار بن جاتیں اور جب کبھی ماں ہمت ہارتی تو بیٹیاں ڈھال بن جاتیں اور ایک دوسرے کو تسلی دے کر خوش آئند وقت کی جھلک دکھا کر خوش ہو جاتیں۔

"امی! اب آپ بس کریں صبح سے لگی ہوں گی کاموں میں۔اب میں کر لیتی ہوں آپ جائیں آرام کریں۔"

نسیمہ بیگم خود بھی بہت تھکن محسوس کر رہی تھیں اسے دعائیں دیتی اپنے کمرے میں آ گئیں۔زیب اپنے دھیان میں گم روٹیاں پکاتی رہی مگر اپنے کام میں مصروف وہ نہیں جانتی تھی کہ شعیب کب سے آ کر کھڑا اسے دیکھ رہا ہے۔اس نے اچانک ہی مڑ کر دیکھا تو اسے دیکھ کر...چونک سی گئی۔

"کب آئیں سیریں کر کے؟" وہ مخصوص چبھتے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"میں سیریں کرنے نہیں گئی تھی عمرانہ مامی کے ساتھ شاپنگ کیلئے گئی تھی۔اسے لفظ سیریں بہت برا لگا تھا۔

اور پھر شاپنگ کے بعد؟ وہ جانے کیا اگلوانا چاہ رہا تھا۔

"پھر طلال بھائی مل گئے۔وہ زبردستی اپنے گھر لے گئے۔" وہ اپنا کام جاری رکھے ہوئے تھی۔

"طلال یا بلال مل گیا تھا۔شعیب کے شکی لہجے میں زہر گھل گیا۔

"مجھے غلط بیانی کی ضرورت نہیں۔طلال بھائی لے کر گئے تھے۔"

وہ ذرا سخت لہجے میں بولی۔یوں مجرمانہ سی تفتیش پر اسے شدید تاؤ آ گیا تھا۔

"اگر طلال لے جا سکتا تھا تو گھر بھی تو چھوڑنے آ سکتا تھا۔"

وہ خالصتاً وکیلوں والا انداز اختیار کئے ہوئے تھا اور اسے انتہائی بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ مجھے نہیں معلوم' بہر حال ان کو کسی دوست کے ہاں جانا تھا۔اس لئے انہوں نے۔" وہ اس ستمگر کے سامنے بلال کا نام تک نہ لے سکی۔

"ہاں' یہ ساری پلاننگ تو میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ طلال کا تمہیں گھر لے کر جانا پھر بلال سے ملاقات ہونا اور بلال کا چھوڑنے آنا یہ تو طے شدہ پروگرام تھا میں جانتا ہوں۔"

"شعیب بھائی! پلیز میں نہ خود سے گئی تھی اور نہ کسی سے ملاقات کا پروگرام تھا یہ محض اتفاق تھا۔پھر مامی خود گئی تھیں میں نے تو نہیں کہا تھا۔"

وہ زچ ہو کر روہانسی ہو گئی۔

"چلاؤ مت واپسی میں اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھیں ناں۔جھوٹ مت بولنا اس لئے کہ میں نے راستے میں تم لوگوں کو دیکھ لیا تھا۔"

شعیب عجیب غلط اور مشکوک انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔اس کا جی چاہا۔اتنے بدگمان شخص کے منہ پر تھپڑ دے مارے مگر اسے ضبط کرنا تھا۔

''مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں فرنٹ سیٹ پر اس لئے بیٹھی کہ پیچھے مامی اور ان کا سامان تھا۔''

''سامان کیلئے ڈگی موجود ہوتی ہے گاڑی میں۔''

وہ انتہائی کمینہ ہو رہا تھا۔ اس وقت بال کی کھال اتارنے کے درپے تھا۔

''مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔''

وہ زچ ہو کر باہر کی طرف لپکی مگر شعیب عین اس کے سامنے آ گیا۔

''میں کچھ بھی چاہوں زیب مراد! مگر یہ ہر گز نہیں چاہوں گا کہ تم بلال سے کوئی تعلق رکھو۔ بات کرو' میں اس کا سایہ بھی تم پر نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے کہ میں' میں تمہارے بارے میں کچھ اور سوچتا ہوں اور کیا چاہتا ہوں۔ یہ بھی بہت جلد منظر عام پر آ جائے گا۔ تب دیکھوں گا۔ یہ بلال کس طرح تمہیں فرنٹ سیٹ پر بٹھاتا ہے اور سیریں کراتا ہے کیا سمجھیں۔''

وہ بد تمیز تلخ اکھڑ لہجے میں خوف ناک باتیں کرتا ہوا اس کے حواس اس کی ساری عقل اپنے ساتھ لیتا گیا۔ اس نے بمشکل تمام خود کو سنبھالا۔ اس میں ہمت ہی نہیں تھی کہ بلال کا سامنا کرتی۔ وہ کھانا کھائے بغیر ہی کمرے میں آ گئی کیونکہ اب صائمہ ایکٹو ہو گئی تھی جب بھی بلال یا اس کے گھر والے آتے تو فائزہ' صائمہ ایکٹو ہو جایا کرتی تھیں اور آج بھی صائمہ ہلکا سا میک اپ کر کے خوب چہک رہی تھی۔ بار بار بلال کے سامنے جانا۔ خوامخواہ ہی اسے مخاطب کرنے کی کوشش کرنا یہ سب ماں کی دی ہوئی ہدایات تھیں۔ بقول ان کے کہ اسی طرح تم بلال کا دل جیت سکتی ہو مگر وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ اس کھیل میں بعض اوقات انسان تمام تر کوشش کے باوجود ہار جاتا ہے اور کوئی نہ چاہتے ہوئے بھی جیت جاتا ہے۔

''صائمہ باجی کھانا لگوایئے۔ بڑی بھوک لگی ہے۔''

اسد نے تولیہ سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے صائمہ کو دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

''ہاں چندا! ابھی لگواتی ہوں۔'' خلاف معمول صائمہ کا لہجہ شیریں تھا۔

''آج تو صائمہ سے جو کہو' وہ مانے گی بھئی سب اپنے اپنے کام کروالو۔'' شعیب مسکراتا ہوا اندر آیا تو صائمہ اسے دیکھنے لگی۔

''کیوں بھلا میں کوئی... ملازمہ ہوں کہ سب کے کام کرتی پھروں۔''

''ارے احمق لڑکی بعض موقع ہوتے ہی ایسے ہیں کہ انسان سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہوتا ہے۔''

شعیب مستقل شوخ ہو رہا تھا۔

''کیا موقع ہے؟''

صائمہ جس کا دل کبھی شعیب کیلئے دھڑکتا تھا پھر اچانک ہی دھڑکنوں کی ٹریفک رکی اور رخ بلال کی طرف ہو گیا۔ ویسے بھی بد تمیز اکھڑ سا شعیب اب اسے پسند نہیں رہا تھا۔

''ارے بھئی' بلال صاحب آئے ہیں ان کے صدقے میں تو سب کا کہنا مانوں گی ناں۔''

''ہٹایئے بھی شعیب بھائی! ابھی تو ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں۔'' وہ بلال کے نام پر ایک دم جھینپ گئی۔

''تمہاری یہ ہی حرکتیں رہیں تو کبھی کوئی ایسی بات ہو بھی نہیں سکے گی۔''

شعیب بہت سوچ سمجھ کر اس طرف آیا تھا وہ صائمہ کو بلال میں الجھا کر زیب کا خیال بلال کی جانب سے ہٹانا چاہتا تھا۔

''میں سمجھ نہیں سکی' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''صائمہ واقعی نہیں سمجھ پائی تھی۔''

''اتنی بھولی تو تم ہو نہیں جتنا کہ ظاہر کر رہی ہو کہ تمہیں اپنے دوستوں' دشمنوں کی خبر نہیں رقیب ہر وقت سامنے رہتی ہے اور تمہیں ہوش نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' صائمہ کی تمام حسیات یکدم بیدار ہو گئیں۔ ان لوگوں نے تو زیب وغیرہ کو کبھی کوئی حیثیت دی ہی نہیں تھی اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی خطرہ محسوس کیا تھا۔

''مطلب یہ کہ زیب کی حسین شخصیت زہر قاتل ہے تمہارے لئے۔ بلال کیلئے اگر بلال کو اپنا بنانا ہے تو زیب سے ہوشیار رہنا پڑے گا۔ بلال تو بلال اس کے گھر والے بھی زیب کے بڑے مداح ہیں اس لئے میں نیک وبد حضور کو سمجھائے دیتا ہوں آگے تمہاری مرضی۔''

شعیب نے عین نشانے پر تیر مارا تھا۔ صائمہ چونک پڑی۔ اس نہج پر تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

''آپ نے محسوس کیا کچھ ایسا۔؟''

صائمہ تو یوں فکر مند ہو گئی گویا بلال کے ساتھ باضابطہ تعلق ہوا سکا۔

''محسوس کی بات کرتی ہو بی بی! بہت کچھ دیکھ چکا ہوں۔ بلال صاحب کی بڑی نظر عنایت ہے۔''

''مجھے پہلے ہی شبہ تھا۔ میں نے امی سے کہا تو امی نے ٹال دیا کہ بھلا وہ تیسرے درجے کی حیثیت رکھنے والی ہمارا مقابلہ کیونکر کر سکتی ہے۔ اسی لئے تو میں مطمئن تھی ہونہہ یہ زیب کتنی گھنی لڑکی ہے کہ حد نہیں کسی کو کانوں کان خبر نہیں۔ خیر ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں دیکھ لوں گی اس زیب کو بھی بہت لحاظ ہو گیا پھوپھو کا۔''

شعیب نے صائمہ کے دل میں شک کا بیج بو دیا تھا۔ اس سے اسے ہی فائدہ ہوا تھا کہ صائمہ زیب کا جینا دوبھر کرے گی اور وہ زیب پر اپنی حاکمیت جتاتا رہے گا۔

وہ مسکراتا ہوا باہر آ گیا۔ زیب تو ایسی گئی کہ پھر نہیں آئی بلال کی نظریں اسے ڈھونڈتی ہی رہیں مگر وہ نہیں تھی اس کا کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

''بلال بیٹے! تم بہت چپ چپ ہو۔ کچھ کھاؤ ناں۔''

زاہدہ بیگم تو بچھ بچھ جاتیں جب بھی وہ آتا۔

''ارے نہیں آنٹی! ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل میں بہت تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ صبح یونیورسٹی گیا پھر ایک دوست کے ہاں چلا گیا مگر آیا تو آتے ہی طلال بھائی نے کہا کہ آنٹی عمرانہ کو چھوڑ آؤ تو ادھر آ گیا۔ آرام کا موقع ہی نہیں ملا اس وجہ سے کچھ طبیعت مضمحل سی ہے۔''

بلال نے کچھ یوں اکتائے ہوئے لہجے میں سب کچھ کہا۔ گویا اسے یہ سب ناگوار گزرا ہو۔ وہ شعیب کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ زیب اور اس کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی یوں تو وہ زیب کے لئے سارے زمانے سے لڑ سکتا تھا مگر یہاں حالات ایسے تھے کہ وہ اس کا نام بھی محتاط انداز میں لیتا تھا۔ اس کی اس بات پر صائمہ تو مطمئن ہو گئی تھی کہ گویا بلال صرف اسی کا ہے۔ لیکن شعیب کو اس کی بات پر قطعی اعتبار نہیں آیا تھا۔ کھانے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر بلال واپسی کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''بلال بیٹے! طلال کا کیا حال ہے' اسے تو پھوپھو کا خیال آتا ہی۔ پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ وہ نہیں آیا۔''

''پھوپھو! میں بھیا کو آپ کا پیغام دے دوں گا۔ تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔ ندا' جمال۔''

بلال نے مسکرا کر ندا اور جمال... کی طرف دیکھا جو ابھی واپس جانے کے موڈ میں نہیں تھے۔

''ان کا فی الحال یہیں رہنے کا پروگرام ہے۔ چھٹیاں ہیں بلال بھائی عیش کرنے دیں بچوں کو' ابھی تو ہم نے پروگرام بنانے ہیں انجوائے منٹ کے۔''

ان دونوں کے بجائے اسد بولا تو بلال نے میز پر سے چابیاں اٹھائیں اور باہر آتے ہوئے اس نے ایک نظر زیب کے کمرے میں ڈالی۔ لائٹ جل رہی تھی پھر اسے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی وہ چونک کر مڑا تو شنذرا کھڑی تھی۔

''شنذرا! یہ تمہارے منہ پر بارہ کیوں بجے ہیں۔''

''آپ جو خفا ہیں ہم سے۔''

''خفا تم سے؟ کس نے کہا زیب نے۔ ارے نہیں شنذرا' وہ تو بس یوں ہی ذرا غصہ آگیا تھا ورنہ میں تم لوگوں سے خفا ہو سکتا ہوں بھلا۔ تم بتاؤ کچھ پریشان ہو۔ اپنے بھیا کو نہیں بتاؤں گی۔

بلال نے بڑے بھائیوں کے سے انداز میں کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''دیکھ رہی ہوں بلال بھیا کہ اگر ہمارے عمیر بھیا ہوتے تو آپ کی طرح ہوتے ناں۔''

اس کے لہجے میں حسرتوں کا کرب تھا۔ وہ ہمیشہ ہی یہ سوچا کرتی تھی کہ اگر عمیر بھیا ہوتے تو وہ کبھی بھی ان کم ظرفوں کے پاس نہ رہتے۔ ان کا اپنا گھر ہوتا' اپنی حکومت ہوتی۔

''شنذرا! میں نے تو تمہیں ندا اور ردا سے کم نہیں جانا۔ عمیر ہی بننے کی کوشش کی ہے مگر تم لوگ کم ظرف لوگوں کے درمیان میں ہو کہ میں چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتا لیکن تم کیوں پریشان ہو۔''

بلال نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو بے ساختہ کتنے ہی آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

''ارے یہ کیا۔ تم تو بہت باہمت اور مقابلہ کرنے والی لڑکی ہو پھر یہ کم ہمتی کیوں؟ لگتا ہے کوئی خاص بات ہے۔ اپنے بھیا کو نہیں بتاؤ گی۔''

بلال نے اس کا چہرا دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''بھیا! میں پہلے تو ڈاکٹر بننا چاہتی تھی مگر بڑی امی نے کہا کہ پہلے خرچ کم ہے۔ تمہاری تعلیم کا خرچ کون اٹھائے گا میں نے صبر کر لیا مگر میں اب ہومیو پیتھک میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہوں اور گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں میں چاہتی ہوں کہ آپ ساری انفارمیشن مجھے لا دیں تو میں وہاں ایڈمیشن لے لوں۔''

''بس اتنی سی بات ہے میں خود تمہیں لے کر جاؤں گا۔ ساری انفارمیشن لے کر آؤں گا۔ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اسی لئے تو کہتا ہوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہ ہوا کرو اور اپنے بھیا کو بتا دیا کرو۔ میں انشاءاللہ جلد ہی تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ چلو جاؤ۔ آرام کرو۔ اور سنو اپنی بقراط باجی سے کہہ دینا میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اس کے خوف اس کے خدشے میں بھی سمجھتا ہوں لیکن وہ تو مجھے اپنا جانے اپنا سمجھے اچھا چلو۔ اب جاؤ میں کل تو نہیں پرسوں آؤں گا ساری انفارمیشن لے کر۔''

''خدا حافظ بھیا! شنزرا پرسکون ہو کر واپس آگئی۔

آج شوکت حسین نے اپنے کمرے میں کاروباری میٹنگ طلب کی تھی اور خواتین کو اس لئے شامل کیا گیا تھا کہ وہ گھریلو بجٹ کو ضروریات تک محدود رکھیں۔

''مشتاق! اور فیاض تم دونوں بزنس میں سنجیدہ نہیں ہو۔ معلوم ہے کتنا نقصان ہوا ہے۔ اس بار ہمیں' میں اکیلا کیا کروں۔ تم دونوں کی عدم دلچسپی کاروبار کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ میں نے تم لوگوں کو اسی لئے بلایا ہے کہ اس کا حل سوچا جائے۔''

شوکت حسین نے باری باری دونوں بھائیوں کو دیکھا جن کا رویہ اب بھی غیر سنجیدہ تھا گویا ان کو پروا نہ تھی کسی بات کی۔

''یہ ہمارا مشترکہ کاروبار ہے۔ بھائی جان! نفع و نقصان ہمارا یکساں ہے۔ آپ تو سارا وقت آفس میں رہتے نہیں آپ کو کیا خبر کہ بزنس کیا کیسے جاتا ہے۔ ساری محنت میں اور فیاض کرتے ہیں پھر بھی آپ جانے کیا توقع رکھتے ہیں۔''

شوکت حسین دل کے مریض تھے اور دوسرے ان سے بڑے تھے۔ اس لئے سارے انتظامی امور انہوں نے ہی سنبھالے ہوئے تھے۔ دوسرے الفاظ میں مشتاق نے کہہ دیا تھا کہ کرتا دھرتا آپ ہیں محنت ہم کرتے ہیں شوکت بھی ہر بات سمجھتے تھے کہ بھائی کیا چاہتے ہیں اور ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں مگر وہ بڑے تھے اور ویسے بھی صبر و ضبط ان میں زیادہ تھا۔

''ٹھیک ہے ہم لوگوں کو آئندہ بھی مل کر چلنا ہے اگر کوئی شکایت ہے تم لوگوں کو تو بتاؤ۔ بہرحال ہمیں جو کچھ کرنا ہے مل کر کرنا ہے۔ مل کر رہنا ہے کیونکہ اس دنیا میں اتحاد و اتفاق سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں اور جب تک یہ موجود رہتی ہے کوئی باطل قوت انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی لیکن جہاں یہ طاقت کمزور پڑی وہیں گھر برباد ہوئے۔''

شوکت صاحب تو کبھی بھی یہ نہیں سوچ سکتے کہ ان کے چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ ان سے کوئی زیادتی ہو مگر ان دونوں کے دلوں میں اب بال آچکا تھا وہ ساتھ نہیں رہنا چاہتے تھے۔ فی الحال دونوں خاموش تھے۔

''کیوں فیاض! بہت خاموش ہو۔ تمہاری کیا رائے ہے؟'' شوکت صاحب نے فیاض کی طرف دیکھا جو اتنی دیر کی گفتگو میں بالکل خاموشی اختیار کئے ہوئے تھے۔

"آپ دونوں بڑے ہیں۔ بھائی جان جو فیصلہ کریں گے بہتر ہی ہوگا۔ ویسے میرا ذاتی خیال ہے کہ شعیب اب ماشاءاللہ جوان ہے کاروبار کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے' اسے تعلیم کے ساتھ بزنس پر بھی توجہ دینی چاہئے آپ تو اکثر بیمار رہتے ہیں بزنس پر خاص توجہ نہیں دے پاتے تو شوبی کو ادھر دھیان دینا چاہئے۔ فیاض نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو شوکت صاحب چپ سے ہوگئے۔ وہ شوبی کو دوران تعلیم ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتے تھے مگر اب بھائی بھی لگ رہا تھا کہ گریز کر رہے ہیں۔

"اچھا بھئی۔ دیکھو اس کی تعلیم کا ایک سال ہی تو رہ گیا ہے۔ پھر وہ تم لوگوں کے ساتھ آجائے گا۔ ہاں بھئی۔ خواتین اب آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ گھریلو بجٹ کم کرنے کی

کوشش کریں کیونکہ اب ہمارے بزنس کی وہ پوزیشن نہیں جو پہلے تھی فضولیات سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے۔"

شوکت صاحب نے پہلے بڑے تحمل سے فیاض کی بات کا جواب دیا اور پھر آسیہ اور زاہدہ عمرانہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو ان کی بات پر ناک بھوں چڑھا رہی تھیں۔

"ہمیں ہی خرچ کم کرنے کی ہدایات دیتے رہا کریں اور وہ جو پوری فوج کا خرچ اٹھتا ہے۔ ماں بیٹیاں عیش کر رہی ہیں مزے سے نہ کھانے کی فکر نہ اور کسی کا غم ان کو تو بس ضرورت پوری کرنے کیلئے پیسے چاہئیں۔ جو ان کو حیل وحجت کے بغیر مل جاتا ہے۔"

"آسیہ بھابی بالکل درست کہہ رہی ہیں پورے پانچ انسانوں کا سارا خرچ کھانا' پینا' پہننا اوڑھنا ان لوگوں کو تو ہاتھ ہلائے بغیر ہی سب کچھ مل جاتا ہے اور پابندیاں ہم پر لگائی جاتی ہیں کہ خرچ کم کرو' یہ نہ کرو' وہ نہ کرو۔"

دونوں خواتین کم ظرفی کی انتہا پر کھڑی تھیں۔ شوکت صاحب نے انتہائی دکھ سے بیوی اور بھاوج کو دیکھا۔

"آسیہ بیگم! خدا کسی انسان کو دوسرے انسان کا محتاج نہ کرے کیونکہ ہم انسان بے حد کم ظرف ہیں اگر خدا نے ہماری بہن کو بیوہ کر کے ہمارے رزق میں ان مظلوموں کا رزق بھی شامل کر دیا ہے تو اتنا ذلیل و کم تر نہ سمجھو ان لوگوں کو۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے اور زاہدہ! میری بہن تم نے کہا کہ ہاتھ پیر ہلائے بغیر۔ میں کیا اندھا ہوں نہیں دیکھتا نسیمہ اور اس کی بیٹیاں دن رات کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہیں۔ کیسی کیسی باتیں نہیں سننا پڑتیں ان لوگوں کو۔ عمیر بھی جانے کہاں کھو گیا وہ ہوتا اب تک جوان ہو چکا ہوتا میں خود ان لوگوں کو الگ کر دیتا مگر اب کیسے ان کو الگ کروں جوان لڑکیاں ہیں اور زمانہ ہم پر ہی تھو تھو کرے گا ایک ہی بہن تھی بیوہ تھی اس کو بھی دو وقت کی روٹی نہ دے سکے۔"

شوکت صاحب کے دل میں تو خوف خدا بھی تھا اور بہن کی چاہت بھی' اس لئے وہ تو بہن کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تھے جب کہ دوسرے ان سے قطعی متفق نہیں تھے۔

"ہونہہ! ان کے دل میں کچھ زیادہ ہی بہن کی محبت ہے دوسروں کو پرواہ بھی نہیں وہ اب تمام عمر ہی ہمارے سینے پر مونگ دلے گی۔ آسیہ بیگم جل کر سوچتی ہوئی باہر آگئیں ان کو اپنے شوہر سے یہ ہی شکایت تھی کہ وہ بہن بھانجیوں کے ہمدرد تھے۔ ان کی طرف داری کرتے تھے۔

''مامی! کوکنگ آئل ختم ہو گیا ہے رات کا کھانا پکانا ہے منگوادیں۔''

آسیہ بیگم پہلے ہی تپی بیٹھی تھیں شنذرا کی بات پر ابل پڑیں۔

''میری ہڈیوں سے نکال لو کوکنگ آئل۔ بی بی! یہ گھر ہے کوئی ہوٹل نہیں کہ اندھا دھند پکایا اور برباد کیا۔ ابھی پرسوں ہی تو آئل آیا تھا۔ اتنی جلدی کیوں کر ختم ہو گیا۔ تم ماں بیٹیوں کے ہاتھوں میں تو گویا سوراخ ہیں مجال ہے کسی چیز میں برکت ہو۔ مہنگائی نے الگ کمر توڑ رکھی ہے اوپر سے میاں صاحب فرماتے ہیں کہ میری بہن مظلوم ہے حد ہوتی ہے کسی بات کی آج کے دور میں اتنے ڈھیر سارے لوگوں کو پالنا' کھلانا اور پھر نام نہ نیکی برائی مفت کی نہیں ہے میرے پاس کوئی پائی پیسہ۔'' آسیہ بیگم تو آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں۔ اور بے نقط۔ سناڈالیں وہ جانتی تھیں کہ کچن میں بیٹھی نسیمہ بیگم سب کچھ سن رہی ہیں۔ وہ تو سدا سے سنتی اور جانتی تھیں مگر مجبوریوں نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی تھیں۔ انہوں نے شنذرا کو سختی سے گھورا کہ کوئی جواب نہ دے۔ شنذرا بھی کمال ضبط کا مظاہرہ کر گئی مگر رگوں میں اتر تا ذلت کا احساس تڑپا گیا۔ ''آپ خفا نہ ہوں بھابی! میرے پاس کچھ پیسے ہیں میں منگوائے لیتی ہوں۔'' نسیمہ بیگم ذلت و توہین کے احساس کے ساتھ آہستگی سے آگے بڑھیں تو بجائے نادم ہونے یا تکلفاً منع کرنے کے انہوں نے نخوت سے منہ موڑا اور آگے بڑھ گئیں۔

''اسد بیٹا! یہ پیسے لو اور کوکنگ آئل لے آؤ جا کر۔''

نسیمہ بیگم نے اپنے پرس سے دو سو روپے اسد کو نکال کر دیئے تو وہ کچھ دیر پیسوں کو دیکھتا رہا پھر اپنی مجبور بے بس پھوپھو کو دیکھا۔

''پھوپھو! اس گھر سے ابھی رحمت اتنی رخصت نہیں ہوئی کہ آپ۔ رکھیں ان کو اپنے پاس یہ بتائیں آپ کی دوائیں ہیں یا ختم ہو گئی ہیں؟'' اس نے نسیمہ بیگم کے ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

''ہیں بیٹا! تم فکر نہ کرو۔ مجھے ان پیسوں کا کرنا بھی کیا ہے۔ کھانا پینا سب کچھ تو ملتا ہے پھر انکی ضرورت کیا ہے۔ میں بھی گھر کے حالات کو سمجھتی ہوں۔ میرے بھائیوں کا کاروبار اچھا نہیں رہا۔ اس لئے مجھے خود ہی سوچنا چاہیئے لے لو چاند اور لے آؤ جا کر۔''

نسیمہ بیگم نے...اسکی پیشانی پر پیار کیا جو بڑی عجیب سی طبیعت کا مالک تھا منہ پر ہوتا تو ان ہی کا ہوتا ورنہ کئی باتیں جو اس نے شنذرا سے کی تھیں انہوں نے سنی تھیں اور اب وہ بالکل ان کا اپنا بنا پوچھ رہا تھا۔

نہیں پھوپھو! میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ بلکہ آپ کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ تائی جان تو بس ایسے ہی جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتی ہیں۔''

''نہیں بیٹے! کسی نے کچھ نہیں کہا۔ اپنی جگہ پر تو پتھر بھی بہت وزنی ہوتا ہے اور بے جگہ تو ہیرا بھی بے وقعت ہوتا ہے۔ مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں جس کا جو جی چاہے کہے۔''

نسیمہ بیگم نے اس ذلت اور توہین کو بڑے حوصلے سے اندر اتارتے ہوئے کہا وہ تو اسے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھیں آسیہ بیگم تو کیا خود تمہاری ماں کیا کم کرتی ہے ذلیل کرنے کا کون سا موقع ہوتا ہے جو وہ ہاتھ سے جانے دیتی ہیں مگر انہوں نے اپنے ہونٹوں پر ضبط کا قفل لگا رکھا تھا پھر وہ اصرار کرتی ہی رہ گئیں مگر اسد نے پیسے نہیں لئے اور خود ہی بازار جانے کیلئے نکلا شنذرا کو پتا چلا تو وہ پیسے لے کر اس کی طرف بھاگی۔

"پیسے لے کر جائو۔" اس نے اس کا نام لئے بغیر مخاطب کیا اور پیسے آگے بڑھائے تو اسد کو اتنا غصہ آیا کہ دل چاہا پیسے اٹھا کر اس کے منہ پر مارے مگر فی الحال ضبط کر گیا۔

"الحمد اللہ کنگلا نہیں ہوں میں' ہیں میرے پاس پیسے۔"

اسد نے بائیک پر پیر مارتے ہوئے کہا۔

"ہم بھی اتنے فقیر نہیں ہیں کہ اتنی ذلت کے بعد بھی کچھ نہ نکال سکیں یہ لو امی کے پیسوں سے آئل لائو۔" شنذرا نے رعونت بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

"اچھا تم امیر۔ ہو گئی ہو کہ ہمارے ہی دیئے ہوئے پیسوں کا رعب جما سکو۔ کہاں سے لئے ہیں تم نے یا تمہاری امی نے یہ پیسے؟ بتائو کہاں سے لئے ہیں بڑی باتیں بنانی آتی ہیں تمہیں۔"

اسد نے پیسے اس کے ہاتھ سے چھینے اور پھر اس کے منہ پر مار کر بائیک اڑا کر لے گیا اور وہ اس کے تیروں سے زخمی دل لئے اندر آ گئی۔ واقعی کتنی بڑی بھول ہوئی تھی اس سے کہ ان ہی کے دیئے ہوئے پیسوں کا اسی پر رعب جمایا تھا۔

"یا رب کسی کو اتنا بے وقعت نہ کر کہ وہ اپنی ہی نظروں میں گر جائے۔"

☆...☆...☆

فاروق احمد نے زندگی کو جس انداز میں لیا تھا بچوں کو جس طرح راہ پر چلنے کی ہدایت تھی اس پر اب تک سب ہی چل رہے تھے۔ بقول ان کے انہوں نے اپنی اولاد کو کیا نہیں کیا تھا۔ قابل رشک زندگی تھی لیکن اولاد کو سونے کے پنجرے میں حیات قبول نہیں تھی۔ اس لئے تو نبیل ان سلاخوں کو توڑ کر بیگم جان کے گھر جا پہنچا تھا۔ جہاں مہوش کے سحر خیز حسن نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ مہوش کے حسن اور ادائوں میں نبیل کو اپنی منزل مل گئی تھی۔ خزاں رسیدہ زندگی میں گویا بہار سی آ گئی تھی وہ بہت خوش رہنے لگا تھا۔

"یار! یہ وشی نے تو تمہاری کایا ہی پلٹ دی ہے۔ بہت خوش رہنے لگے ہو۔ کسی دن گھر والوں کو خبر ہو گئی تو چھترول ہو جائے گی۔"

امجد محسوس کر رہا تھا کہ وہ کتنا آگے جا چکا ہے حالانکہ وہ بحیثیت دوست اسے سمجھاتا رہتا تھا۔

"یار امجد! اب تو کچھ بھی ہو جائے میں وشی کو چاہنے لگا ہوں' اتنا کہ اس کے بغیر زندگی کا تصور کرتا ہوں تو دم گھٹنے لگتا ہے۔" یار تم نے دیکھا نہیں' وہ کتنی حسین ہے۔ اس کے بات کرنے کا انداز سچ میرا تو دل چاہتا ہے وہ بولتی رہے اور میں سنتا رہوں۔"

نبیل حسن و عشق کے نشے میں چور ہوئے جا رہا تھا۔

"حواسوں میں رہو نبیل! میں نے تمہیں صرف وہاں دل بہلانے کیلئے جانے کو کہا تھا دل لگانے کو نہیں۔ بہت مسئلہ ہو جائے گا۔ اب بھی وقت ہے لوٹ آئو۔" امجد تو واقعی پریشان ہو گیا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ نبیل کھیل کھیل میں اتنا سنجیدہ ہو جائے گا۔

''ناممکن۔اب واپسی ناممکن ہے امجد۔'' نبیل نے بے بسی سے کہا۔''

''ہاں' جب اسے چاہا ہے تو شادی بھی کروں گا۔''

''کیا تم اس سے شادی کرو گے ؟احمق شادی کرنی ہے تو کسی ہم پلہ لڑکی کا خاندان دیکھو ویسے بھی تمہارے ہاں شادیوں کا رواج تو ہے نہیں اور یہاں کیا ممی... پپا مان جائیں گے تمہارے یار! میری بات مانو کھیل کو کھیل ہی رہنے دو دل بہلاؤ اور لوٹ جاؤ بس ختم۔'' امجد نے اسے ہر طرح سے سمجھانا چاہا۔

''نہیں امجد! میں وشی سے شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں۔آندھی آئے یا طوفان اب ممی' پپا ہمیں خوشیاں حاصل کرنے سے روک نہیں سکتے۔بڑے بہن بھائیوں کا انجام سامنے ہے۔میرا اور تمہارا کیا خیال ہے کہ میں ان سے اجازت مانگوں گا تو وہ دے دیں گے۔ہرگز نہیں میں وشی سے شادی ضرور کروں گا خواہ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔ساری دنیا کے والدین خود اپنے ہاتھوں اولاد کی شادیاں کرتے ہیں اور ہم' ہماری بہنیں بھی بیٹھی رہ گئیں اور بڑے بھائی بھی مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔''

یوں تو جیل میں بے گناہ اور بے قصور قیدی بھی ہوتے ہیں مگر جیل کاٹ کر بھاگنے کا حوصلہ کسی کسی ہی میں ہوتا ہے۔اور یہ جرأت وہی قیدی کرتا ہے جو اپنی آزادی کو حاصل

کرنے کی ہمت رکھتا ہو اور نبیل کو یہ جرأت' یہ ہمت حسن و عشق نے دے دی تھی کہ وہ سب کچھ کرنے پر تیار تھا اور پختہ عزم کے ساتھ فیصلہ کر چکا تھا۔

''سوچ لو نبیل۔'' امجد اسے بار بار سمجھا رہا تھا۔

''سب کچھ سوچ کر کہہ رہا ہوں اگر تمہیں میرا ساتھ دینا ہو تو بتاؤ ورنہ۔''

آئندہ حالات کے مقابلے کیلئے نبیل کو امجد جیسے مخلص اور ہمراز دوست کی ضرورت تھی۔

''ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو میں تو تمہارا ہر طرح سے ساتھ دینے کو تیار ہوں مگر میں تمہیں سوچنے کا اس لئے مشورہ دے رہا ہوں کہ مہوش' بیگم جان کا انمول ہیرا ہے اسکی قدر و قیمت بھی اتنی ہی ہو گی۔'' امجد نے نبیل کو اپنی دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں امجد! کہ بیگم جان کیا چاہتی ہے لیکن مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہے کہ اس کی ہر ڈیمانڈ پوری کر سکوں۔'' نبیل نے پختہ لہجے میں کہا۔

سجل اور حنا کو علی نے بڑے اصرار سے انوائٹ کیا تھا صرف تیمور کی خاطر جو آج سفید کلف شدہ لباس میں بہت جچ رہا تھا اور علی اسے شوخ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ویسے میرا نہیں خیال کہ وہ لوگ آئیں گی۔'' علی نے چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

''تو نہ آئیں۔یہاں کون ان کا منتظر ہے۔تیمور کی نگاہیں بھی دروازے پر لگی تھیں قدرے بے زاری سے کہا۔

''آ گئیں۔ تیمور وہ دیکھو لیکن یہ لنگور ساتھ میں کون ہے۔؟''

☆...☆...☆

واقعی یار! یہ ہے کون' آج سے قبل تو نہیں دیکھا؟''

تیمور نے براؤن کڑھائی کے سوٹ میں ملبوس سجل کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس اجنبی کو دیکھا جس نے دونوں کو چونکا دیا۔

''ہاں' نمونہ پہلی بار دیدار کرا رہا ہے مگر دیکھنا حشر کیا کرتا ہوں اس کبوتر کا۔'' علی نے آستینیں اوپر چڑھائیں۔

''یار! تم تو ایویں خفا ہو رہے ہو نہ جانے کون ہو' کس لے آیا ہو' مگر تم ایسے جل رہے ہو جیسے وہ تمہارا رقیب ہو۔''

تیمور اسے آستینیں چڑھاتے دیکھ کر مسکرایا۔

''عجیب گاؤدی آدمی ہو یار! فدا وہ سجل پر ہو رہا ہے۔ رقیب اسے تم میرا بنا رہے ہو۔ قسم سے تمہاری عقل ماتم کرنے کے لائق ہے۔ رقیب وہ تمہارا ہے۔ خیر رقیب وہ تمہارا ہو یا میرا آج پورے دانتوں کے ساتھ گھر تو جائے گا نہیں۔''

علی کے بڑے جارحانہ تیور تھے' جبکہ تیمور بس مسکرائے گیا۔

''قسم سے تم اتنے ڈیسنٹ عاشق ہو کہ تمہارے سامنے کوئی اسے بیاہ کر لے گیا ناں تو تم یوں ہی مسکراتے رہ جانا جی تو یہ چاہتا ہے کہ اس سے قبل تمہیں بے دانت کر دوں۔''

''نادان دوست! اسے قریب تو آنے دو پتا تو چلے کہ وہ کون ہے؟ کیا حیثیت ہے اس کی خوامخواہ ہوا میں تیر چلائے جا رہے ہو اور پھر کیا خبر وہ کس کا رقیب ہے۔''

تیمور نے تحمل سے کہا۔ حالانکہ وہ خود بھی مضطرب تھا کیونکہ وہ خوبرو اور اسمارٹ بندہ مستقل سجل سے محو گفتگو تھا' مگر وہ نارمل رہا۔

علی پیچ و تاب کھا رہا تھا اور وہ قریب آ رہے تھے۔

''رقیب تمہارا ہو یا میرا' دیکھ لوں گا۔ ہائیں یہ میرا رقیب کس حساب میں کہا تم نے...؟'' بات کو سمجھ کر علی چونکا۔ قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا وہ لوگ قریب آ چکے تھے۔

''ہیلو...ہیلو! کیسے ہیں آپ لوگ؟'' حنا اور سجل خوش دلی سے آگے بڑھیں۔

''فائن! تھینکس فار کمنگ!''

تیمور نے مسکراہٹ کے ساتھ دونوں کا استقبال کیا وہ ساتھ آنے والے بندے سے ہاتھ ملا رہا تھا جبکہ علی رقیب جان کر کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

''میرا خیال ہے تیمور صاحب ہم لوگ وقت پر آ گئے ہیں یعنی نو بجے ہم پہنچ گئے مگر یہاں تو بارہ بج رہے ہیں۔'' حنا نے علی کو دیکھا۔

''جی نہیں' بارہ نہیں یہاں رقیب بج رہا ہے۔'' علی اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

''ہائیں' تو کیا آپ بھی رقیب رکھتے ہیں؟''
حنا نے خاصے چڑانے والے انداز میں کہا حالانکہ وہ اسکے موڈ کی خرابی کی وجہ قطعی نہیں جانتی تھی۔

''کیوں کیا مطلب ہے آپ کا میں کسی کو پسند نہیں کر سکتا ہزاروں رقیب ہیں میرے۔''
علی کچھ منہ پھلا کر یوں بولا کہ سجل سمیت سب ہنس پڑے۔
''ہوں تو کہیں کسی رقیب نے صبح ہی صبح ہاتھ تو نہیں دکھا دیا۔
سجل نے ہنس کر علی کو دیکھا۔
''جی ہاتھ تو میں اسے ایسے دکھاؤں گا کہ پھر نظر نہیں آئے گا۔''
سجل کے برابر میں کھڑے راحد کو دیکھ کر علی نے دونوں ہاتھ آپس میں مسلے۔
ارے مس حنا! کس کی باتوں میں آرہی ہیں' یونیورسٹی بھری پڑی ہے ان کے رقیبوں سے مگر یہ کسی کے محبوب نہیں ہیں۔''
تیمور نے سجل کے ساتھ کھڑی حنا کو دیکھا۔
''کسی خوش فہمی میں مت رہیے آپ ہی محبوب رکھتے ہیں...میں نہیں؟''
علی نے جل کر ایک نظر سجل اور دوسری تیمور پر ڈالی جو سنجیدہ سا ہو کر دوسری جانب مڑ چکا تھا۔
ارے تیمور! آپ تو اچھے خاصے عقل مند ہیں اور عاقل لوگ دیوانے کی بڑ کا برا نہیں منایا کرتے حنا نے مسکرا کر علی کو دیکھا۔
''نہیں بھئی' ایسی کوئی بات نہیں' میں تو عادی ہوں ان فضولیات کا۔ آپ نے ان سے تعارف تو کرایا ہی نہیں' تیمور' راحد کی طرف دیکھ کر بولا جو مستقل سجل سے باتوں میں مصروف تھا۔
''اوہو! سوری یہ راحد ہیں اور راحد! یہ تیمور حیدر اور علی ضیا ہیں ہمارے یونیورسٹی فیلو۔
''ہیلو'' حنا کے تعارف کرانے پر تیمور نے گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا پھر راحد نے علی کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔
'ارے بھئی' آپ تو ہماری مہمان ہیں سجل اور راحد صاحب! کیا یاد کریں گے کہ کس کے مہمان بنے تھے۔''
علی نے معنی خیز نظروں سے ان تینوں کو دیکھنے کے بعد تیمور کو دیکھا' جو اس سے کسی بھی الٹی سیدھی حرکت کی توقع کر سکتا تھا۔
''الٰہی خیر' عزت رکھنا'' بر گر کارنر کی طرف علی کو بڑھتے دیکھ کر سوچا۔
''میرے خیال میں ہم یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ راحد صاحب! ہم یونیورسٹی والوں کا یہ ہی ڈرائنگ روم ہے۔ تشریف رکھیں میرے خیال میں یہ سیٹ آپ کیلئے زیادہ مناسب رہے گی ہم لوگ تو عادی ہیں ان اذیت ناک سیٹوں پر بیٹھنے کے۔ کیوں حنا؟''
تیمور نے بر گر کارنر کے سامنے پتھروں پر بیٹھتے ہوئے کہا اور ایک قدرے ہموار اور مناسب پتھر مہمان ہونے کی حیثیت سے راحد کو پیش کیا۔ جس پر وہ

اپنی کسی ہوئی جینز کیساتھ بمشکل بیٹھ پایا۔

"ارے تیمور! یہ کیا جانیں کہ یہاں بیٹھ کر کیا لطف حاصل ہوتا ہے۔"

"ان جھاڑیوں میں ان تکلیف دہ پتھروں پر بیٹھ کر آپ لوگوں کو لطف آتا ہے؟"

راحد نے حیرت سے ان تینوں کو دیکھا اور بیزاری سے اس جھاڑی کو پیچھے ہٹایا جو اس پر جھکی جا رہی تھی۔

"اجی بندر کیا جانے ادرک کا مزا۔ ہم یونیورسٹی کے متوالوں سے پوچھئے کیا مزا ہے یہاں بیٹھ کر برگر کھانے میں۔"

علی جو آرڈر دینے گیا تھا' واپس آ کر شامل گفتگو ہوا۔

"یہ درست کہہ رہے ہیں راحد! ان کو یونیورسٹی سے اور اس جگہ سے اتنا پیار ہے کہ مدتیں گزر گئیں ٹیچرز کے بے حد اصرار پر بھی یہ یونیورسٹی چھوڑنے کو تیار نہیں۔"

حنا خوب ٹکر کی تھی علی کو وہ اسے گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"ابھی آ کر ادھار چکاتا ہوں۔"

"علی صاحب' کس کس کا ادھار چکائیں گے۔ پتا چلا کہ خود بھی ادھار میں اٹھ چکے ہیں۔"

سجل' تیمور اور راحد ان دونوں کی باتوں سے محفوظ ہو رہے تھے۔ "سن چھوٹے! ایک برگر میں مٹھی بھر مرچیں ڈالنا اور کوئی دس بارہ ہری مرچیں بھی رکھ دینا۔" علی نے برگر اور بوتلوں کے پیسے دیتے ہوئے ہدایت دی تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"آپ تو بہت کم مرچیں کھاتے ہیں پھر آج..."

"احمق! اپنے مہمان کے لئے بنوا رہا ہوں اور سنو یہ برگر وہ جو بندہ بیٹھا ہے ناں ستون سے ٹیک لگا کر اس کے سامنے رکھنا میں سموسے لے کر ابھی آیا۔"

چھوٹا ہدایت پر عمل کرتے ہوئے برگر راحد کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔

"آپ لوگ کیسے یہاں بیٹھے ہیں' دیکھیں تو کیا گر رہا ہے۔"

کسی پرندے کی وجہ سے راحد پر چند تنکے اور مٹی آ گری تو وہ پریشان ہو گیا۔

"اوہو بھئی' یہ تو ہمارے ڈرائنگ روم کی بدنامی ہو رہی ہے آپ یہاں آ جائیں۔ اس طرف کوئی جھاڑی نہیں ہے۔" تیمور نے اپنے قریب اسے جگہ بنا دی اور راحد کی چھوڑی ہوئی جگہ پر علی آ بیٹھا۔

"چلو بھئی' بسم اللہ پڑھو۔" علی نے مسکرا کر راحد کی طرف دیکھا اور برگر دانتوں سے کاٹا۔

"ہائے مر گیا مرچیں۔"

بدقسمتی سے وہ برگر جو راحد کیلئے بنوایا گیا تھا جگہ تبدیل ہونے کی وجہ سے علی کے حصے میں آ گیا تو پہلے ہی لقمے پر وہ اچھل پڑا۔

"ان کی دم پر کس نے پاؤں رکھ دیا۔"

حنا سمیت سب علی کو دیکھ رہے تھے' جس کی شکل عجیب مضحکہ خیز ہو رہی تھی ناک اور آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

''ان کو رقیب فوبیا ہو گیا ہے' بیٹھ جائو علی! اس عہد کے ساتھ کہ آیندہ کسی کیلئے گڑھا نہیں کھودنا ہے تیمور سمجھ چکا تھا کہ علی نے کیا حرکت کی ہے۔

''ہائے قسم سے زبان جل گئی۔ دل تو جلا ہی تھا' زبان بھی جل گئی۔ کمبخت چھوٹے نے اتنی زیادہ مرچیں ڈال دیں منحوس کو صرف ایک مٹھی ڈالنے کو کہا تھا اس نے تو لگتا ہے پائو بھر ڈال دیں۔ اف زبان جل گئی...اف۔اف!''

علی سی' سی کرتے ہوئے بولے جا رہا تھا' پھر ایک ہی سانس میں وہ پوری کولڈ ڈرنک چڑھا گیا۔

وہ تینوں بالکل بھی نہیں سمجھ سکے' مگر تیمور سب سمجھ گیا تھا۔

''کیا' کیا جائے' رقابت رشتہ ہی ایسا ہے جلن کا۔''

''ٹشو پیپر پکڑو اور منہ صاف کرو' انتہائی ڈرائونے لگ رہے ہو۔''

تیمور نے ٹشو نکال کر علی کی طرف بڑھایا مگر اس کے تو حواس ہی ٹھکانے پر نہیں آرہے تھے پوری ہری مرچ چبا گیا تھا۔

''حیرت ہے' ہمارے برگرز تو بہت اچھے ہیں' نارمل ہے سب کچھ' پھر ان کا برگر ایسا... کیوں ہے سجل باجی؟'' راحد نے حیرت سے علی کو دیکھا۔

''کیا...کیا...با...باجی! آپ سجل کے بھائی ہیں؟''

علی' ایک بار پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''جی نہیں' یہ میرا چھوٹا بھائی ہے اور سجل کو بھی باجی کہتا ہے۔ آج کسی کام سے یونیورسٹی آیا تھا ہم یہاں لے آئے' حنا نے اطمینان سے برگر کھاتے ہوئے کہا تو علی کا دل چاہا کہ بوتل اٹھا کر یا اپنے سر میں مارے یا تیمور کو جو معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے زہر لگ رہا تھا۔

''اب بتا رہی ہیں''پہلے بتا دیا ہوتا تو مرچیں میری زبان کی چولیں تو نہ ہلا تیں۔ السلام علیکم! بڑی خوشی ہوئی چھوٹے بھائی آپ سے مل کر کوئی خدمت ہو تو بتائیں'' علی نے... ہاتھ سے بوتل ایک طرف رکھ کر اس سے باقاعدہ مصافحہ کیا۔

''فی الحال تو خدمت یہ ہے کہ آپ اپنا چہرا مبارک صاف کر لیں' ورنہ ہم سب کا کھایا پیا باہر آجائے گا۔'' حنا نے اپنے بیگ سے ٹشو نکال کر علی کی طرف بڑھایا۔

وہ تینوں آپس میں لگے تھے اور تیمور کی نظریں سجل پر ٹھہری تھیں' جو نہ جانے کس گہری سوچ میں غلطاں تھی۔

ہم تیرے قرب کے احساس میں شاداں

اور تو کسی رقیب سوچ میں غلطاں

ہرجائی تجھ کو کہیں یا دیوانہ خود کو

سجل کو دیکھ کر تیمور کو یہ چھوٹی سی آزاد نظم یاد آگئی۔

""مس سجل! اس جلی زبان کی قسم! یہ پتھر مقامی ہے۔یونیورسٹی کا اپنا ہے۔انٹیک نہیں اور نہ ہی اتنا اہم کہ اتنے سارے لوگوں پر اس کو ترجیح دی جائے کہ ساری توجہ کا حقدار تو یہ پتھر ٹھہرا' یعنی کہ رقیب روسیاہو گیا یہ پتھر... کیوں تیمور؟"

علی بڑی تیز نگاہ رکھتا تھا۔وہ سجل کو بھی دیکھ رہا تھا اور تیمور کو بھی۔اس نے یوں کہا کہ سجل خجل سی ہو گئی اور ہاتھ میں پکڑا پتھر پھینک دیا' پھر خوامخواہ ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

وہ تو رات گھر میں ہونے والے ہنگامے میں ایسی گم ہو گئی کہ ارد گرد کے ماحول کا احساس ہی نہ رہا۔

""ارے نہیں' میں اللہ کی قدرت دیکھ رہی تھی کہ کتنا خوبصورت اور گول شیپ کا ہے۔"

سجل نے بڑی خوبصورتی سے اندر کے دکھ کو چھپا کر مسکراتے ہوئے کہا

""محترمہ! اگر آپ اسی طرح پتھروں کی خوبصورتی اور شیپ دیکھتی رہیں ناں تو کچھ لوگوں کے چہروں کی خوبصورت شیپ بگڑ جائے گی۔"

علی نے شوخی سے تیمور کی طرف دیکھا جو اسے گھورتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔پھر وہ تینوں ان کے تمام پروگرامز میں ان کے شریک رہے۔

علی کی شوخی اور معنی خیز باتیں تیمور کے دل کی ترجمانی بھی کرتی رہیں اور وہ اس کو گھورتا بھی رہا۔تمام وقت اس کے ساتھ کے احساس کے جلو میں گزر گیا۔ وہ ہمسفر ہو اور سفر زندگی بھر کا ہو۔ایسے ہی خوش کن خیالوں کی ہمراہی میں تیمور خاموش لبوں کے ساتھ آنکھوں کے دریچوں سے دل کے نہاں خانوں میں محفوظ کرتا رہا۔

آج کا سارا دن بہت مصروف اور رنگین گزرا تھا۔ سجل گھر آکر دیر تک ساری باتیں... یاد کرتی رہی اس کے پاس اور مصروفت ہی کیا ہوتی تھی گھر کی کوئی فکر کوئی ذمہ داری تو تھی نہیں نہ کام کاج' نہ ذمہ داری اس کی زندگی کی واحد خوشی اور مصروفیت تو یونیورسٹی اور اس سے وابستہ باتیں تھیں یوں تو یونیورسٹی میں گزرا ہر پل دل پر نقش ہو جایا کرتا مگر آج علی اور تیمور کی سنگت نے انوکھی سی خوشی بخشی تھی خصوصاً علی کی پر مزاح حرکتیں اور باتیں یاد کر کے وہ دیر تک مسکراتی رہی۔

""ہائیں بے بی! یہ کس بات پر مسکرایا جا رہا ہے پتا ہے مما پاپا نے تمہیں یوں اکیلے... مسکراتے دیکھ لیا تو فوراً کسی سائیکاٹرسٹ سے رجوع کریں گے کہ ہماری بے بی نفسیاتی مریض بن گئی ہے۔"

آمنہ جو اسے رات کے کھانے کیلئے بلانے آئی تھی' اسے یوں بیڈ پر لیٹے مسکراتے دیکھ کر بولی تو وہ جھٹ اٹھ کر بیٹھ گئی۔دراز بالوں کا جوڑا بنایا اور واش روم میں گھس گئی۔اب وہ اسے اپنی مسکراہٹوں کی کیا وجہ بتا سکتی تھی۔

""پپا! آپ نے گلاس فیکٹری کیلئے پلان تیار کرنے کو کہا تھا' وہ میں نے تیار کروالیا ہے آپ دیکھ لیں تو کام شروع کر دیا جائے۔"

""یہ کام تمہیں آج سے دو ماہ قبل کرنا چاہئے تھا۔اب تک تو فیکٹری پر کام شروع ہو جانا چاہئے تھا اور یہ کام میں چند روز میں کر سکتا تھا مگر میں تم لوگوں کو دیکھنا چاہتا تھا کہ کتنے ایکٹو ہو۔اینی وے... کھانے کے بعد تینوں میرے کمرے میں آجائو پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔"

کھانے کی میز پر اکثر بزنس پر باتیں ہوتیں اور وہ تینوں سر جھکائے کھانے میں مصروف رہتیں۔

"یہ فیکٹری ہوگی کس کے نام؟" صوفیہ بیگم نے مسکرا کر شوہر اور بیٹوں کو دیکھا۔

'ظاہر ہے ان ہی تینوں کی ہے' یہ ہی وارث ہیں' سب کچھ ان ہی کا ہے۔"

فاروق احمد نے یوں کہا گویا بیٹیوں کا وجود ہی نہ ہو۔تینوں بے حیثیت اور بے وقعت تھیں سب کچھ تو ان کے بیٹوں کا تھا۔ان کیلئے جب زندگی کے پاس کوئی خوشی' کوئی حصہ نہیں تھا تو پھر ان کے وجود کی ضرورت ہی کیا تھی۔

آمنہ نے تلخ سوچ کے ساتھ کھانے میں مصروف باپ کو دیکھا' جس کیلئے ان کا ہونا نہ ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ مگر...زبان...پر ایسی پابندی تھی کہ وہ سوچ کو لفظوں میں کبھی ملبوس نہیں کر سکتیں شاید مگر ان سب سے مختلف نبیل کسی اور ہی سوچ میں ڈوبا تھا۔اسے نہ تو بزنس سے کوئی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی اس وقت اور نہ فیکٹری کو اپنے نام لگوانے کی طلب۔

اس کے حواسوں پر تو وشی کا قبضہ تھا۔وہ مستقل اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔چند روز بعد جس کی سالگرہ تھی اور وہ اس کیلئے کوئی گفٹ لینا چاہتا تھا۔اور بقول بیگم جان کے

مہوش ان کی ہیروں جیسی بیٹی ہے... گفٹ بھی اس کے معیار کا ہونا چاہئے۔ ویسے بھی وہ اب تک وشی کی اداؤں پر ہزاروں روپے لٹا چکا تھا مگر جب انسان کے سر پر عشق کا بھوت سوار ہوتا ہے' تو ہر ناجائز' جائز نظر آتا ہے۔

کھانے کے بعد حسب حکم میٹنگ فاروق احمد کے کمرے میں طلب کی گئی تو نبیل نے کھسکنا چاہا۔

"تم کہاں چلے نبیل؟"

"پپا! وہ امجد ہے ناں اسی کے ساتھ چند دوست جمع ہو رہے ہیں بس یوں ہی گیٹ ٹو گیدر کیلئے... نبیل نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ امجد کچھ زیادہ ہی تمہارے حواسوں پر سوار ہونے لگا ہے۔ہر دوسرے روز اس کے ساتھ گیٹ ٹو گیدر ہو جاتی ہے۔کوئی ضرورت نہیں جانے کی' فون کر دو۔"

پپا کے قطعی فیصلے پر نبیل کو غصہ آ گیا۔اس کے اندر جو ایک سرکس بچہ تھا' اب بڑا ہونے لگا تھا۔ مگر ابھی اتنی سرکشی دکھانے کا وقت نہیں آیا تھا اس لئے وہ ملتجیانہ لہجے میں بولا۔

"پلیز پپا! آپ کو معلوم ہے' میں کہیں اور نہیں جاتا اور امجد کے ہاں آج تو دوسرے دوست بھی جمع ہو رہے ہیں اور پھر آپ لوگ بڑے ہیں بزنس کو اب تینوں زیادہ سمجھتے اور کرتے ہیں' میں...کیا کروں گا۔"

"تم تمام عمر بچہ ہی رہنا چاہتے ہو جب تک سیکھو گے نہیں کیسے سمجھ آئے گی بزنس کی۔"

"چلئے پپا! جانے دیں فی الحال عیش کرنے دیں ہم خود ہی اس پر ابھی ذمہ داری نہیں ڈالنا چاہتے جاؤ نبیل"

راحیل اور عدیل نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور نبیل کو جانے کی اجازت دیدی۔

نبیل کو یہ سوچنے کی ضرورت نہیں تھی کہ بھائیوں نے یہ اجازت کیوں دی کیا سوچ کر دی اسے تو بس جانا تھا۔اس کی دوستی اس کی منتظر تھی۔وہ اس طرح

بھاگا گویا پیچھے مڑ کر دیکھ لیا تو پتھر کا ہو جائے گا۔ امجد کے بجائے وہ سیدھا بیگم جان کے ہاں پہنچا' جہاں وشی کے بجائے وہ خود لان میں بے قراری سے ٹہل رہی تھیں اسے دیکھ کر وہ ایک دم خفا ہونے لگیں۔

''یہ وقت ہے تمہارے آنے کا نبیل میاں! میری وشی انتظار کرنے کی نہیں' کرانے کی عادی ہے اور تمہیں تو وہ پسند کرنے لگی ہے۔ شام ہی سے تیار ہو کر خوشی خوشی پھر رہی تھی کہ آج تم اسے شاپنگ کرانے لے جاؤ گے اور تم اب آئے ہو۔'' بیگم جان تو نان سٹاپ شروع ہو گئیں۔

''سوری بیگم جان! وہ ذرا پپا سے اجازت لینے میں دیر ہو جاتی ہے لیکن آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔''

وہ اب کیا کہتا' اپنی تاخیر کی اصل وجہ بتانا ہی بہتر جانا۔

''تم دودھ پیتے بچے ہو کہ ابھی تک پپا کی اجازت کے بغیر باہر قدم نہیں نکال سکتے۔ اگر آئندہ بھی یہ ہی حال رہا تو... نہیں بھئی نبیل میاں تم ابھی سے پیچھے ہٹ جاؤ۔ میری وشی بہت نازک ہے' مجھے پہلے خبر ہوتی تو میں تمہارا اس سے تعارف ہی نہ کراتی۔ تم تو ابھی تک باپ کی انگلی پکڑ کر چلتے ہو۔ میری وشی تو۔''

''بیگم جان! پلیز آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ آپ کو شکایت نہیں ہو گی' وشی ہے کہاں؟''

بیگم جان نے جس مقصد کیلئے نبیل کو جھاڑا تھا وہ پورا ہو گیا۔ وہ بے قراری سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

''وہ تم سے بہت خفا ہے اور جب وہ روٹھی ہوئی ہو تو اسے منانا مشکل ہوتا ہے۔''

بیگم جان' وشی کی ناراضگی کی بھی قیمت وصول کرنا چاہ رہی تھیں۔

''میں اسے ہر قیمت پر منالوں گا بیگم جان' وہ ہے کہاں۔

نبیل اندر کی طرف بھاگا۔

مہوش کیا کم تھی' نبیل کو دیکھتے ہی کلائیوں میں پہنے موتیئے... کے گجروں کو زور سے کھینچ کر توڑا اور بیڈ پر اوندھی لیٹ کر رونے لگی۔

یہ خاص ہدایت تھی بیگم جان کی طرف سے کہ عورت کے آنسو مرد کی کمزوری ہوتے ہیں خواہ مصنوعی ہی ہوں اور وشی تو ہر بات بیگم جان کی مانا کرتی اور پھر جب عورت کو یہ احساس ہو جائے کہ مرد اس کی زلف کا اسیر اور سحر خیز حسن میں گرفتار ہو کر مبتلائے عشق ہو چکا ہے تو وہ ناز و انداز زیادہ دکھانے لگتی ہے۔

''مہوش!'' نبیل ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا۔

''مر گئی مہوش!'' وہ تیز آواز میں بولی۔

''خدا نہ کرے وشی تم... تم تو میری زندگی ہو تمہیں میرے مرنے کی دعا کرنے کی تو اجازت ہے مگر خود کو کوسنے کی نہیں۔ پلیز وشی! تم نہیں جانتیں' تم میری زندگی ہو' جان بہار ہو' تم نے میری خزاں رسیدہ زندگی میں بہاروں کے قافلے اتارے ہیں' میں تمہیں خفا نہیں کر سکتا پلیز مان جاؤ ناں۔''

وہ اسکے قریب بیٹھا ملتجیانہ لہجے میں بولے جا رہا تھا۔ وہ خفا تھی تو لگ رہا تھا دم نکل جائے گا۔

"آپ کو میرا ذرا بھی خیال ہوتا تو پورا دن انتظار نہ کرواتے یہ گجرے' یہ تیاری میں نے انتظار کی گھڑیوں کیلئے تو نہیں کی تھی آپ کیلئے کی تھی اور آپ کو دوسروں کا اتنا خیال ہے میرا ذرا بھی نہیں۔"

وشی! میری جان! تم مجھے... اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہو تو پھر کسی کی کیا اہمیت ہے تمہارے سامنے' بس چند مجبوریاں ہیں۔"

"ہونہہ! آپ مرد لوگ یوں ہی کرتے ہیں۔ دل کہیں بہلاتے ہیں اور شادیاں وہاں کرتے ہیں جہاں والدین کر دیں وہی عزت دار بیویاں ہوتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک روز تم بھی اپنی شادی کا کارڈ مجھے دیتے ہوئے کہو گے کہ وشی! سوری میں مما پپا کی وجہ سے مجبور تھا۔"

حسین آنکھوں کے کٹوروں کو مصنوعی آنسوؤں سے لبالب بھرتے ہوئے عین دکھتی رگ پر خنجر چلایا تو نبیل تڑپ اٹھا۔

وشی تو اس کی زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی تھی اس کو کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا وہ۔ وشی...وشی اور ذلیل مت کرو' مت گراؤ مجھے اپنی نظروں میں۔ تمہارے علاوہ کوئی لڑکی میری زندگی میں نہیں آسکتی اور تمہیں اپنی محبت پر بھروسا نہیں۔ میں ان مردوں میں سے نہیں جو گھٹیا پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دل کہیں بہلاتے ہیں' شادی کہیں اور کرتے ہیں۔ خدا کی قسم وشی! میں نے تمہیں ہی چاہا ہے اور اپنی دلہن بھی تمہیں ہی بناؤں گا۔ یہ ایک خاندانی مرد کا وعدہ ہے کیا تمہیں اپنے نبیل پر اعتبار نہیں اگر نہیں تو میری آنکھوں میں جھانک کر ایک بار کہو کہ تمہیں نہ تو مجھ سے محبت ہے اور نہ مجھ پر بھروسا ہے۔"

نبیل نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا اتنی دیر میں وشی بھی سوچ چکی تھی کہ بس اتنے نخرے ہی کافی ہیں باقی آئندہ سہی۔ اس نے گھنیری بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

"سوری نبیل! میں نے آپ کو تنگ کیا مگر آپ سوچیئے ناں' گلہ بھی اپنوں ہی سے ہوتا ہے' ہمیں تو آپ پر خود سے بڑھ کر اعتبار ہے۔ آپ... آپ کو کیا خبر کہ آپ بھی ہمارے دل کا چین وقرار ہیں۔ ہمارے دل کی دنیا آپ ہی نے آباد کی ہے تو ہم آپ کو دکھی کیونکر دیکھ سکتے ہیں۔

بیگم جان کے سکھائے ہوئے طریقے ایسے ہی وقتوں کیلئے تو تھے' نبیل تو سو جان سے نثار ہو گیا۔ اس نے اس کے مرمریں ہاتھ تھام لئے۔

"سچ وشی! قسم سے تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔"

"تو پھر چلیں" مہوش نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے! اپنا میک اپ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

'کہاں؟" اس کی چاہت پا کر تو وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔"

"شاپنگ نہیں کرنی؟" وشی نے اٹھیلا کر یاد دلایا۔"

"اوہو سوری! تمہاری چاہت پا کر تو میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔" وہ شاد ہوا جا رہا تھا۔

"تو اس خوشی میں مجھے ہی نہ بھول جایئے گا۔" وہ مسکراہٹوں کے خزانے لٹا رہی تھی۔

"یہ تو خود فراموشی والی بات ہو گئی۔"

پھر دونوں مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔ بیگم جان نے مسکرا کر اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا۔ نبیل پورے کا پورا مہوش کے قبضے میں تھا اور وہ کوئی

معمولی آسامی تو تھا نہیں کہ آسانی سے اسے چھوڑ دیا جائے۔ مہوش کے نازک مزاج پر کوئی معمولی چیز تو پوری نہیں اتر سکتی تھی۔ نبیل کی جیب بھی اتنی ہلکی نہ تھی کہ وہ اس کی پسند کی ہوئی چیز خرید نہ سکتا۔ بڑی مشکل سے مہوش کو ایک بہت نازک اور خوبصورت طلائی نیکلس پسند آیا۔

وہ نیکلس مہوش کو اس قدر پسند آیا تھا کہ اس کی دس ہزار قیمت بھی نبیل کو کم لگ رہی تھی۔ وہ تو ہر قیمت پر مہوش کو خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

''ممی! دیکھئے تو نبیل نے کتنا خوبصورت نیکلس دلایا ہے مجھے۔''

واپس آکر مہوش نے نیکلس بیگم جان کے سامنے رکھ دیا تو انہوں نے اس پر ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالی یوں جیسے کوئی خاص قیمت نہ رکھتا ہو۔

''ہوں اچھا ہے وشی! تمہاری پسند ہے اس لئے ورنہ تم جانتی ہوں ایسے بے شمار نیکلس میں تم پر سے وار کر پھینک دوں۔ خیر اچھا ہے اب تم جائو' آرام کرو اور ہاں دودھ پی کر سونا' میں ذرا نبیل سے بات کرلوں۔''

''جی اچھا!'' مہوش نے سعادت مندی سے ڈبا اٹھایا اور باہر نکل گئی۔

بیگم جان' نبیل کے سامنے سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ نبیل گھبرا گیا۔ اب جانے کیا کہہ دیں اس وقت وہ کچھ اور بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مہوش کے ساتھ گزرا ہوا وقت انجوائے کرنا چاہتا تھا۔

''نبیل میاں! میں نے تمہیں خاص مقصد کیلئے روکا ہے' کب لا رہے ہو اپنے والدین کو میرے پاس؟''

''جی والدین کو؟'' نبیل تو اس حملے کیلئے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس کا حلق خشک ہو گیا۔

''ہاں والدین کو نہیں لانا؟ کیا مطلب ہے تم تو یوں چونکے ہو جیسے میں نے انہونی بات کہہ دی ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ تم سنجیدہ نہیں ہو' فلرٹ کر رہے ہو وشی کے ساتھ؟''

بیگم جان نے اس کی معصومیت اور گھبراہٹ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا' تو وہ ہڑبڑا گیا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ عورت ایسی بات کہہ دے گی۔''

''بیگم جان! یہ آپ نے کیسے جانا' کیا میری حرکتیں غلط ہیں' میرے خلوص پر شبہ ہے آپ کو میں اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں' عورت کا احترام کرتا ہوں اور وشی کو میں نے شادی کرنے کیلئے چاہا ہے۔ نبیل میں بھی خاندانی جلال آ گیا۔

''تو پھر اس تاخیر کی وجہ کیا ہے آخر؟ تم جانتے نہیں کہ وشی کے کتنے پرپوزل آئے ہوئے ہیں اب میں کس کس کو منع کروں گی اور میں اہمیت تمہیں اس لئے دے رہی ہوں کہ وشی میری جان تمہیں پسند کرتی ہے ورنہ میں کب کا اس کا رشتہ طے کر چکی ہوتی رئیس جمیل کے ساتھ۔''

نبیل تو پریشان ہی ہو گیا اس صورتحال سے۔

''بیگم جان! اب ایسی بھی کیا جلدی' میں آپ کو سوچ کر بتائوں گا۔''

وہ اور کہہ بھی کیا سکتا تھا گھر میں تو بات کرنا قیامت خیز ہنگامے کو دعوت دینا تھا اور امجد سے مشورہ کئے بغیر وہ کیا جواب دے سکتا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اسے

شادی صرف مہوش ہی سے کرنی ہے۔

''سوچ لو میاں! لیکن سوچ کا دورانیہ اتنا طویل نہ ہو کہ میں کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو جائوں۔'' ایسی باتیں کرتے ہوئے بیگم جان اسے زہر لگ رہی تھیں۔

''نہیں بیگم جان! ایسی نوبت نہیں آئے گی۔'' نبیل اٹھ کھڑا ہوا اور سیدھا امجد کے ہاں پہنچا۔

''یار نبیل! مجھے خبر ہوتی ناں کہ تم ضرورت سے زیادہ احمق اور عورت کے معاملے میں اتنے کمزور ہو تو میں ہر گز تمہیں بیگم جان کے گھر کا پتا نہ بتاتا کیا ضرورت تھی اتنا مہنگا نیکلس خرید کر دینے کی۔'' امجد کو ساری بات پتا چلی تو وہ اسے ڈانٹنے لگا۔

''اس بات کو چھوڑو یار! نیکلس اس کی خوشی سے زیادہ اہم نہیں۔اب یہ بتائو کہ وہ تو مما' پپا کو لانے کی ضد کر رہی ہے اس کا کیا کروں؟''

''کوئی ضرورت نہیں مما' پپا کو لانے لے جانے کی۔اس سے شادی کا خیال چھوڑو اور اپنے اسٹینڈرڈ میں شادی کا سوچو۔اول تو اپنے بڑوں سے عبرت پکڑو کہ ان کی شادیاں نہیں ہوئیں تو...''

امجد نے بڑے خلوص سے اسے سمجھانا چاہا مگر نبیل کو غصہ آ گیا۔وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''امجد! میں تمہیں دوست کم اور بھائی زیادہ سمجھتا تھا اور اسی لئے تمہارے پاس آیا تھا کہ درست مشورہ دو گے یہ بھی حقیقت ہے میرے بڑوں کی شادیاں نہیں ہوئیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مما' پپا بیگم جان کے ہاں پرپوزل لے کر ہر گز نہیں جائیں گے۔''

پھر...؟'' امجد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''پھر بھی میں اس سے شادی کروں گا۔خواہ کوئی بھی شریک نہ ہو اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر بیگم جان کی ڈیمانڈ پوری کر دی جائیں تو وہ ممی پپا کا مطالبہ ہر گز نہیں کرے گی۔''

تو اس کا مطلب ہے تم کورٹ میرج کرو گے؟''

''ظاہر ہے اور مجھے یقین ہے وشی اور بیگم جان کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔وہ حتمی فیصلہ کرتے ہوئے بولا۔''ہاں ان کو اعتراض کیوں ہونے لگا لیکن افورڈ کر لو گے والدین کے بغیر کورٹ میرج اور بیگم جان کی ڈیمانڈز انکل کی سپورٹ کے بغیر...!''

ہاں' ہاں امجد! میں سب کچھ کر لوں گا' تم کیسے دوست ہو۔مشورہ' تسلی دینے کے بجائے پریشان کر رہے ہو۔''

نبیل واقعی بہت اپ سیٹ ہو گیا تھا۔اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تو امجد کو اس پر ترس آ گیا۔

میں تمہارا دوست ہوں اسی لئے تو سب کہہ رہا ہوں۔میں جانتا ہوں تم مہوش کے لئے کس حد تک سنجیدہ ہو وہ کتنی مخلص ہے۔یہ میں نہیں جانتا لیکن یہ بتائو

کہ تم شادی افورڈ کر لو گے۔ امجد نے اس کے پریشان بال ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں امجد! میرے ذاتی بینک میں اتنی رقم ہے کہ میں بیگم جان کی ابتدائی ضروریات پوری کر سکوں۔ رہا بعد کا مسئلہ تو جب میں شادی کے بارے میں بتائوں گا تو پپا سے اپنا حصہ لوں گا اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ نبیل نے گویا خود کو تسلی دی۔

''تم جب بھی اپنی شادی ظاہر کرو گے تمہارے گھر والے اسے قبول کر لیں گے؟''

امجد اسے ہر بات سمجھا دینا چاہتا تھا کہ بعد میں وہ کوئی شکوہ نہ کرے۔ ویسے بھی اس وقت وہ جذباتی ہو رہا تھا اور جذبات کے دھارے میں عقل بہہ جاتی ہے۔

''نہ کریں تو نہ کریں' مجھے اپنی زندگی گزارنے کا حق ہے' شادی میرا حق ہے گھر بسانا میرا حق ہے اگر ممی' پپا نے باقی اولاد کو اس حق سے محروم رکھا تو میں نہیں رہ سکتا میں اپنی ذات کی تکمیل چاہتا ہوں وہ تمام حقوق جو اللہ نے دیئے ہیں وہ حاصل کرنا چاہتا ہوں بس...!

وہ اٹل اور پختہ لہجے میں بول رہا تھا اور اس کا پس منظر امجد اچھی طرح جانتا تھا اس لئے اس نے دوست کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

'' تو تمہارا یہ اٹل فیصلہ ہے؟''

''قطعی اٹل اور آخری... اور کچھ؟'' نبیل نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''تو میرے دوست! پھر تیرے لئے دوست کی جان بھی حاضر ہے جہاں تم وہاں ہم... کبھی مجھے پیچھے نہیں پائو گے...''

''مجھے تمہاری یاری سے یہ ہی توقع تھی۔'' پھر دونوں دوست بغل گیر ہو گئے۔

''چل یار! آج سے میں ہی تیرا بڑا چھوٹا کل ہی جا کر بیگم جان سے بات کروں گا کہ جلدی سے مہوش بیگم کو ہماری بھابی بنا دو ورنہ میرا یار بچ نہ سکے گا۔'' امجد نے شوخی سے کہا تو نبیل جھینپ گیا۔ خوشی کی بے شمار کرنیں اس کے چہرے پر رقصاں تھیں۔

☆...☆...☆

شوکت حسین نے جب سے بزنس کے بارے میں خبردار کیا تھا شامت نسیمہ بیگم اور لڑکیوں کی آ گئی تھی۔ بات بات پر مہنگائی کا رونا رویا جاتا۔ مزید یہ کہ یہ لوگ خرچ بہت کرتے ہیں۔

''ساری مصیبتیں ہمارے ہی لئے تو ہیں لوگ اپنی اپنی فیملی کے ساتھ خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں اور ہمیں کئی کئی فالتو خرچ پورے کرنے ہوتے ہیں۔ زاہدہ کچن کا کام تم اور عمرانہ سنبھال لو ان ماں بیٹیوں کے ہاتھوں میں تو گویا سوراخ ہیں' ادھر چیز منگوائو ادھر ختم بس ان ماں بیٹیوں کو گھر کے دوسرے کاموں پر لگائو اور ہاں یہ جو ماسی آتی ہے اس کی بھی چھٹی کر دو چار سو مفت کے لے جاتی ہے یہ مفت خوریاں اتنا کھاتی ہیں تو کوئی کام تو کیا کریں؟''

یہ آسیہ بیگم تھیں' گھر کی بڑی جن کا کام صرف احکامات جاری کرنا تھا۔

میں تو خود بڑی فکر مند ہو رہی ہوں بھابی جان! مشتاق بتا رہے تھے کہ بزنس تو دن بہ دن ٹھپ ہوتا جا رہا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ بیٹیوں کیلئے کچھ بھی

نہیں بنایا اور نسیمہ باجی اور ان کی لڑکیاں تو یہ سمجھتی ہیں کہ گویا قارون کا خزانہ نکلا ہوا ہے۔ آپ کا انتہائی درست فیصلہ ہے۔ کچن میں اور عمرانہ سنبھال لیں گے اور دوسرا کام وہ لوگ کیا کریں گی۔ صفائی وغیرہ اور آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی حکمرانی کیلئے کیا ہے۔"

زاہدہ بیگم مکھن لگانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں بھابیوں کے یہ نادر خیالات صدف کے ذریعے نسیمہ بیگم تک پہنچ گئے تھے وہ بس آہ بھر کر رہ گئی تھی۔

"اچھا بیٹا! جو رب عظیم نے ہماری قسمت میں لکھ دیا ہے وہی ملے گا ناں' کوئی بات نہیں نصیب اچھے ہوتے تو... خیر' اس کا ذکر شذرا کے سامنے ہرگز نہ کرنا' بغاوت پر ہر دم تیار رہتی ہے۔ نہ جانے کس پر گئی ہے۔ نسیمہ بیگم نے اسے شذرا کو نہ بتانے کی تاکید کی۔ اس وقت وہ بھی اندر آ گئی۔

"کیا بات ہے امی آپ کچھ پریشان ہیں؟"

شذرا کی تیز اور ذہین آنکھیں ماں کی پریشانی کو فوراً بھانپ لیا کرتی تھیں۔

"وہی پریشانی ہے فرخ کے داخلے کی' لیٹ فیس کی تاریخ بھی ختم ہونے والی ہے اور کسی بھائی سے کہنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ آج کل ویسے بھی بزنس کے ٹھپ ہونے کا کہہ رہے ہیں۔"

"وہ ماموں جان! فرخ کی داخلہ فیس جانا ہے۔ میٹرک کی لیٹ فیس کے ساتھ' امی کئی بار آپ کے پاس آئیں۔ مشتاق ماموں سے کہا' فیاض ماموں سے دبے دبے لفظوں میں کہا' مگر سب نے انکار کر دیا اور کہا کہ ضرورت ہی کیا ہے پڑھانے کی' کسی ورکشاپ میں ڈال دو' چار پیسے کما کر لائے گا۔ ماموں جان! میں جانتی ہوں آپ کے حالات ایسے ہیں مگر... مگر ماموں جان! ہم فرخ کو پڑھانا چاہتے ہیں تاکہ جتنی جلدی ہو سکے ہم..."

"یہ... یہ کیا کہہ رہی ہو شذرا تم! فرخ کی فیس ابھی تک نہیں گئی تو کیا دو تین بار نسیمہ میرے پاس اسی غرض سے آئی تھی اور میں بے خبر کہانیاں سنانے بیٹھ گیا۔ اف میرے خدا! ہمیں معاف فرما کہ ہم تین بھائی ایک بیوہ بہن کا... کتنی بڑی بھول ہو گئی مجھ سے وہ تو بے چاری شرماتی ہی رہی کہہ نہ پائی... مشتاق اور فیاض سے تو کوئی توقع رکھنا بھی عبث ہے اور تم بھی تمہید باندھے جا رہی ہو آتے ہی کیوں نہ بتایا کہ اب ہم اتنے بھی کنگلے نہیں ہوئے کہ بچے کا داخلہ نہ بھیج سکیں تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ خیر وہ دراز میں میرا پرس ہے نکال کر لاؤ۔"

شذرا پرس لینے کیلئے اٹھی تو شوکت حسن کی نگاہوں میں وہ منظر گھوم گیا۔ جب نسیمہ بیگم ان کے پاس آئیں کتنی ان کہی باتیں ان کہے سوال تھے۔ دامن خالی تھا مگر خودداری نے لبوں پر مہر لگا دی تھی شاید اور کم فہم تو وہ تھے کہ ان سے پوچھنے کے بجائے اپنی مجبوریوں کا رونا رونے بیٹھ گئے تھے۔

"یہ لیجئے ماموں جان پرس!" شذرا نے پرس آگے کیا تو وہ چونک گئے۔

"یہ لو فرخ کو دینا فیس وغیرہ بھی دے دے اور دیگر ضروریات بھی پوری کرے اور خبردار جو آئندہ مجھے کسی بات سے بے خبر رکھا ہو تو۔"

شوکت صاحب نے ہزار روپے کا نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھا تو شذرا نے ان کے ہاتھ آنکھوں سے لگا لئے۔

"ماموں جان! میرا اللہ پاک بہت مہربان ہے رحمن ہے اگر ایک مہربان سہارا چھن جاتا ہے تو دوسرا پیدا کر دیتا ہے۔ آپ تو اس کڑی دھوپ میں ہمارا سایہ ہیں ماموں جان اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔" اس نے عقیدت سے ان کے ہاتھ چوم لئے جو اس بچی کی بات پر مزید نادم ہو رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ

نے تو یتیم کے بہت حقوق رکھے ہیں ہم تو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اپنی بیوہ بہن اور تم یتیموں کیلئے۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور اسد پھرتی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ بھی شوکت صاحب کے پاس کسی کام سے آیا تھا' مگر شذرا کو اندر جاتے دیکھ کر رک گیا اور پھر چھپ کر باتیں سننے لگا۔

کوریڈور میں ٹیوب لائٹ کی روشنی میں اس نے دیکھا' شذرا کا چہرا خوشی سے تمتما رہا تھا وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔

شذرا واپس آئی تو سب ہی سو چکے تھے۔ اس نے جھک کر فرخ کی پیشانی پر پیار کیا جو آج بہت ہی دل برداشتہ ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا صبح جب وہ اسے فیس کیلئے پیسے دے گی تو کتنا خوش ہو گا وہ... اے اللہ ! میرے ماموں کو سدا خوش رکھنا۔ صحت اور زندگی عطا کرنا۔ وہ ماموں کو دعائیں دیتی نسیمہ بیگم کے پہلو میں آ کر لیٹ گئی جو بظاہر سوئی ہوئی لگ رہی تھیں مگر وہ جانتی تھیں کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور اتنی خوش کیوں ہے۔ وہ بھی مطمئن ہو گئیں اور بے شمار دعائیں بھائی کو دے ڈالیں جس نے کبھی ان کے بچوں کا مان نہیں توڑا تھا۔

رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے شذرا کی آنکھ بھی دیر سے کھلی۔ فرخ اٹھ کر آیا تو اسد نے اسے اپنے پاس بلایا جو کالج جانے کو تیار کھڑا تھا۔

فرخ یار! آج ایک کام کرنا ہے۔"

ابھی فرخ نے اس کی بات کا جواب بھی نہیں دیا تھا کہ شذرا جو ابھی ابھی اٹھ کر آئی تھی' اپنے دوپٹے سے منہ صاف کرتی ہوئی تیز آواز میں بولی۔

قطعی نہیں آج فرخ کہیں نہیں جائے گا۔

شذرا تو اس لئے روکنا چاہ رہی تھی کہ آج اسے فیس جمع کرانا تھی ویسے بھی اسد کا اسے یوں کام کہنا اچھا نہیں لگا تھا۔

دیکھو فرخ! میری بائیک ذرا خراب ہے تم میرے ساتھ چلو مجھے کالج چھوڑ کر بائیک کو ورکشاپ لے جانا اور اپنی نگرانی میں ٹھیک کرانا یہ لوگ بڑا گھپلا کر دیتے ہیں۔

اسد نے نہ تو شذرا کی جانب دیکھا اور نہ ہی اس کی بات کو اہمیت دی اور فرخ کو احکام دینے لگا۔

"میں کہہ چکی ہوں فرخ کہیں نہیں جائے گا' چلو فرخ تم تیار ہو جاؤ۔"

شذرا نے فرخ کا ہاتھ پکڑ کر اسے پیچھے کیا جو اسد سے چابی لینے کیلئے بڑھا تھا۔

"فرخ یہ چابی پکڑو اور بائیک نکالو۔"

اسد' شذرا کو پھر نظر انداز کئے فرخ پر رعب جما رہا تھا' ایسے میں وہ شذرا کو ہمیشہ سے زیادہ زہر لگا۔ فرخ بے چارا دونوں کے درمیان پھنس کر رہ گیا' کبھی اسد کو دیکھتا اور کبھی شذرا کو وہ ابھی اسی تذبذب میں تھا کہ مشتاق احمد کمرے سے برآمد ہوئے وہ کھڑکی سے ساری صورتحال دیکھ چکے تھے۔

"فرخ سنا نہیں تم نے کتنی دیر سے اسد کہہ رہا ہے اور شذرا! تم خود تو بدتمیز ہو ہی دوسروں کو بھی بنانے کی کوشش کرتی ہو فرخ جاؤ اسد کے ساتھ اور بائیک اچھی طرح ٹھیک کروا کر لانا۔"

مشتاق احمد کی غصیلی' کڑک دار آواز پر فرخ نے فوراً چابی تھام لی اور اسد فاتحانہ نظروں سے شذرا کو دیکھتا ہوا زہر خند مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے فرخ کے

پیچھے بیٹھ کر جا چکا تھا وہ بس زور سے زمین پر پائوں مار کر رہ گئی۔

''یہ... یہ لوگ کبھی بھی ہمارا بھلا نہیں چاہ سکتے' مر جائو اسد تم۔''

وہ احتجاجاً واپس آگئی۔اس نے بھی قسم کھالی تھی کہ آج کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے گی اس کا بس چلتا تو اسد کا کچومر نکال دیتی۔

''بس فرخ! یہاں رکو ذرا۔''

ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے اسد نے فرخ کو رکنے کیلئے کہا تو اس نے فوراً تعمیل کی۔

بائیک ایک سائیڈ پر کھڑی کر دی پھر دونوں الگ کرسیوں پر آبیٹھے۔

صبح کا وقت تھا' ناشتے کا' ایسے لوگ ناشتہ کر رہے تھے' جن کے گھر میں کوئی ناشتہ بنا کر دینے والا نہیں تھا یا جلدی نکل آنے والے تھے۔

خنکی' ہلکی ہلکی دھوپ اور چائے سے اٹھتی مہم بہت اچھا لگ رہا تھا اسد نے دو ناشتے کا آرڈر دیدیا۔

''اسد بھیا! ناشتہ تو... !'' فرخ کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا آج کیا ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے مجھے معلوم ہے تم نے ناشتہ نہیں کیا اسد نے اس کے آگے پراٹھا اور انڈہ رکھا۔

''لیکن آپ...!''

''ارے بابا! ڈبل ناشتہ کر لینے میں حرج ہی کیا ہے اوہو بھئی یہ انڈہ تو بالکل بھی میری پسند کا نہیں تم ہی کھائو پیسے تو برباد نہ ہوں۔''

اسد نے کئی بار' فرخ کو نسیمہ بیگم سے انڈا کھانے کی فرمائش کرتے سنا تھا۔وہ بھی دو انڈے مگر ان کو حق ہی کہاں تھا اپنے بچوں کی فرمائشیں پوری کرنے کا اس لئے اس نے اپنے بہانے فرخ کیلئے ڈبل ناشتہ منگوالیا تھا اور فرخ کیلئے یہ سب بہت اجنبی اور پریشان کن تھا گھر جا کر جانے اسد کیا کہہ دے کہ اس نے ضد کی تھی یا کچھ بھی جھوٹ بول سکتا تھا۔

''فرخ! جلدی کرو بھئی پہلا پریڈ تو مس ہو ہی گیا ہے اب دوسرا نہ ہو جائے۔''

پھر کچھ حیرانی' کچھ پریشانی اور کچھ خوشی کے احساسات کے تحت فرخ نے ناشتہ کیا۔کتنا مزے کا ناشتہ تھا پسند کے انڈے پراٹھے' گرم گرم چائے' کاش ایسا ناشتہ روز مل جایا کرے!

''چلیں اسد بھیا!''

اسد نے بل ادا کیا تو فرخ کھڑا ہو گیا مگر اسد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا۔

''مفت میں ناشتہ نہیں کروایا تھا کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔''

''جی کریں اسد بھیا! فرخ کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

''دیکھو فرخ رشتہ میں ہم لوگ بھائی تو ہیں ہی لیکن آج سے میں تمہارے ساتھ دوستی کرنا چاہتا ہوں پکی اور سچی جس میں کوئی کھوٹ اور جھوٹ نہ ہو۔ایک دوسرے کے اعتبار کو توڑا نہ جائے بولو بنو گے میرے دوست...؟''

فرخ کی سمجھ سے بالکل بالاتر تھیں اسد کی باتیں۔ وہ جو عمر میں اس سے اتنا بڑا تھا اور پچھلے رویئے کے مطابق یہ تمام باتیں تو خوفزدہ کرنے والی تھیں مگر اسد کے لہجے میں آنکھوں کی چمک میں اتنا خلوص اور سچائی تھی کہ کمسن فرخ کو بھی اس پر اعتبار آ گیا۔

اگر ایسا ہے اسد بھیا! تو آپ دوستی کے معاملے میں مجھے کبھی کمزور نہیں پائیں گے ثابت قدم ہی پائیں گے۔''

''ڈن...!'' فرخ نے اسی طرح خلوص اور گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا پھر کتنی ہی دیر اسد اس سے گھر کی باتیں کرتا رہا اپنی زیادتیوں کا ذکر بھی کرتا رہا۔ وہ باتیں کر رہا تھا اور فرخ کو اعتبار ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی اسد ہے جو اس کی بہن سے ہمہ وقت لڑتا رہتا تھا۔ ماں کے کہنے میں آ کر پھپھو کی گستاخی اور ان کی حق تلفی بھی کر جایا

کرتا تھا۔

اسد بھیا! باتوں میں پتا ہی نہ چلا' آپ کو تو بہت دیر ہو گئی ہے۔ آج تو آپ کی چھٹی ہو جائے گی۔''

فرخ کو ایک دم ہی اس کے کالج کا خیال آ گیا۔

مجھے آج کالج جانا ہی نہیں تھا۔ یہ رات ہی کو طے کر لیا تھا۔ آج کا دن تو تمہارے نام کرنا تھا ناں اس لئے اب تمہیں یہ کرنا ہے کہ ...اور تمہارا فارم وغیرہ کہاں ہے؟''

''یہ رہا' یہ تو ہر وقت میں جیب ہی میں رکھتا ہوں۔'' فرخ نے جلدی سے فارم نکال کر دکھایا۔

''ہوں گڈ! تو چلو پہلے تمہاری فیس وغیرہ جمع کرائی جائے لیکن وعدہ یاد رکھنا ہے۔''

''کون سا وعدہ اسد بھیا؟''

''چلو تم ابھی سے بھول گئے' یہ کہ تم نے گھر میں کسی کو ہوا نہیں لگنے دینی کہ تمہاری فیس کس نے جمع کرائی ہے نہ پھپھو نہ زیب باجی کو اور شنذرا کو تو ہرگز نہیں' ورنہ میں ناراض ہو جائوں گا۔ سوچ لو یہ تمہارا امتحان ہے اگر اس میں کامیاب ہو گئے تو آئندہ بھی اعتماد کروں گا۔ ورنہ میرا دوستی پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔''

میں یہ تو وعدہ کرتا ہوں بھیا کہ کسی کو نہیں بتائوں گا۔ آپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں لگنے دوں گا مگر جب وہ پوچھیں گی کہ فیس کہاں سے جمع ہوئی تو...؟ اوہو کہہ دینا تمہارا ایک دوست بہت اچھا ہے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق ہے۔ جب فیس جمع نہیں ہو سکی تو اس نے کروا دی اور یہ بھی کہنا کہ اس کے والد نے اپنے بیٹے کیلئے ٹیوٹر رکھا ہے تو تمہیں بھی کہا ہے کہ پڑھ لیا کرو اور نام پتا پوچھیں اور یہ شنذرا کو جو بال کی کھال اتارنے کی عادت ہے وہ ضرور پوچھے گی تو کہنا کہ اس دوست نے دوستی کی قسم دے کر منع کیا ہے کہ گھر والوں کو اس کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے ورنہ وہ خفا ہو جائے گا ٹھیک اب بھی بات سمجھ میں آئی کہ نہیں۔''

اسد نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے جو حیرت اور خوشی کی چمک آنکھوں میں لئے اسے دیکھے جا رہا تھا''جی آ گئی'' وہ جیسے حسین خواب سے چونکا۔

''تو چلو پہلے فیس جمع کرا لی جائے۔''

گھر میں شذرا کا کڑھ کڑھ کر برا حال تھا۔ اسد کو کوسنے دے دے کر اس کی زبان بھی خشک ہو گئی تھی۔

'خدایا' کیا کروں... دیکھا امی آپ نے ایسے حسد نکالتے ہیں یہ لوگ۔ اس منحوس کو پتہ تھا کہ اسے سکول جانا ہے پھر بھی لے گیا۔ شیطان کہیں کا خود کی تو قسمت اچھی ہے ڈاکٹر بن جائیں گے ہمارے بھائی کا مستقبل برباد کر رہا ہے پھر امی کہتی ہیں ان کو بددعائیں نہ دو۔ رات ماموں سے اس کیلئے بھیک مانگی اتنے اچھے ہیں کہ فوراً نکال کر دے دیئے۔" شذرا مستقل بول رہی تھی۔

بس کرو شذرا! کیا کر لو گی بول کر۔ ہماری قسمت میں جو لکھا ہے وہی ملے گا ناں مت بولو اب۔"

زیب نے اسے خاموش کیا۔

اسی وقت اسد اور فرخ آ گئے۔ فرخ کا چہرا مطمئن تھا۔ شذرا کو دیکھ کر اسد نے دل جلانے والی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی اور گنگناتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"شرم تو نہیں آتی تمہیں پتا بھی ہے لیٹ فیس کی بھی تاریخ آخری تھی۔ تم ہو ہی نالائق پڑھنے کا کچھ کرنے کا اور آگے بڑھنے کا شوق ہی نہیں یہیں رہنا جوتے کھانے کیلئے۔"

وہ اسد کا سارا غصہ فرخ پر اتار رہی تھی ویسے فرخ پر بھی کم غصہ تو نہیں تھا۔

"اوہو شذرا باجی خفا نہ ہوں فیس جمع ہو گئی ہے۔"

"فیس جمع ہو گئی ہے کیسے... کہاں سے؟"

زیب شذرا اور نسیمہ بیگم اس کے قریب آ گئیں۔

"ظاہر ہے ڈاکا تو ڈالا نہیں ہو گا اور نہ ہی بھیک سے ایک دن میں اتنی رقم جمع ہو سکتی ہے۔"

اسد اسے چڑانے کیلئے پھر باہر آ گیا۔

"تم چپ رہو' بول کے درخت فرخ بتاؤ تم۔"

اور جو اباً گھڑی ہوئی کہانی فرخ نے ماں اور بہنوں کو سنا کر مطمئن کر دیا۔

"ہائے ایسے اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں دنیا میں کہ نیکی... کرتے ہیں مگر نام ظاہر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھے آمین۔ نسیمہ بیگم اور زیب اس کے اس دوست کو دعائیں دے رہی تھیں۔

امی جان! اعلیٰ ظرف لوگوں کی کمی نہیں ہے اس دنیا میں۔ فرخ اب تم نے دن رات ایک کر دینا اور معاشرے میں ایسا مقام حاصل کرنا ہے کہ ان لوگوں کو نیچا دکھا سکو۔ جو ہمیں اپنے قدموں کی خاک سمجھتے ہیں تم ایسے بن جاؤ کہ وہ تمہارے قدموں کی خاک کے برابر ہو جائیں۔"

وہ اسد کو سنانے کی غرض سے چبا چبا کر بول رہی تھی۔ نسیمہ بیگم اور زیب تو جا چکی تھیں' اسد بڑی تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا شذرا کے قریب آ گیا اتنا کہ اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔

"ذرا خیال سے بولا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اسی خاک کو مانگ میں سجانا پڑ جائے۔"

وہ بھی اسی انداز میں دانت پیس کر بولا اور آگے بڑھ گیا اور وہ غصے میں اس کے الفاظ پر بھی غور نہ کر پائی لیکن اس بات سے وہ بے حد خوش ہو گئی تھی کہ ماموں نے جو پیسے دیئے تھے وہ بچ گئے تھے ان سے وہ ہومیو پیتھک میں ایڈمیشن لے سکتی تھی وہ ہر صورت میں اسد کا مقابلہ کرنا چاہتی تھی۔

☆...☆...☆

"ڈاکٹر صاحبہ ! ڈاکٹر طلال بڑی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

نرس نے دوسری بار بتایا تھا مگر ڈاکٹر سحر اتنی محو تھی اور پھر مریض چھوڑ کر ذاتی ملاقات کرنا کہاں کا اخلاق تھا اور پھر ڈاکٹر تو ہوتے ہی مریضوں کی خدمت کیلئے اس لئے وہ مریض دیکھتی رہی۔

طلال جانتا تھا کہ اسکی آمد سحر کیلئے کتنی اہم ہے مگر مریض اس سے زیادہ اہم تھے اور ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے طلال بھی اس کی مجبوری سمجھ رہا تھا' اسی لئے ایک گھنٹے سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ میڈیسن پر نکلے رسالے کے ورق گردانی کرنے لگا۔

سحر آئی تو تھکن سے چور تھی مگر اسے نیم دراز اپنا منتظر پایا تو ساری تھکن کافور ہو گئی۔ یہ احساس کتنا معتبر اور تسکین آمیز ہوتا ہے کہ کوئی آپ کو چاہ رہا ہے آپ کیلئے آیا ہے۔

"السلام علیکم ! سحر نے اوور آل ایک طرف رکھتے ہوئے کہا' تو وہ سیدھا ہو گیا۔

"ہو گئیں فارغ آپ ؟" طلال سے اس کے تھکے تھکے سے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

"سوری طلال ! آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" وہ نارمل ہونے لگی۔

"جی نہیں اس انتظار میں جو لذت ہے وہ' خیر اب کیا ارادے ہیں یہیں بیٹھنا ہے یا باہر چلیں۔"

"میرا خیال ہے کہیں باہر ہی چلتے ہیں یہاں تو دوائوں کی فضا میں صبح سے بیٹھ بیٹھ کر دم گھٹنے لگتا ہے۔"

پھر دونوں ایک اچھے سے ہوٹل میں آ گئے۔

"ہوں' اب بتائو کیا حال چال ہیں ؟" طلال نے اس کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"الحمد اللہ ! بالکل ٹھیک ہوں تم اتنے روز سے کہاں تھے ڈھیر ساری باتیں ہیں خبریں ہی سنانے کیلئے اور ہم سنانے کو بے چین اور جناب کا فون تک نہیں آیا۔"

سحر اتنے دنوں کی غیر حاضری کا سبب پوچھ رہی تھی دونوں ایک ہی کالج سے پڑھے تھے اور دونوں ایک ساتھ ہی چاہت کے سفر پر گامزن ہوئے تھے اور اب منزل قریب تر تھی۔

باتیں چھوڑو خبریں سنائو پھر کوئی پرپوزل تو نہیں آ گیا؟"

کافی کا سپ لیتے ہوئے طلال مسکرایا' مگر سحر نے برا سا منہ بنا لیا۔

"طلال ! تمہارا کیا خیال ہے میں اپنی اہمیت جتانے کیلئے تمہیں اپنے پرپوزلز کے بارے میں بتاتی ہوں یا اس لئے بتاتی ہوں کہ تم کوئی قدم اٹھائو۔ ایسا ہر گز

نہیں چونکہ ہمارا تعلق ہی ایسا ہے اس لئے میں تمہیں اپنے بارے میں بتا دیتی ہوں ورنہ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

طلال نے تو یوں ہی چھیڑنے کی غرض سے کہا تھا مگر سحر کو جانے کیوں اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"ڈاکٹر سحر صاحبہ! میں تم... کو اچھی طرح جانتا ہوں تب ہی تمہارے سامنے نظر آ رہا ہوں۔ میرے تو سر پر خود کزن کی تلوار لٹک رہی ہے اسی لئے چاہتا ہوں کہ اب ہمیں مل بیٹھ کر کچھ سوچنا چاہئے کوئی فیصلہ کرنا چاہئے۔"

طلال کی بات پر سحر کافی دیر خاموش رہی غصہ ٹھنڈا کرتی رہی سوچتی رہی۔

"دیکھو طلال! جب بھی میں تمہیں اپنے کسی پرپوزل کے بارے میں بتاتی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اپنی اہمیت جتائوں یا تمہیں جلدی کرنے پر اکسائوں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ کوئی بات فائنل ہو جائے تاکہ بات کنارے لگے۔ اس لئے طلال کہ ہمارا تعلق جس معاشرے سے ہے ناں وہاں اگر کسی خاندان میں کوئی لڑکی یا لڑکا کچھ بن جائے تو خاندان بھر کی نظریں اس پر ہوتی ہیں اور میرے خاندان میں جہاں لڑکیوں کی زیادہ تعلیم ہی کو معیوب سمجھا جاتا ہے وہاں جب میں آگے بڑھی ڈاکٹر بنی تو پہلے باتیں بنانے والے اب میرے طلب گار ہیں جس گھر میں بھی پڑھا لکھا لڑکا موجود ہے وہ میرے طلب گار ہیں جب کہ خاندان میں اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں مگر ان کو ڈاکٹر بہو چاہئے جیسا کہ تم جانتے ہو کہ میرے والدین کھلے دل و دماغ کے ہیں اور انکو مجھ پر اعتماد بھی ہے اس لئے انہوں نے فیصلہ میرے اوپر چھوڑا ہوا ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی آیا رہتا ہے جس سے گھر کا ماحول ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔

سحر نے انگلیوں سے سر دباتے ہوئے نرم لہجے میں جو اس کی خاصیت تھی کہا۔

گرم کافی کی بھاپ سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کی اوٹ میں طلال کتنی ہی دیر سحر کو دیکھتا رہا جو اپنی سادگی اور پر وقار شخصیت کی وجہ سے صرف اسے ہی نہیں سب کو پسند تھی۔ اور وہ طلال کی زندگی میں اتنی اہمیت کچھ اس نامحسوس طریقے سے اختیار کر گئی تھی کہ اب اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی مشکل تھا۔

بلاشبہ فائزہ حسن میں سحر سے کئی گنا زیادہ حسین تھی مگر سحر کی شخصیت میں جو وقار' سادگی اور شائستگی تھی اس نے حسین فائزہ کو مات دے ڈالی تھی۔ اور پھر یہ تو کھیل ہی جذبوں کا تھا اور طلال نے اپنے تمام جذبے بے سحر ہی کے نام کر دیئے تھے۔

"ڈاکٹر صاحبہ! آپ تو خفا ہو گئیں۔ وہ تو محض مذاق تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سات سالوں کی رفاقت میں ہم ایک دوسرے کو بڑی اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ میں تمہیں بھی جانتا ہوں' اپنے معاشرے کی سطحی سوچ بھی جانتا ہوں کہ انسان کی اہمیت نہیں اچھی ڈگری کی اہمیت ہے۔ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ میں خود اس سلسلے میں خاصا پریشان ہوں اور سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچ کر کوئی حتمی فیصلہ کرنا چاہتا ہوں اس سے قبل کہ پھپھو کوئی ہنگامہ کر دیں میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر فائزہ جیسی بناوٹی لڑکی میری برداشت سے باہر ہے۔ میں تمہاری مجبوری بھی سمجھتا ہوں میں انشاءاللہ جلد ہی امی سے بات کروں گا۔ میری امی پڑھی لکھی اور شعور رکھتی ہیں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا اور پھر آپ کا کام یوں ہوگا۔" اس نے چٹکی بجائی۔

"میرے خیال میں چلنا چاہئے کافی وقت ہو گیا ہے۔"

طلال شوخ ہونے لگا تو سحر ایک دم کھڑی ہو گئی۔

☆...☆...☆

"فائزہ! میرا خیال ہے کہ تم چند روز ظہیر بھیا کے ہاں رہنے کو چلی جاؤ۔"

"کیوں امی! تقریباً سب ہی کا آنا جانا تو لگا رہتا ہے؟"

فائزہ' ماں کی مصلحت سمجھ نہیں پائی تھی۔

"نری احمق رہنا نکمی لڑکی! رابعہ بھابی بڑی گھنی ہیں' ان کو سمجھنا آسان نہیں۔ دیکھتی نہیں تم کتنا تمہیں چاہتی ہیں۔ ساتھ لپٹا لپٹا کر پیار کریں گی مگر آج تک یہ نہیں پھوٹیں کہ میں تمہیں بہو بناؤں گی۔ مجال ہے جو ایک بار کہا ہو مجھ سے۔ بڑی پوری اور پکی ہیں اور طلال کو کب یہاں زیادہ آنے دیتی ہیں۔ یہ بلال تو جانے کن چکروں میں ہے کہ چلا آتا ہے۔ بس میں چاہتی ہوں کہ تم زیادہ سے زیادہ ان کی نظروں میں رہو۔"

آسیہ بیگم' طلال اور بھاوج کے اطوار دیکھ رہی تھیں اور ان کو ان تلوں میں تیل کم ہی نظر آرہا تھا جبکہ وہ طلال پر صرف اور صرف فائزہ کا حق سمجھتی تھیں۔

"اچھا امی! چلی جاتی ہوں مگر یہ کام وام مجھ سے نہیں ہوتے۔ میرے ہاتھ خراب ہو جاتے ہیں اور میرے ناخن تو آپ کو پتا ہے بہت نازک ہیں فوراً ٹوٹ جاتے ہیں اور چھوٹے ناخنوں پر کوئی نیل پالش اچھی لگتی ہے۔"

فائزہ نے اپنے سفید خوبصورت ہاتھوں پر گہرے رنگ کی نیل پالش لگا کر خود ہی ستائشی نظروں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔

"ارے چندا! خدا نہ کرے کہ تم کام کرو۔ ویسے رابعہ بھابی نے کام کرنے والی رکھی ہوئی ہے اور تمہارے پھول سے نازک ہاتھ کوئی کام کرنے کیلئے ہیں۔ ویسے بھی طلال خیر سے آفیسر بن گیا ہے اسے ایک چھوڑ کئی کئی ملازم ملیں گے۔ میری مہارانی کو تو اللہ نے راج کرنے کیلئے بنایا ہے۔ تیار ہو جانا رات کو چھوڑ آئوں گی۔ ہاں طلال کا کہا نہ ٹالنا بالآخر تمہیں اسی کے ساتھ رہنا ہے اور ہونے والا۔"

آسیہ بیگم' بیٹی کی قصیدہ گوئی اور تربیت میں مصروف تھیں کہ زاہدہ بیگم نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی گو کہ وہ تمام باتیں سن چکی تھیں پھر بھی انجان بن کر بولیں۔

کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے فائزہ بیٹی؟" انہوں نے پیار سے فائزہ کے بالوں کو چھوا۔"

جواباً مجبوراً آسیہ بیگم کو بتانا پڑا۔

خدا آپ کا بھلا کرے بھابی جان! میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ ان دونوں لڑکیوں کو رابعہ بھابی کے ہاں چند روز کیلئے بھیج دیا جائے تو بہتر ہے۔ فائزہ تو عادی نہیں۔ ویسے بھی کلیوں کی طرح نازک ہے کیا کام کر سکے گی صائمہ کو ساتھ بھیج دیتی ہوں۔ وہ تو کام کرنے میں بڑی ہوشیار ہے گھر سنبھال لے گی اور "فائزہ کو تو ویسے بھی رابعہ بھابی اپنے قریب سے ہلنے نہیں دیتیں۔ صائمہ کام وغیرہ کرے گی۔

مسکا پالش میں تو زاہدہ بیگم کا ثانی مشکل تھا۔ صائمہ کو ساتھ بھیجنے کیلئے کیا عمدہ ترکیب ڈھونڈی تھی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ رابعہ بھابی کام کرنے والی پھرتیلی لڑکیوں کو پسند کرتی ہیں یوں صائمہ ان کی نظروں میں اچھی بن جائے گی۔ فائزہ کوئی بھی حیثیت اختیار کرے اس سے ان کو غرض نہیں تھی ان کو اور ان کی بیٹی کو تو بلال دل و جان سے عزیز تھا اور اسکی خاطر تو سب کچھ قبول تھا۔ گوارا تھا۔

"چلو یہ بھی ٹھیک رہے گا' دونوں چلی جائیں۔"

آسیہ بیگم نے بھی بہت کچھ سوچ کر کہا۔

یہ لوگ کہیں نہیں جائیں گی۔

اس آواز پر تینوں کی نظریں دروازے کی جانب اٹھ گئیں۔

☆...☆...☆

کیوں نہیں جائیں گی؟" آسیہ بیگم نے تیکھی نظروں سے شوبی کو گھورا جو اخبار ہاتھ میں لیے اندر ہی چلا آیا۔"

اس لیے امی حضور کہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن شروع ہو چکے ہیں اور فائزہ اپنے ڈاکومنٹس وغیرہ نکال کر مجھے دو تاکہ میں اپلائی تو کروں۔" شعیب نان" اسٹاپ بولے چلا گیا۔

اونہہ! مجھے نہیں لینا ایڈمیشن۔ روز جاؤ۔ امتحان دو۔ اتنی مشکل سے تو انٹر پاس کیا ہے اور..." فائزہ قطعی طور پر یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے راضی" نہیں تھی۔

میرا بھی یہ ہی خیال ہے کہ تم جیسی کاہل اور نالائق کیسے یونیورسٹی میں پڑھ سکتی ہے جہاں سمسٹر سسٹم ہے اور باقاعدگی سے پڑھنا اور امتحان دینا پڑتا ہے۔ یہ" امی ہی کو شوق ہو رہا ہے تمہیں پی ایچ ڈی کرانے کا۔" شعیب نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

ہاں۔ ہاں۔ یہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن ضرور لے گی۔ لو حد ہو گئی۔ میں انتظار کر رہی تھی کہ کب داخلے کھلیں۔"

"شوبی بیٹا! تم فارم وغیرہ لے آنا اور فائزہ فی الحال وہاں جانے کا پروگرام ملتوی۔ یونیورسٹی جانے کی تیاری کرو۔

آسیہ بیگم، فائزہ کی تعلیم پر اس لیے بھی توجہ دے رہی تھیں کہ رابعہ بھابی خود ایم اے تھیں۔ وہ زیادہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو پسند کرتی تھیں اور اپنے آفیسر بیٹے کے لیے یقیناً پڑھی لکھی لڑکی پسند کریں گی۔

امی! آپ کو خبر نہیں۔ یونیورسٹی میں پڑھنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ میری ایک دوست آنرز کر رہی ہے۔ ہر وقت پڑھتی رہتی ہے۔ کبھی مڈٹرم ہیں تو کبھی..."

نہیں امی! مجھ سے نہیں پڑھا جائے گا۔ اور آپ کو خبر بھی ہے کہ یونیورسٹی میں آئے دن ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔ مجھے نہیں مرنا بے موت۔ اور خود "سوچئے، میں آپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔

فائزہ پرلے درجے کی نالائق اور بہانہ باز لڑکی تھی۔ ماں کے بے جا لاڈ پیار نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ وہ نت نئے فیشن تو کر سکتی تھی مگر پڑھ نہیں سکتی تھی۔ اسی لیے اس نے ہنگاموں کی بیخ لگا کر ماں کو جذباتی کرنا چاہا۔

کچھ نہیں ہوتا لڑکی، موت زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے، موت تو گھر بیٹھے بھی آ جاتی ہے۔ شوبی تم اس کا کسی طرح سے داخلہ کرا دو پڑھانا میرا کام ہے۔"

نجانے اس کم عقل کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ جتنی زیادہ تعلیم ہو گی اتنی نکھرے گی۔ ادب آداب آئیں گے۔ سوسائٹی میں رہنے کا سلیقہ آئے

گا۔"

بالکل درست کہہ رہی ہیں بھابی جان۔ فائزہ بیٹی! زیادہ تعلیم اور پڑھے لکھوں کا ماحول لڑکی کو نکھار دیتا ہے۔ تم لوگ تو بچیاں ہو۔ نہیں جانتیں مگر ہم
" جانتے ہیں کہ لڑکی کو آج کل کیسا ہونا چاہئے۔ شوبی بیٹے۔ صائمہ کے لیے بھی فارم لے آنا۔ دونوں بہنیں جایا کریں گی یونیورسٹی۔

زاہدہ بیگم نے پہلے تو اس بارے میں نہیں سوچا تھا کہ صائمہ کو یونیورسٹی میں داخلہ دلائے مگر اب فائزہ لے رہی تھی تو وہ پیچھے کیوں رہتیں۔ زاہدہ بیگم کی یہ بات آسیہ بیگم کو پسند

نہیں تھی کہ ہر بات میں صائمہ کو آگے کر دیتی تھیں مگر وہ اپنی بیٹی کو بھی جانتی تھیں۔ یہ سوچ کر خاموش رہیں کہ اچھا ہے، صائمہ ایکٹو لڑکی ہے۔ ساتھ جا کرے گی تو فائزہ کو بھی شوق ہو گا۔ بس وہ یہ چاہتی تھیں کہ فائزہ میں ایسی کوئی کمی نہ رہ جائے جسے بنیاد بنا کر رابعہ بھابی انکار کر سکیں۔

" بڑی گھنی ہیں یہ رابعہ بھابی۔ لپٹاتی رہیں گی فائزہ کو مگر مجال ہے بہو کہیں، خیر میں بھی دیکھتی ہوں۔ کیسے نہیں کرتیں میری فائزہ کے ساتھ طلال کی شادی۔ ذرا فائزہ یونیورسٹی میں سیٹ تو ہو جائے۔ پھر ظہیر بھیا سے بات کروں گی۔ رابعہ کو لفٹ کرانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

آسیہ بیگم کو طلال، فائزہ کے لیے اس قدر پسند تھا کہ وہ کسی صورت اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھیں مگر چونکہ فائزہ میں تعلیمی کمی تھی۔ وہ پوری کرنے کے بعد ہی ان سے بات کرنا چاہتی تھیں۔

" سچ امی! میں بھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لوں گی۔ ہائے قسم سے امی! کتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے آپ نے۔" صائمہ کو جب ماں کی زبانی پتا چلا کہ وہ یونیورسٹی جا رہی ہے تو خوشی سے اچھل پڑی۔ پڑھائی میں صائمہ اور فائزہ ایک جیسی تھیں۔ دو سال سے سیکنڈ کلاس میں انٹر کر کے اپنی طرف سے فارغ ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ گو کہ آگے پڑھنے کی لگن صائمہ کو بھی نہیں تھی مگر چونکہ اب معاملہ ہی اور تھا۔ بلال جیسے خوبرو انجینئر ز بندے کے لیے وہ سب کچھ کرنے کو تیار تھی۔

" شکر ہے تمہیں تو یہ بات پسند آئی۔ فائزہ نے تو ناک بھنویں یوں چڑھائیں گویا کہ کوئی جرم کروا رہے ہوں اس سے۔"

زاہدہ بیگم اسے خوش دیکھ کر مطمئن ہو گئیں۔

" ارے امی جان! فائزہ تو احمق ہے۔ مجھے تو یونیورسٹی میں پڑھنے کا کریز تھا۔ سچ اتنی رنگین زندگی ہے یونیورسٹی کی کیا بتاؤں؟"

" وہ خیالوں ہی خیالوں میں فائزہ کی طرح باب ہیئر اسٹائل میں نت نئے فیشن کے ملبوسات میں کاندھے پر بیگ لٹکائے یونیورسٹی میں گھوم رہی تھی۔ جہاں کئی منچلے اس کی توجہ کے طالب تھے۔ بھلا وہ کسی کو لفٹ کیسے کرا سکتی تھی کہ اس کے خوابوں میں شعیب کے بعد بلال آن بسا تھا۔

" میں وہاں تمہیں رنگین دنیا میں کھو جانے کے لیے نہیں بھیج رہی بلکہ خاص مقصد کے لیے بھیج رہی ہوں۔ دل لگا کر پڑھنا اور کچھ نئے ڈھنگ بھی سیکھ لینا۔"

" ارے امی جان! آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں سب جانتی ہوں۔ سمجھتی ہوں۔ آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔ اچھا امی اب تو یونیورسٹی جانا ہے۔ اب تو بال کٹوانے کی اجازت دے دیں ناں۔ سچ آپ کو پتا نہیں یونیورسٹی میں تو ایسی لانبی چوٹی والی سیدھی سادھی لڑکیوں کو تو لڑکے چنکیوں، میرا مطلب ہے لڑکیاں

لڑکے مذاق اڑاتے ہیں، فول بناتے ہیں۔"

صائمہ نے اپنی سیاہ ریشمی بالوں کی چوٹی کو آگے کر کے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا تو زاہدہ بیگم بھی سوچتی نظروں سے اس کی چوٹی کو دیکھنے لگیں۔اس کے بالوں پر انہوں نے خصوصی توجہ دی تھی۔ بہت ریشمی بال تھے۔ سیاہ، چمکدار ان کا دل تو ہول گیا مگر وقت کے تقاضوں کو پورا کرنا بھی دانشمندی ہے اور ایسی دانشمندی سے وہ گریز کیسے کر سکتی تھیں۔

"ہاں، اگر کٹوانے ہیں تو ابھی کٹوالو۔ اگر یونیورسٹی جانے کے بعد کٹوائے تو سب یہ ہی کہیں گے کہ یونیورسٹی جاتے ہی پر کٹوا ڈالے اور نہ ہی فائزہ یہ کہہ سکے گی کہ میری نقل کی ہے۔ یہ ماں بیٹی پوری ہیں اندر سے۔ یہ آسیہ بھابی جتنی باہر ہیں، اس سے کہیں زیادہ اندر ہیں۔ بس ذرا مطلب پورا ہو جائے۔"

زاہدہ بیگم نے آسیہ بیگم کے پستہ قد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئیں اور صائمہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ کتنی ہی دیر وہ اپنے پرکشش سراپے کو ہر زاویے سے دیکھتی رہی اور ربن کی مدد سے بالوں کو باب کٹ بنا کر دیکھتی رہی کہ اس پر باب اسٹائل سوٹ کرے گا یا مادھوری کی طرح کے اسٹیپ سوٹ کریں گے۔

"ہاں میرے خیال میں باب مجھ پر سوٹ نہیں کر رہا۔ اسٹیپ کٹنگ زیادہ جچے گا اور فائزہ سے مختلف اسٹائل بھی ہو جائے گا۔ ہائے! کاش اللہ میاں آپ نے اتنے اچھے نقوش تو عطا کر دیئے۔ ذرا رنگ بھی گورا کر دیا ہوتا۔ فائزہ کی طرح چٹی چمڑی ہوتی، جو رنگ بھی پہنتی ہے، وہ اس قدر جچتا ہے کہ حد نہیں۔ فائزہ، فائزہ، زیب کو تو اللہ نے دونوں فرصت میں بنایا ہے کہ۔ خیر مقابلہ میرا اور فائزہ کا ہے۔ زیب ہمارے مقابلے کی تھوڑی ہے کہ اس سے خوفزدہ ہوا جائے۔"

وہ جو اتنی دیر سے اپنے رنگ و روپ اور فائزہ کے ساتھ مقابلہ بازی میں مصروف تھی۔ زیب کا خیال کسی کانٹے کی طرح چبھا۔ شعیب کی بات بھی یاد آئی لیکن پھر یہ خیال کر کے اس کی کیا حیثیت جو ہمارا مقابلہ کر سکے، مطمئن ہو گی۔ ابھی وہ باہر نکل ہی رہی تھی کہ باہر ہونے والے شور سے اندازہ ہوا کہ بلال آ ہے۔

"اوہو تو جناب آئے ہیں۔" اس نے کھڑکی سے لاونج میں داخل ہوتے بلال کو دیکھا اور الماری میں تیار شدہ سوٹ جو وہ ایسے ہی ہنگامی وقت کے لیے تیار کر کے رکھتی تھی، اٹھایا اور واش روم میں گھس گئی۔

"آداب پھپھو!" بلال نے ایک گہری نظر لائونج میں صفائی کرتی زیب پر ڈالی جو اسے دیکھ کر بھی بالکل اجنبی بنی اپنے کام میں مصروف رہی۔

"جیتے رہو بیٹا! کیا طلال بھی آیا ہے؟"

آسیہ بیگم نے اس کے سر پر بے دلی سے ہاتھ رکھتے ہوئے طلال کے بارے میں پوچھا۔

"نہیں پھپھو! ان کے کسی دوست کی شادی تھی، وہاں گئے ہیں۔"

"طلال کو تو کبھی اپنی پھپھو کی یاد آتی ہی نہیں۔ مجال ہے جو کبھی حال پوچھنے آ جائے۔ تمہارا دل بھی نہ جانے کیسے چاہتا ہے پھپھو کے گھر آنے کو۔"

آسیہ بیگم کا موڈ خاصا آف ہو رہا تھا۔ ان کے لہجے سے صاف عیاں تھا کہ... بلال کی آمد اہمیت نہیں رکھتی جتنی طلال کی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہر کوئی اپنی اپنی مجبوریوں کا قیدی ہوتا ہے۔ وہ نہیں آئے تو ان کی مجبوری ہو گی۔ میں چلا آتا ہوں تو۔ یہ میری مجبوری ہے۔"

بلال نے شاکی نظروں سے زیب کو دیکھا جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ نظر انداز کرنے اور کترانے کا فن وہ بخوبی... جانتی ہے مگر بلال کی گہری بات اسی کے پلے پڑی تھی جس کو اس نے سمجھانا چاہا تھا۔ آسیہ بیگم تو حال احوال پوچھ کر اٹھ گئیں۔

"آپ ذرا دوسرے کمرے میں چلے جایئے۔ گرد اڑ رہی ہے۔ آپ کے کپڑے سفید ہیں، خراب ہو جائیں گے۔" وہ کپڑا ہاتھ میں لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ زرد ملگجے کپڑوں میں وہ بہت چپ چپ اور دکھی لگ رہی تھی۔

"اور تمہاری بے رخی سے جو دل خراب ہوتا ہے میرا، اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ نہ سلام نہ دعا، زیب ایسی بھی بے رخی کیا۔"

بلال نے شکوہ کناں لہجے میں کہا تو زیب کچھ بھی بولے بغیر ایک خاموش نظر اس پر ڈال کر گلدان وغیرہ صاف کرنے لگی۔ بلال بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

اوہ ہیلو بلال آپ کب آئے؟"

صائمہ ملکے سے میک اپ کے ساتھ زلفوں کو شانوں پر پھیلائے بلال کی طرف بڑھی۔

"بس ابھی آیا ہوں۔" بلال نے ایک اچٹتی سی نظر صائمہ پر ڈالی اور میز پر رکھا اخبار دیکھنے لگا۔ یوں جیسے اسے اس کا آنا ناگوار گزرا ہو۔ صائمہ نے ماحول کا جائزہ لیا۔ اسے اپنے اور بلال کے ساتھ کمرے میں زیب کا وجود کسی خار سے زیادہ چبھا۔

"زیب! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کچن میں جاؤ۔ امی کا ہاتھ بٹاؤ۔ یہ صفائی رہنے دو، میں کر لیتی ہوں۔"

صائمہ نے اس کے ہاتھ سے ڈسٹر لیتے ہوئے جیسے کہا کہ دفعان ہو جاؤ یہاں سے... مگر زیب کا جی چاہا کہہ دے کہ تمہیں تو ڈسٹ الرجی ہے۔ آج تک تو یہ ہی بہانا بناتی رہی ہو پھر آج۔ مگر وہ زبان بندی کے اصولوں پر سختی سے کاربند تھی۔ یہ بھی نہ کہہ سکی کہ تمہاری ہی ماں نے کچن کے کاموں پر پابندی لگائی ہے۔ وہ خود بھی وہاں بلال کے سامنے رہنا نہیں چاہتی تھی۔ فوراً وہاں سے ہٹ گئی۔ بلال بظاہر اخبار میں مشغول تھا مگر اس کی نظریں زیب کے حزیں چہرے اور کان صائمہ کی تیز آواز کی طرف تھے۔ زیب کے جانے کے بعد صائمہ کا خیال تھا کہ وہ بلال کے ساتھ بیٹھ کر کچھ باتیں کرے گی، کچھ کہے سنے گی مگر بلال نے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ زیب کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد کھڑا ہو گیا۔

"شعیب کہاں ہے، باقی سب بھی نظر نہیں آ رہے۔ شعیب میری کتاب لے کر آیا ہوا ہے اور مجھے ضرورت ہے۔" بلال بولتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ منہ بنا کر پیر پٹخ کر رہ گئی۔ کتنے اہتمام سے وہ تیار ہوئی تھی مگر اس نے نگاہ غلط بھی ڈالنا گوارا نہیں کیا۔

"ہونہہ! میں سب جانتی ہوں بلال احمد! تم کس کے سحر میں گرفتار ہو۔ شعیب درست کہتا ہے لیکن اب تم میری پسند ہو اور اپنی پسند کی تو بال پن بھی میں کسی کو نہیں دیتی۔ بلال تو بلال ہے۔ دیکھ لوں گی، زیب تمہیں بھی۔"

صائمہ کی زہریلی سوچوں نے کس طرح اس کے پرکشش چہرے کو خوفناک بنا دیا تھا۔ اگر وہ اس وقت خود کو دیکھ لیتی تو شاید اپنی سوچوں پر عمل نہ کرتی۔

"آ جاؤ۔" دروازے پر دستک ہوئی تو شعیب نے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے دستک دینے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔

تم میرے کمرے میں، خیریت!" شعیب، صائمہ کو اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گیا... گو کہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ جب صائمہ کے خوابوں میں وہ بسا ہوا تھا۔ وہ آنے بہانے سے آ جایا کرتی تھی مگر جب سے بلال پر نظریں ٹھہریں تھیں یہ سلسلہ بند ہو چکا تھا۔

"ہاں، میں بلال کو دیکھنے آئی تھی۔ یہاں نہیں آیا وہ؟"

صائمہ کو اندیشے گھیرنے لگے کہ کہیں وہ زیب کے پاس نہ چلا گیا ہو۔

"اوہو تو بلال صاحب آئے ہیں۔ مگر وہ میرے کمرے میں کیوں آنے لگا۔ رنگین نظارے چھوڑ کر۔" شعیب معنی خیز نظروں سے اس کی تیاری دیکھ کر بولا۔

"مجھ سے تو یہ ہی کہہ کر آیا تھا کہ شعیب کے پاس جا رہا ہوں کوئی کتاب لینی ہے۔" وہ اس کی بات اور اس کے معنی خیز جملے کو نظر انداز کر گئیں۔

"اچھا تو تمہاری اتنی حیثیت ہو گئی اس کی نظروں میں کہ تمہیں بتا کر آنے جانے لگا۔" شعیب کا لہجہ بڑا کٹیلا اور ہونٹوں پر دل جلانے والی مسکراہٹ تھی جو صائمہ کو اس کی کم مائیگی کا احساس دلا رہی تھی مگر وہ بھی زاہدہ بیگم کی بیٹی صائمہ تھی آسانی سے مات نہیں کھا سکتی تھی۔

"میری تو بلال کی نظروں میں جو حیثیت ہے، سو ہے۔ اور اگر نہیں بھی ہے تو ایسی ہو جائے گی کہ تم جیسے دانتوں میں انگلیاں ڈال کر رہ جائیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری خود زیب کی نظروں میں کیا حیثیت ہے۔ کبھی غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔ چہرے کو پڑھا ہے کہ نگاہوں میں عکس اور دل پر کس کے نام کی داستان رقم ہو رہی ہے۔"

شعیب کے طنز کے جواب میں صائمہ کو اپنی بساط کا سب سے بہترین یہ ہی پتا لگا جو اس نے شعیب کی طرف اچھالا تو واقعی کچھ دیر کے لیے وہ سوچ کر رہ گیا۔ زیب تو شاید اس کے سائے سے بھی کتراتی تھی۔ وہ اسے پسند ضرور کرتا تھا مگر کبھی اس قابل نہیں جانا تھا کہ اس کے ناز اٹھائے یا اس کی نظروں میں اپنی حیثیت کو جانے وہ تو زیب کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔

"مجھے زیب کی نظروں میں جھانکنے اور چہرہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ میری دسترس میں ہے جب چاہوں اپنا سکتا ہوں۔"

شعیب شاید اپنی حیثیت کے مطابق کہ وہ جس گھر میں رہتا ہے۔ وہ اس کا اپنا ہے اور زیب ان کی دست نگر ہے دوسرے الفاظ میں وہ اس کی ملکیت تھی جب چاہتا اپنا سکتا تھا۔

"خوش فہمی ہے شعیب صاحب آپ کی۔ عورت مرد کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اس کی عزت، اس کی محبت بننا پسند کرتی ہے کیا سمجھے اور پھر تم نے تو ڈانٹ پھٹکار کے علاوہ اس سے آرام سے بات ہی نہیں کی۔ اس طرح تو اس کے دل میں تمہارے لیے نفرت ہی پیدا ہو سکتی ہے محبت یا عزت نہیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" سرے سے شعیب کی سمجھ میں صائمہ کی باتیں نہیں آ رہی تھیں کہ وہ کیا چاہتی ہے اور ان ساری باتوں کی آڑ میں کیا کہنا چاہ رہی ہے۔"

"مطلب یہ کہ اگر تم اسے پسند کرتے ہو تو اس پر توجہ دو۔"

"توجہ۔" اس وقت صائمہ سراپا معمہ بنی کھڑی تھی اس کے سامنے۔"

"ہاں ویسی ہی توجہ جو تم اپنی دیگر گرل فرینڈز کو دیتے ہو۔ مگر چھوٹا سا سہی، تحفہ تحائف کا تبادلہ کیا کرو۔ چونکہ زیب تمہاری کزن بھی ہے اس لیے کچھ زیادہ خیال رکھا کرو۔ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ کبھی حال چال پوچھ لیا کرو۔ کبھی اظہار محبت کر دو۔ بھئی اگر اس سے شادی کرنے کا ارادہ ہے تو اس کے دل

میں جگہ بناؤ" وہ اسے مفت مشورے پر مشورہ دیئے جا رہی تھی اور وہ حیران کن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بائی داوے تمہیں یہ اطلاع کس نے دی کہ میں زیب کو اس حد تک پسند کرتا ہوں کہ شادی اسی سے کروں گا۔" شعیب نے جھینپی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں تم جیسے فلرٹی آدمی کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ باہر کی بے شمار لڑکیوں کو بے وقوف بنانے کے بعد اپنے گھر کی لڑکی خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، شادی اسی سے کرو گے... اور زیب تو ہے بھی ایسی لڑکی کہ ہر کوئی اسے چاہے اور پسند کرے۔"

"حیرت کی بات ہے، کچھ عرصہ قبل تو ہزاروں عیب تھے زیب میں مگر اب وہ چاہنے اور پسند کیے جانے کے لائق کیسے ہو گئی۔" شعیب کے معنی خیز انداز نے اسے وہ وقت یاد دلایا جب صائمہ کی مہربانیوں کا مرکز وہ خود تھا۔

"ہاں، وقت وقت کی بات ہے۔ عقل کسی وقت بھی آسکتی ہے۔" صائمہ نے بھی شرمندہ ہوئے بغیر ڈھٹائی سے کہا۔

"یہ تم مجھے زیب کے قریب ہونے کے لیے کیوں کہہ رہی ہو" شعیب سینے پر ہاتھ باندھے اس کے قریب آ گیا۔

اس لیے کہ تم نے اس روز مجھے زیب سے محتاط رہنے اور بلال کے قریب ہونے کو کہا تھا۔" صائمہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اعتماد کے ساتھ کہا اور باہر نکل گئی۔

"ہوں!" شعیب نے پر خیال انداز میں ہلتے ہوئے پردے کو دیکھ کر ہوں کہا پھر کسی خیال کے تحت انیکسی میں چلا آیا۔

"ہوں تو بلال! تم یہاں ہو، مجھے اطلاع ملی تھی کہ تم میرے پاس آ رہے ہو، کافی دیر کمرے میں انتظار کرتا رہا پھر سوچا تم یہیں ہو گے اس لیے سیدھا یہیں چلا آیا۔"

شعیب نے ایک نظر میں کمرے کا جائزہ لیا اور بائیں ہاتھ میں چائے کا وہ مگ اچک لیا جو زیب، بلال کو دے رہی تھی اور دایاں ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا۔ اس کی اچانک آمد پر بلال سمیت وہ سب کچھ پریشان سے ہو گئے۔

"ہاں۔ میں نے سوچا پہلے پھپھو کی خیریت معلوم کر لوں۔" بلال نے فوراً بات بنائی۔ حالانکہ وہ شنذرا کو یہ بتانے آیا تھا کہ اس کا ایڈمیشن ہو گیا ہے۔

"اچھا ہاں۔ پھپھو! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ دوا وغیرہ تو لے رہی ہیں۔ واہ، چائے یقیناً زیب نے بنائی ہو گی ذائقہ ہی بتا رہا ہے۔"

شعیب نے پہلے شگفتہ لہجے میں نسیمہ بیگم کا حال پوچھا پھر چائے کے سپ لیتا ہوا زیب کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا یوں انیکسی میں چلے آنا اس طرح بات کرنا۔ وہ سب سمجھ رہے

تھے۔ زیب تو اندر ہی اندر دہل رہی تھی کہ اب وہ اسے نجانے کتنے تیروں کا نشانہ بنائے۔ نسیمہ بیگم الگ خوفزدہ تھیں۔ شعیب کی فطرت سے وہ اچھی طرح واقف تھیں۔

"ٹھیک ہوں شوبی بیٹا! تم بتاؤ، کوئی کام تھا۔"

"کام۔ جی کام تھا زیب سے۔"

وہ بار بار زیب کو گہری نظروں سے دیکھ بھی رہا تھا اور اس کا نام بھی لے رہا تھا۔ بلال کے لیے ایسی سیچویشن اذیت ناک ہو جایا کرتی تھی جب شعیب، زیب پر اپنا حق دھونس کے انداز میں جتاتا۔

"زیب! تم فارغ ہو؟" اب وہ براہ راست زیب سے مخاطب تھا۔

"جی میں تو ہر وقت فارغ ہی ہوتی ہوں۔" زیب کا لہجہ ہلکا سا طنز لیے ہوئے تھا۔

"تو ایک کام کرو پلیز، یہ میری شرٹ ہے۔ اس کے بٹن دھوبی نے توڑ دیئے ہیں۔ انہیں ابھی لگا دو پلیز۔"

عام معمول سے ہٹ کر انتہائی دوستانہ اور نرم لہجے میں اس نے زیب کے سامنے وہ شرٹ بڑھا دی جس کے بٹن وہ پہلے بھی ٹانک چکی تھی مگر وہ بولی کچھ نہیں۔ اس کے رویے اور بدلے ہوئے لب و لہجے کے بارے میں سوچتے ہوئے شرٹ پکڑ لی۔ وہ تو اس کے... تحکمانہ لب و لہجے کی عادی تھی۔ آج لہجے میں جانے کہاں سے شیرینیاں بھر لایا تھا۔

"اور ہاں اس کے بٹن میرے کمرے میں الماری کی دراز میں ہیں۔ جاؤ ذرا جلدی اور ہاں اس کے بعد ذرا پانی گرم کر کے واش روم میں رکھ دینا، گیزر جانے کب ٹھیک ہوگا اور وہ میری بلیک پینٹ پر استری بھی کر دینا۔"

شعیب نے ایک سانس میں اس پر اپنی حاکمیت ثابت کرتے ہوئے اتنے کام بتا دیئے کہ بلال کی موجودگی تک وہ اس کے سامنے نہ آسکے۔ بلال کے لیے یہ سب برداشت سے باہر تھا مگر مجبور تھا۔ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ضبط کر کے بیٹھا رہا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شعیب یہ سب کیوں کر رہا ہے۔

"ہاں شذرا! میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا تمہارا ایڈمیشن ہو گیا ہے اور بیس تاریخ سے کلاسز شروع ہو جائیں گی۔ یہ تمہارے کاغذات ہیں۔"

بلال، نہیں جانتا تھا کہ وہ شعیب کے سامنے بات کر کے ایک بڑے ہنگامے کی بنیاد ڈال رہا ہے۔

"ایڈمیشن' کہاں لیا ہے تم نے ایڈمیشن؟"

شعیب جو کچھ دیر قبل بہت بدلا ہوا الگ رہا تھا۔ ایک دم پرانی روش پر آگیا اور انتہائی تیکھی نظروں سے اس نے شذرا کو دیکھا، جو واقعی سہم گئی تھی اور بلال کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا کہ اسے شعیب کے سامنے یہ بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔

"وہ شوبی بھیا! ہومیو پیتھک کالج میں۔" اس نے دبی دبی آواز میں بتایا۔

"کیا ضرورت تھی اس کی؟" شعیب نے قہر آلود نظروں سے شذرا کو دیکھا۔

"ہاں۔" میں نے بھی یہ ہی کہا تھا کہ ضرورت ہی کیا ہے مگر تم اس کی ضدی فطرت سے واقف ہو۔ اس روز بلال کے سامنے تذکرہ ہوا تو اس نے ایڈمیشن ہی کروا دیا۔"

نسیمہ بیگم آنے والے وقت کے خوف سے آہستگی سے وضاحت کرنے لگیں۔

"ضرورت کیوں نہیں پھپھو! آپ کو پتا ہے ناں زمانے کے حالات اور فی زمانہ ہر لڑکی کے ہاتھ میں ایسی ڈگری ضروری ہے جو کسی بھی آڑے وقت میں اس کے کام آسکے۔ اچھے برے وقت کا کچھ پتا تو نہیں ہوتا کہ کب آجائے۔ اس لیے انسان کو ہر وقت کے لیے تیار رہنا چاہئے۔ شذرا نے تو مجھ سے صرف

انفارمیشن لانے کو کہا تھا۔ اتفاق سے ایڈمیشن کھلے ہوئے تھے۔ میں نے کروادیا۔ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ شنذرا میری بھی بہن ہے۔"

بلال ساری صورتحال سمجھ گیا تھا۔ اس لیے اس نے بڑے مناسب الفاظ میں ایڈمیشن کی کہانی سنادی۔ شعیب نے کچھ نہیں کہا۔ وہاں سے اٹھ گیا پھر شنذرا کے اس ایڈمیشن نے اچھے خاصے ہنگامے کی شکل اختیار کرلی تھی۔

"نسیمہ! کچھ تو بھائیوں کی عزت کا خیال کرلیا کرو۔"

نسیمہ بیگم شنذرا سمیت صاحب اقتدار کی عدالت میں مجرم بن کر کھڑی تھیں۔

"نسیمہ باجی! کیا کیا باتیں نہ بنائیں گے لوگ کہ سگے بھائیوں نے شاید تنگ رکھا ہوا ہے تب ہی دوسرے رشتے داروں سے مدد لیتی ہیں ماں بیٹیاں، ظہیر بھائی کیا سوچیں گے کہ ہم آپ لوگوں کی ضروریات پوری نہیں کرتے" مشتاق احمد کو تو غصہ نکالنے کا موقع ملنا چاہئے تھا۔

"نجانے کیا کچھ لیتی دیتی رہتی ہیں۔ کیا عزت رہ گئی ہے ہماری رابعہ بھابی کی نظروں میں۔ کل کو ہم نے وہاں بیٹیاں دینی ہیں۔ نسیمہ باجی! کچھ تو خیال کرلیا کریں۔"

زاہدہ بیگم نے زہر خند لہجے میں کہا۔ نسیمہ بیگم تو یوں مجرم بنی ہوئی تھیں جیسے واقعی ان سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا ہے۔

"خدا گواہ ہے بھائی! کہ آپ سب کی عزت ہی میری عزت ہے۔ خدا کی گواہی کے بعد بھی تم لوگوں کو یقین نہ آئے تو میں کیا کرسکتی ہوں۔ کہ میں نے آج تک ظہیر بھائی اور رابعہ بھابی سے کچھ نہیں کہا اور جب تم لوگ میری ہر خواہش، ضرورت پوری کرتے ہو تو مجھے کسی اور سے کہنے کی کیا ضرورت ہے اور جہاں تک اس کے ایڈمیشن کا سوال ہے تو اس نے بلال سے صرف انفارمیشن لانے کو کہا تھا، اس نے ایڈمیشن ہی کروادیا۔"

"جی پھپھو! یہ تو آپ درست کہہ رہی ہیں کہ بلال کو تو موقع ملنا چاہئے آگے بڑھنے کا۔ پھپھو اس کی مہربانیوں کا مطلب میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ جو وہ چاہتا ہے وہ کبھی نہیں ہوسکتا اس لیے آپ محتاط رہئے اور شنذرا! خبردار جو تم کالج گئیں۔"

شعیب نے زہریلی سی نگاہ زیب پر ڈالی اور پھر شنذرا کو حکم صادر کردیا، کالج نہ جانے کا۔ شنذرا مارے غم وغصے کے سر سے پیر تک تپ گئی۔ شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مگر نسیمہ بیگم نے اس کا ہاتھ اتنی سختی سے دبا کر خاموش رہنے کو کہا کہ اس کے اندر کا لاوا اندر ہی اندر کھول کر اسے ختم کرنے لگا۔ جب وہ دونوں ماں بیٹی باہر نکل رہی تھیں۔ اسی وقت شوکت صاحب اندر داخل ہوئے۔ ماحول اور سب کے چہرے پر لکھی تحریریں بتارہی تھیں کہ کچھ ہوا ہے، ان کے استفسار پر آسیہ بیگم نے صورتحال سے آگاہ کیا۔

"آپ کی بہن اور بھانجیوں نے گویا، ذلیل کرکے رکھ دیا ہے ظہیر بھائی اور بھابی کے سامنے۔" آسیہ بیگم کو تو سدا کی چڑ تھی۔ بس موقع ملنا چاہئے تھا۔

نسیمہ بیگم نے مزید وضاحت فضول سمجھی، خاموش رہیں۔

"اوہو! ایسی کیا قیامت آگئی ہے۔ ظہیر بھائی کوئی غیر تو نہیں ہیں۔ اگر انہوں نے کچھ کردیا ہو تو، رشتے میں بھائی ہیں۔ حق ہے ان کا اور اگر بات صرف ایڈمیشن کی ہے تو اس کے لیے میں نے بلال سے کہا تھا اور اس کے لیے میں نے اسے پیسے بھی دیئے تھے۔

"آپ نے؟"

شوکت صاحب کے اس غیر متوقع اعتراف پر ماحول پر سناٹا سا چھا گیا۔ کچھ کے چہروں پر خفگی اور کچھ کے چہروں پر ہلکی سی ندامت بھی چھائی مگر شذرا اور نسیمہ بیگم کے چہرے ایک دم کھل اٹھے تھے۔ یوں جیسے بھری عدالت میں شوکت صاحب کی گواہی نے ان کو بے گناہ ثابت کر دیا ہو۔

"ماموں جان آپ... آپ نے۔"

شوکت صاحب شذرا کو عظمت کی بلندی پر نظر آئے۔ وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"ہاں بیٹے! اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ تمہارا شوق ہے اور میں تمہارا کوئی شوق ادھورا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"

"ماموں جان! ماموں جان! شذرا ان سے لپٹ گئی اور جتنے ضبط کیے ہوئے آنسو تھے وہ شوکت صاحب کے سویٹر میں جذب ہو گئے۔ نسیمہ بیگم کا رواں رواں اس بھائی کو دعائیں دینے لگا جس کو خدا تعالیٰ نے ان کی ڈھال بنایا تھا۔

"ہونہہ! یہ شخص تو تمام عمر بہن کو ہی پالے گا اور ہم پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں کہ خرچ کم کرو۔ ضروریات مت بڑھاؤ۔"

آسیہ بیگم بڑبڑاتی ہوئی کچن میں آ گئیں۔

"لو بھیا! حد ہو گئی۔ یہ شوکت بھیا تو ہمیں اور ہماری اولاد کو بے دخل کرتے جا رہے ہیں۔ فائزہ اور صائمہ نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تو انہوں نے فوراً اعتراض کیا کہ کیا ضرورت ہے مزید پڑھنے کی اور اس چہیتی کو بتائے بغیر ایڈمیشن دلوا دیا۔"

زاہدہ بیگم بھی تپی ہوئی وہاں سے اٹھ گئیں۔ شوکت صاحب کے اس اقدام پر سب ہی بھرے بیٹھے تھے۔ خاص کر اسد اس بات کو بہت اچھال رہا تھا۔

"بھئی۔ اب تو ہومیوپیتھ کی دنیا میں انقلاب آ جائے گا۔ ڈاکٹر شذرا امراد ایسی ایسی دوائیں، ایسے ایسے علاج ایجاد اور دریافت کریں گی کہ شرح اموات بڑھ جائے گی۔ کیوں ہومیو ڈاکٹر شذرا امراد؟"

وہ کٹیلے لہجے میں بولتا ہوا بڑی چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"طب کی دنیا میں تو انقلاب آئے یا نہ آئے لیکن خدا نے چاہا تو تمہاری زندگی میں انقلاب ضرور لاؤں گی ڈاکٹر اسد مشتاق" شذرا نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"اچھا زیادہ مت بولا کرو۔ جاؤ، فرخ کو بھیجو۔"

اسد نے انتہائی برے انداز میں کہا اور فرخ کو بھیجنے کا حکم دیا۔

"وہ ہرگز نہیں آ سکتا۔"

"کیوں اس کے پیروں میں مہندی لگی ہے۔" اسد کاؤچ پر نیم دراز ہوتا ہوا بولا۔

"کل اس کا انگلش کا پیپر ہے اور وہ پڑھ رہا ہے۔" شذرا کہہ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

''افوہ بھیجواسے، میٹرک پاس کرکے اس نے کو توال نہیں بن جانا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اسے میٹرک کی۔ میں اسے کوئی نوکری دلادوں گا۔ یا کسی ورکشاپ پر بٹھادوں گا۔ چار پیسے لے کر آئے گا۔ آخر کب تک تم لوگ ہمارے سروں پر سوار رہو گے۔''

شذرا کو چڑانے میں جانے کیوں اسے مزہ آتا تھا اور اس وقت بھی وہ اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

''تم... اسد مشتاق! اول درجے کے ذلیل، کم ظرف انسان ہو۔ ورکشاپ میں کام کرو تم۔ لوگوں کی جوتیاں پالش کرو تم، میرا بھائی انشاءاللہ کو توال شہر ہی بنے گا۔ میرا اللہ پاک اسے اتنا بڑا آفیسر بنائے گا کہ تم جیسے پانی بھریں گے اس کے آگے۔'' شذرا کی آنکھوں سے گویا شعلے برس رہے تھے۔

''ہیں۔ ہیں لڑکی کیا زبان کے آگے خندق ہے۔ ذرا لحاظ شرم نہیں تمہیں۔ ایک ہی میرا بچہ ہے۔ ڈائن اسے ہی ہر وقت چمٹی رہتی ہے۔ وہی بات کہ نیکی برباد گناہ لازم۔''

زاہدہ بیگم نے شذرا کو جو اسد سے الجھتے دیکھا تو فوراً لپکیں اور دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع شذرا نے خود ہی فراہم کر دیا۔

''مامی! آپ اسد سے بھی تو پوچھیں۔ اس نے کیا بات کی ہے۔'' وہ ایک دم ہی روہانسی ہو گئی۔

''کوئی گولی نہیں ماری ہو گی تمہیں اور اسد چاند تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کہ اس چڑیل کے منہ نہ لگا کرو۔ بدلحاظ۔ احسان فراموش۔''

''شذرا! شذرا نے جواب کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ زیب نے زور سے پکارا۔ ''تم واقعی بدلحاظ اور احسان فراموش ہو۔ اتنے احسانات ہیں ہمارے ماموؤں کے کہ یہ لوگ جان بھی مانگیں تو حاضر ہے اور تم...''

زیب کو آج شذرا پر واقعی غصہ آیا تھا جسے خود پر ذرا بھی کنٹرول نہیں تھا۔

''اس میں اس کا بھی اتنا قصور نہیں زیب یہ ساری کمزوری تمہاری ماں کی ہے جو اس کی ہر جا و بے جا ضدیں پوری کرتی ہیں گویا اکلوتی ہے اگر اس کی خودسری کا یہ حال رہا تو جانے کیا دیکھنا پڑے۔''

''چھوڑیں امی! کس فضول موضوع پر بحث کر رہی ہیں۔ ہما اور صبا سے کہہ دیں کہ تیار ہو جائیں۔ انکل ظہیر کے ہاں جانا ہے۔ ندا کی برتھ ڈے ہے۔''

اسد نے دانستہ ماں کو ٹوک دیا ورنہ تو آج ان کا لمبا پروگرام تھا شذرا کی کھنچائی کرنے اور احسانات جتانے کا۔

''ہائیں ندا کی برتھ ڈے ہے اور گھر میں کسی کو خبر بھی نہیں۔''

صائمہ کے کان فوراً کھڑے ہو گئے۔ ندا کی برتھ ڈے کا سن کر۔

''یہ خبر گھر والوں کے لیے ہے بھی نہیں صائمہ آپی! اس لیے کہ ندا سلیبریٹ نہیں کر رہی۔ یوں ہی فون کر دیا تھا کہ صبا، ہما کو لے کر آ جانا۔ ہلا گلا کر لیں گے۔''

وہ شذرا اور صدف کا نام حذف کر گیا حالانکہ ندا نے شذرا اور صدف کے لیے اصرار کے ساتھ کہا تھا۔

''ارے واہ! میں تو ضرور جاؤں گی۔ اچھا سا گفٹ بھی دوں گی ندا کو۔'' صائمہ کو آگے بڑھنے کے تمام راستے معلوم تھے۔

''ہاں۔ ہاں اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ ذرا تفریح ہو جائے گی اور صائمہ وہ سوٹ جو میں تمہارے لیے لائی تھی ناں۔ وہ لے جاؤ اپنی طرف سے ندا کے

لیے۔"

شذرا اور زیب وہاں سے جا چکی تھیں کیونکہ ان سب کی توجہ ندا کے برتھ ڈے پر ہو گئی تھی۔

"فائزہ! تمہیں معلوم ہے کہ آج ندا کی برتھ ڈے ہے؟"

صائمہ سمجھ رہی تھی کہ یہ خبر صرف اسے ہی معلوم ہے فائزہ نے ایک عجیب سی نظر اس پر ڈالی اور ایک انداز تفاخر سے بولی۔

"جی ہاں، مجھے کل ہی آنٹی نے فون پر بتا دیا تھا کہ ندا کی برتھ ڈے ہے اور میں ضرور آئوں۔"

"اچھا تم کیا گفٹ کر رہی ہو ندا کو۔"

صائمہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کیا دے رہی ہے۔ پھر اسی حساب سے وہ بھی فیصلہ کرے۔

طلال کو سعد کے والد نے بلایا تھا اسے فوراً جانا تھا اور اسی لیے وہ خاص طور پر تیار ہو کر آیا تھا۔ سفید کلف شدہ شلوار سوٹ میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔ فائزہ نے توصیفی نظروں سے طلال کو دیکھا اور دل میں سراہا بھی مگر خود اپنے سراپے پر نگاہ ڈال کر سوچا کہ میں کوئی اس سے کم ہوں جو اس کی تعریف کروں یا بچھی جائوں۔ وہ اس دوست کے بارے میں یہ ضرور سوچ کر رہ گئی جس کے لیے اتنا اہتمام ہوا تھا اور اتنی اہم تقریب کہ جس میں وہ شریک تھی، چھوڑ کر جا رہا تھا۔

"بلال بھائی! آپ کا فون ہے۔ انکل شوکت آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" جمال نے آکر بتایا تو بلال فوراً اٹھ کر آگیا۔

"السلام علیکم۔"

"جیتے رہو بیٹے! یہ بتائو کہ کوئی آس پاس تو نہیں؟"

"آس پاس تو سب ہیں۔ خیریت تو ہے ناں۔ چلئے میں فون کمرے میں لے جاتا ہوں، وہاں بات کرتے ہیں۔" بلال اسی وقت فون اٹھا کر کمرے میں آگیا۔

بلال میاں! میں مصلحتاً تمہارے نام پر ایک جھوٹ بول چکا ہوں اور تمہاری فرمانبرداری سے امید رکھتا ہوں کہ تم میرے اس جھوٹ کا بھرم رکھو گے۔"

"انکل میں کچھ سمجھا نہیں۔" وہ الجھ گیا۔

"بیٹا! تم نے شذرا کا ایڈمیشن کرایا ہے ناں۔ اس پر ان ماں بیٹیوں کی شامت آئی ہوئی تھی کہ انہوں نے تم سے مدد لے کر ان کی ناک کٹوائی ہے۔ میں نے عین وقت پر کہہ دیا کہ شذرا کے ایڈمیشن کے لیے میں نے بلال کو کہا تھا۔ تب کہیں جا کر ان کی جان بخشی ہوئی۔ میں نے تمہیں اس لیے انفارم کر دیا ہے کہ اگر بات نکل آئے تو تم سنبھال لینا۔ گھر والے تو میرے ہیں سب مگر بہت کم ظرف ہیں۔ بس بیٹا! میرے اس جھوٹ کا بھرم رکھ لینا۔

شوکت صاحب بات تو کر چکے تھے مگر اب خوفزدہ تھے کہ اگر حقیقت معلوم ہو گئی تو ان کا اعتبار تو اٹھ ہی جائے گا۔ ان بے چاریوں کی شامت پھر آجائے گی۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا انکل کہ مجھے بتا دیا۔ اس روز شعیب بھی بہت خفا ہو رہا تھا اس بات پر کہ یہ ایڈمیشن میں نے کیوں کروایا ہے۔ نسیمہ پھپھو اور شذرا وغیرہ سے۔ ہمارا بھی تو تعلق ہے۔ اگر ہم ان کے لیے کچھ کرتے ہیں تو سب لوگوں کو اعتراض کیوں ہوتا ہے؟"

بلال کو بھی اس بات کا غصہ تھا۔ اس نے بھی شکایت کر دی۔

"بس بیٹا! یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری آزمائش ہے جس پر ہم پورے نہیں اتر پا رہے۔ تمہاری پھپھو آسیہ تو خصوصاً۔ خیر تم لوگ انجوائے کرو۔ میں بور نہیں کروں گا۔ اچھا بیٹا ندا کو میری طرف سے دعائیں دینا۔ خدا حافظ۔"

بلال نے غصے سے صائمہ کو دیکھا جو سب کے سامنے بچھی جا رہی تھی۔ بلال کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے نمبر ملایا کہ شاید زیب سے بات ہو جائے اور پھر واقعی جذبوں کی صداقت رنگ لگائی۔ فون ریسیو کرنے والی زیب ہی تھی۔

"ہیلو زیب! کیسی ہو؟"

"آپ۔"

"ہاں زیب! میں بلال ہوں۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ تم لوگ کیوں نہیں آئے لیکن اگر آ جاتے تو... خیر بتاؤ شعیب تو گھر پر نہیں؟"

"ہیں تو گھر پر مگر لان میں کسی دوست کے پاس بیٹھے ہیں۔ آپ جلدی کریں۔ مجھے چائے تیار کرنی ہے، ندا کو میری طرف سے مبارکباد دے دیجئے گا اور۔"

اس سے قبل کہ اس کی بات مکمل ہوتی۔ ریسیور شعیب سنبھال چکا تھا۔

"ہیلو۔ زیب۔ ہیلو زیب سنو کہاں چلی گئیں زیب؟" بلال مستقل زیب زیب پکار رہا تھا۔

"ہوں تو یہ سلسلہ بھی ہے زیب مراد!"

ریسیور کریڈل پر پٹخ کر شعیب نے قہربار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا... جس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ یہ تو پہلا اتفاق ہوا تھا کہ بلال کا فون اس نے ریسیور کر لیا۔ وہ اس سلسلے کا کیا جواب دیتی۔ مگر وہ تو اسے مشکوک نظروں سے دیکھتا، تفتیشی انداز اپنائے ظالم تھانیدار لگ رہا تھا۔ اس کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔

"شعیب بھائی! یہ محض اتفاق ہے پہلا اتفاق کہ..."

احساس توہین سے اس کی آواز بھرا گئی۔ اسے یقین تھا کہ اسے اس کی سچائی پر ہرگز اعتبار نہیں آئے گا۔

"یہ ایسے اتفاقات تم دونوں ہی کے ساتھ ہوتے ہیں کیوں؟ میرے سامنے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرو زیب! یہ بتاؤ یہ سلسلہ کب سے جاری ہے۔" شعیب نے اسے

شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"خدا گواہ ہے شعیب بھائی! یہ محض اتفاق تھا۔ اس سے پہلے نہ انہوں نے کیا اور نہ میں نے وہ ذلت کے احساس کے ساتھ رو پڑی۔

"ہونہہ! بلال کو تو بہت اچھی طرح جانتا ہوں میں اور اس معصومیت کے پیچھے تمہارے کیا عزائم ہیں۔ یہ بھی خوب اچھی طرح جانتا ہوں مگر یاد رکھو۔ میں

تم دونوں کو کامیاب ہونے نہیں دوں گا۔" شعیب غصے میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔

چھوڑیں مجھے۔ہم بد نصیبی کے تحت آپ لوگوں کے دست نگر ضرور ہیں شعیب بھائی! مگر اپنی غیرت اور خودداری نہیں بیچی آپ کے ہاتھوں کہ آپ یوں میری کردار کشی کریں۔آپ کو کوئی حق نہیں اس انداز میں میرے بارے میں سوچنے کا۔"

وہ بھی انسان تھی۔ کہاں تک برداشت کرتی۔ وہ اس پر حکم چلا کر وقت بے وقت کام کرا سکتا تھا۔وہ اسے برا نہیں لگتا تھا مگر یوں وہ اس کے کردار کی دھجیاں بکھیرے، یہ حق وہ اس کو نہیں دے سکتی تھی۔

"واہ کیا بات نکالی ہے۔ تمہارے گن تو اب سامنے آ رہے ہیں۔ کان کھول کر سن لو۔ یہ زبان جو بلال نے لگائی ہے میں کاٹ بھی سکتا ہوں۔ رہا سوال حق کا تو۔ تو یاد رکھو کہ آنے والے وقت میں تم پر صرف میرا ہی حق ہوگا۔ سمجھیں اور میری اور تمہاری منگنی میں بلال کو شرکت کی دعوت بھی تم ہی دو گی۔اس کا خیال دل سے نکال دو اور جاؤ چائے بناؤ۔"

شعیب نے اسے جھٹکے کے ساتھ چھوڑ دیا۔اتنی توہین اتنی ذلت، اتنا شک، اتنی تحقیر کے ساتھ اپنی حاکمیت کی مہر ثبت کر دی تو وہ بے دم ہو کر صوفے پر گر گئی۔ بے بنیاد الزام، منگنی، اف میرے خدا، یہ کیسی آزمائش ہے کہ ختم ہونے کے بجائے عمر قید میں ڈھل جائے گی۔ نہیں، میرے خدایا میری مدد فرما۔"

وہ بے حال ہوئے جا رہی تھی۔ ایک عجیب طرح کے کرب نے آگھیرا تھا۔ بات ہی ایسی تھی کہ وہ بے حوصلہ ہو رہی تھی ورنہ وہ تو اپنی ماں کی طرح صابر، پہاڑ جیسا حوصلہ رکھنے والی تھی۔

"باجی، کیا ہوا ہے آپ کو؟"

شذرا نے یوں زیب کو دیکھا تو تڑپ کر اس کی طرف بڑھی۔ کیا ستم تھا کہ وہ اپنی بہن کو زخم بھی نہیں دکھا سکتی تھی جو ابھی ابھی شعیب لگا کر گیا تھا۔

"بتاؤ ناں۔ باجی کیا ہوا ہے؟" شذرا نے اپنے آنچل سے اس کے آنسو پونچھے۔

"کچھ نہیں شذو، جو ہونا تھا وہ ہمارے باپ کی موت اور بھائی کی گمشدگی کے ساتھ ہی ہو چکا ہے۔ اب کیا ہونا ہے۔" وہ شذرا کو ہوا بھی لگنے دینا نہیں چاہتی تھی ورنہ تو وہ ہنگامہ کر دیتی۔ شذرا کو کبھی انجام کی فکر نہیں ہوتی تھی۔ وہ بس پھٹ پڑتی تھی اور زیب کو اسی بات کا خوف تھا۔

"باجی! نہ تو ابو کی موت نیا حادثہ ہے اور نہ بھائی کی گمشدگی نیا سانحہ کہ آپ یوں بے حال ہوں۔ نئی کیا بات ہوئی ہے؟" شذرا کو بہلانا بھی آسان بات نہیں تھی۔

"کچھ نہیں شذو! شعیب سے تلخ کلامی ہو گئی۔ چائے بنانے میں ذرا دیر ہو گئی تو؟" وہ بڑی مشکل سے آنسوؤں کے سیلاب کو روک پائی۔

"یہ شعیب اور اسد تو کمینی فطرت کے مالک ہیں۔ آپ کیوں اتنا اثر لے رہی ہیں۔ بھاڑ میں جائیں یہ سب۔ صرف بڑے ماموں کو نکال کر۔ آپ جا کر آرام کریں۔ چائے میں بنا دیتی ہوں۔ کاش کہ زہر ملا سکوں۔"

زیب کے منع کرنے کے باوجود شذرا نے اسے بھیج دیا اور خود چائے بنانے کچن میں آ گئی۔

☆...☆...☆

"آمنہ باجی! کچن میں سامان ختم ہو گیا ہے۔ بڑی بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ آپ آج ہی جا کر لے آئیں۔ آپ تیار ہو جائیں میں ڈرائیور سے کہتا ہوں گاڑی نکالے۔"

آمنہ کچھ دیر کے لیے آکر بیٹھی ہی تھی کہ اشرف لسٹ ہاتھ میں تھامے اسے تیار ہونے کا کہنے آگیا۔ آمنہ کو ایک دم ہی تاؤ آگیا۔

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں اتنی کارکردگی دکھانے کی مجھے معلوم ہے کب کیا کرنا ہے۔ اب ملازم بھی حکم دیا کریں گے ہمیں۔"

"ریلیکس... آمنہ ریلیکس۔ کیا ہو گیا ہے، ایسے بات کرتے ہیں۔ اشرف! تم جاؤ۔ آمنہ کی طبیعت آج اچھی نہیں۔ فی الحال تم ہی لے آؤ۔

فاطمہ کو آمنہ کا رویہ ملازم کے ساتھ اچھا نہیں لگا۔ وہ بھی اپنے ساتھ پلے بڑھے ملازم کے ساتھ۔ اشرف اپنا سا منہ لے کر نیچے آگیا۔

"آمنہ! یہ انتہائی غلط بات ہے۔ ملازم بھی انسان ہوتے ہیں۔"

"ہمارے علاوہ سب انسان ہیں باجی اس دنیا میں۔ مگر وہ ملازم ہے تو ہم کیا ہیں۔ ہماری کیا حیثیت ہے اس گھر میں۔ کسی ملازم سے کم نہیں۔ ملازمائیں وہ بھی مفت کی، ارے

بابا! ہمارے والدین کو کیا فکر ہے۔ گھر میں بیٹیوں کی صورت میں ملازمائیں موجود ہیں نہ لینا نہ دینا۔ کچھ نہیں کرنا مجھے، کہہ دو جا کر مما سے اپنا گھر خود سنبھالیں۔"

آمنہ پر پورے گھر کی ذمہ داری تھی۔ فاطمہ اور آمنہ نے تو گھر کو سنبھال رکھا تھا یوں کہ مما پاپا کو گھر کی طرف سے کوئی فکر تھی ہی نہیں مگر آج آمنہ کو بہت غصہ آرہا تھا۔ اسی لیے اس نے اشرف کو ڈانٹ دیا۔

آمنہ ایسے نہیں کہتے۔ یہ گھر ہمارا ہے ہم سب کا ہے۔ ہمیں ہی اس کا خیال رکھنا ہے۔ ہنس کر بھی اور رو کر بھی تو پھر کیوں نہ ہنسی خوشی ہر کام ہو اور زندگی کا سفر آسان ہو جائے۔

فاطمہ آمنہ کو اپنے مخصوص، نرمی بھرے لہجے میں سمجھانے لگی۔

"پلیز باجی! مت بہلایا کرو ایسی باتوں سے خود کو اور مجھے۔ ہمارا کوئی گھر نہیں۔ کوئی نہیں۔ کسی خوش فہمی میں مت رہو۔ یہاں ہماری حیثیت ملازم سے بھی بدتر ہے۔"

"فاطمہ، آمنہ بھئی کیا ہو رہا ہے اندر۔"

آمنہ نہ جانے کب تک اپنا غصہ نکالتی کہ باہر سے راحیل کے بولنے کی آواز آئی۔

"آمنہ فار گڈ سیک۔ راحیل بھائی کے سامنے کچھ نہ کہنا۔ اتنا لمبا لیکچر دیتے ہیں کہ چلو شاباش موڈ درست کرو، جب اپنی قسمت ہی ایسی ہے تو۔ راحیل بھیا آیئے۔ ہم لوگ ذرا سیاست پر بات کر رہے تھے۔ آئیں آپ اندر آجائیں، کوئی کام تھا؟ فاطمہ نے اٹھ کر جلدی سے دروازہ کھولا اور زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے وضاحتی بیان دیا۔

''ہاں میں یہ کہنے آیا تھا کہ۔یہ آمنہ کا موڈ کیوں آف ہے؟''

راحیل اپنی بات کہتے کہتے آمنہ کے موڈ کی طرف متوجہ ہو گیا۔آمنہ ہنوز خاموش رہی۔

''نہیں تو بھیا! موڈ آف کیوں ہونا ہے۔اس کے سر میں درد ہے۔آمنہ میں ابھی ڈسپرین لے کر آتی ہوں۔''

فاطمہ نے آمنہ کو زبردستی لٹا دیا اور اوپر کمبل ڈالتے ہوئے کہا۔

''اگر سر درد ہے تو لیٹ جائو۔آرام کرو اور شام کو سات بجے بالکل تیار ہو جانا۔بے بی میرے خیال میں سو رہی ہے۔اسے جا کر جگائو اور جلدی تیار ہو جانا۔'

ان لوگوں کو اسی طرح کے آرڈر ملا کرتے تھے، کہیں جانے کے لیے۔

''مگر بھائی جانا کہاں ہے؟'' فاطمہ نے واپس پلٹتے راحیل سے پوچھا۔

''پپا کے ایک دوست کے بیٹے کا ولیمہ ہے۔اسی لیے کہہ رہا ہوں۔تینوں تیار ہو جانا۔اب دوبارہ نہ کہنا پڑے۔'' راحیل نے مڑے بغیر تنبیہی انداز میں کہا۔

''نہیں۔ایسا نہیں ہو گا۔بھائی! ہم تیار ہو جائیں گے۔''

فاطمہ نے جلدی سے یقین دہانی کرائی۔

''آمنہ! اٹھ جائو۔تیاری کر لو۔بال شیمپو کرنے ہوں تو کر لو۔''

''باجی پلیز، مجھے کہیں نہیں جانا، اب دوبارہ مجھے جانے کو نہ کہنا۔'' آمنہ نے قطعی اور حتمی لہجے میں کہا۔

''آمنہ! پپا جی اور راحیل بھیا خفا ہوں گے۔''

''تو ہوا کریں مجھے کہیں نہیں جانا۔آپ جائیں جا کر بے بی کو جگائیں۔یونیورسٹی سے آ کر تو وہ گھوڑے بیچ کر سو جاتی ہے نہ کوئی سوچ نہ فکر۔''

آمنہ نے آج غصے میں سجل کو بھی گھسیٹ لیا۔

''آمنہ! تمہیں کیا ہوا ہے۔آج بے بی پر خفا کیوں ہو رہی ہو؟ وہ تو ابھی بچی ہے۔خدا نہ کرے کوئی سوچ، فکر اسے اپنے چنگل میں جکڑے۔تمہیں، نہیں جا: نہ جائو۔آرام کرو اور غصہ ختم کرنے کی کوشش کرو۔اس لیے کہ بے معنی باتوں سے کیا حاصل۔''

فاطمہ نے نرمی سے کہا اور سجل کے کمرے میں آ گئی۔وہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی لیکچر دیکھ رہی تھی۔

''ارے بے بی! تم تو پڑھ رہی ہو۔ہم تو سمجھے کہ سو رہی ہو!''

''نہیں بجو! آج تو ذرا بھی نہیں سوئی۔پرسوں ٹیسٹ ہے۔اسی کی تیاری کر رہی ہوں۔ساڑھے چار بج رہے ہیں چائے نہیں بنی۔سچ بڑی طلب ہو رہی ہے اس وقت چائے کی۔تھک گئی پڑھ پڑھ کر۔نیند بھی آ رہی ہے۔''

سجل نے جمائی لیتے ہوئے فاطمہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''بس بے بی! چائے کو آج دیر ہو گئی۔میں اور آمنہ باتوں میں لگ گئے تھے ناں۔چائے تو میں ابھی بھجواتی ہوں مگر تم تیار ہو جانا۔سات بجے پپا جی کے دوست کے بیٹے کا ولیمہ ہے۔''

"اوہ نو بجو! ہر گز نہیں۔ میں پڑھوں گی۔ سخت بوریت ہوتی ہے مجھے دوسروں کے شادی ولیموں میں۔ میں نہیں جاؤں گی۔"

اس نے صاف انکار کر دیا جانے سے۔ اسے اب دوسروں کی شادی وغیرہ سے چڑ ہونے لگی تھی۔ اسے احساس کمتری سا ہونے لگتا جب وہ کسی کی شادی یا ولیمے میں جاتی تو۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ پہلے تو تم بڑے شوق سے ایسی تقریبات میں جایا کرتی تھیں۔"

"بس اب مجھے حسد ہونے لگتا ہے، دوسروں کی ایسی خوشیاں دیکھ کر۔"

"بری بات ہے بے بی۔ دوسروں کی خوشیوں سے جیلس نہیں ہوا کرتے بلکہ دعا کرتے ہیں کہ۔"

"ہم ہی دوسروں کو ایسی خوشیوں کی دعا دیں۔ کوئی تو ہمیں بھی... ایسی خوشیوں کی دعا دے۔ اور اللہ میاں جی ہمیں بھی کوئی ایسی خوشی دیکھنا نصیب کر دے۔"

ناتمام خوشیوں کے سوگ میں ڈوبی آواز نے فاطمہ کو بھی کرب میں مبتلا کر دیا مگر اس نے اپنے اندر ہوتی شکست وریخت کے باوجود جس طرح اپنے جسم کی عمارت کو سنبھال کر رکھا تھا۔ وہ اب اس میں کوئی دراڑ آنے دینا نہیں چاہتی تھی۔

"ہوگی بے بی! ہماری قسمت میں ایسی خوشیاں ضرور آئیں گی۔ اللہ پاک ہمیں یہ خوشیاں تمہاری صورت میں دے گا۔ ہم۔ ہم تمہاری شادی کریں گے، سارے ارمان پورے کریں گے۔"

فاطمہ نے بڑی حسرت سے مگر آنکھوں میں امید کی قندیلیں روشن کر کے سجل کو پیار کیا۔

"چھوڑیں بجو! مجھے اپنا انجام بھی معلوم ہے اور میں نے خود کو اسی انجام کے لیے تیار کر رکھا ہے کہ مجھے بھی اپنی ناتمام خواہشات کے ساتھ صبر وضبط کی قبر میں دفن ہونا ہے۔ آپ دونوں کی طرح لیکن اس قبر میں اترنے سے قبل میں مما، پپا کو حسرتوں، ارمانوں کی عدالت میں ضرور بلاؤں گی اور..."

"ناؤ اسٹاپ سجل۔ فضول باتیں مت کیا کرو، بھائی نے جانے کو کہا ہے، تیار ہو جاؤ۔"

سجل کی رگوں میں پیدائشی بغاوتی مادہ موجود تھا۔ اس کا اظہار وہ کرتی رہتی تھی لیکن آج اس نے ایسی بات کہہ دی کہ فاطمہ کو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈانٹنا پڑا۔

فاطمہ خود ساڑھے چھ بجے تیار ہو گئی۔ آمنہ نے ایک بار کہہ دیا تو بات ختم ہو گئی کہ وہ نہیں جائے گی۔ وہ تیار بھی نہیں ہوئی البتہ سجل، فاطمہ کی خفگی کا خیال کر کے تیار ہو گئی۔

"ماشاءاللہ۔ چشم بد دور۔ ہماری بے بی کو آج کسی کی نظر نہ لگے۔"

سرخ پشواز پر سرخ لائٹ شیڈ کے میک اپ میں سجل اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ فاطمہ کی ساری خفگی دور ہو گئی۔ یوں وہ سجل سے کب ناراض تھی یا ہو سکتی تھی۔

"آپ مجھ سے خفا تو نہیں باجی؟" سجل نے آف وائٹ سادہ سوٹ میں ہلکے سے میک اپ میں فاطمہ کو دیکھا جو بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

''میں بھلا اپنی جان سے خفا ہو سکتی ہوں۔ بس تم ایسی باتیں نہ کیا کرو جن سے حاصل کچھ نہ ہوتا ہو اور دکھوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے۔ چلو نیچے راحیل بھیا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

وہ دونوں نیچے آ گئیں تو راحیل عین وقت پر تیار دیکھ کر خوش ہو گیا۔

''یہ نبیل اور آمنہ کہاں رہ گئے۔ نبیل جلدی کرو۔''

راحیل آج فل تیاری میں تھا۔ دونوں بہنوں نے اس کی خصوصی تیاری کو دیکھا۔

''نبیل... تو نہیں جا رہا... کہہ رہا ہے کہ اس کی اپنی کوئی گیدرنگ ہے۔''

عدیل ٹائی کی ناٹ درست کرتا اپنے کمرے سے باہر آتے اطلاع دے رہا تھا۔

''او کے۔ مما پپا وہاں پہنچ چکے ہیں اور دو بار ان کا ہوٹل سے فون آ چکا ہے۔''

یہ لوگ ہوٹل پہنچے تو خود دولہا کے والدین ان کے استقبال کے لیے آئے۔ ساتھ میں ان کی اٹھارہ انیس سال کی شوخ و شنگ بیٹی شیری تھی۔ جس نے گرم جوشی سے ان کو ویلکم کیا۔ پھر سارا وقت وہ ان کے ساتھ رہی۔ اس کی تمام تر توجہ کا مرکز راحیل تھا اور راحیل بھی اس پر فدا ہو رہا تھا۔ دونوں بہنیں کچھ نہ سمجھتے ہوئے بس ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ جاتیں۔

''آپ لوگ بیٹھئے میں ابھی آئی۔'' شیری اٹھلاتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔ راحیل کی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔

'بھئی فاطمہ اور سجل بیٹے! یہ شیری کیسی لگی تم لوگوں کو؟''

پپا! اپنا سگار سنبھالے ان کی طرف آ کر ان کی رائے پوچھ رہے تھے۔ دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ گویا کہہ رہی ہوں کہ ہماری رائے کی اہمیت ہی کیا ہے جو پوچھ رہے ہیں۔

''جی پپا! بہت پیاری اور اچھی لڑکی ہے۔'' دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

''گڈ! تو تم لوگوں کو خوش ہونا چاہئے کہ میں نے اسے راحیل کے لیے منتخب کیا ہے۔''

فاروق احمد نے گہرا سا کش لیتے ہوئے کہا تو اس سے برآمد ہونے والے دھوئیں سے گویا ان دونوں کا دم گھٹنے لگا۔ کتنے عجیب ہیں ان کے والدین کہاں وہ معصوم بچی اور کہاں چوالیس سالہ راحیل آدھے سے بھی زیادہ فرق۔

''مگر پپا! شیری تو بہت چھوٹی ہے۔ اگر اسے نبیل کے لیے پسند کرتے تو۔''

فاطمہ نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ کہیں یہ بات بھی ان کو گراں نہ گزر جائے۔

''کم آن فاطمہ! ہماری سوسائٹی میں یہ بڑی ثانوی باتیں ہیں۔ ہمارے ہاں شادیاں کم اور بزنس زیادہ ہوتا ہے اور شیری اور راحیل کی شادی بھی ایک بزنس

ڈیل ہے اور پھر تم نے دیکھا، لڑکی کتنی خوش ہے۔ راحیل کو وہ بہت پسند آئی ہے تو۔"

"چلئے پپا! گھر میں کسی کی شادی تو ہوگی ناں۔ چاہے کاروبار ہی کیوں نہ ہو۔ کاش کچھ ایسے ہی کاروبار آپ نے اس سے قبل کر لیے ہوتے۔"

سجل کی بات خاصی کڑوی تھی مگر فاروق احمد اس کی طرف متوجہ ہوتے تو جواب دیتے۔ وہ اٹھ کر کسی دوست کی ٹیبل پر چلے گئے تھے۔ وہ دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"انتخاب دیکھا آپ نے باپ بیٹے کا؟ یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ لڑکی اتنی کم عمر اور۔"

"بے بی" ہمیں کیا لینا دینا۔ ہمارا معاملہ تھوڑی ہے اور جب خود لڑکی کو اعتراض نہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے خون جلانے کی۔"

فاطمہ کے اندر کتنی ہی توڑ پھوڑ کیوں نہ ہو رہی ہوتی۔ وہ سمندر کی طرح سطح اتنی پر سکون رکھتی کہ کسی کو گہرائیوں میں اٹھتے جوار بھاٹے کا احساس تک نہ ہوتا۔

"کچھ بھی ہو بجو میں آپ کو بتادوں اس شادی کا انجام اچھا نہیں ہوگا اور نہ ہمارے مما، پپا کا۔"

سجل کو تاؤ آرہا تھا یہ سن کر کہ اس باپ نے ہمیشہ بیٹوں کی خوشیوں کو اہمیت دی تھی۔ آخر ان معصوموں نے کیا قصور کیا تھا کہ ان کو محرومیوں کی دلدل میں دھکیل دیا گیا تھا۔

"ایکسکیوز می۔" وہ جانے کب تک کڑھتی کہ ایک خاتون ان کی طرف بڑھیں۔ فاطمہ نے بڑی خوش دلی سے ویلکم کیا۔ خاتون نظروں ہی نظروں میں سجل پر نثار ہو رہی تھی۔

"ماشاءاللہ آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے۔ مجھے بہت پسند آئی ہے۔"

"بیٹی۔" خاتون نے سجل کو فاطمہ کی بیٹی کہا تو دونوں ایک دوسرے سے نظریں کترا کر رہ گئیں۔ سجل کو غصہ آگیا کہ کس طرح لوگ حقیقت جانے بغیر منہ پھاڑ کر رشتے جوڑ بیٹھتے ہیں۔

"میں ان کی بیٹی نہیں چھوٹی بہن ہوں میڈم!" سجل نے دانت پیس کر کہا۔

"اچھا کتنے بہن بھائی ہیں آپ لوگ۔"

خاتون نے حیرت سے دونوں بہنوں میں عمر کے فرق کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ سجل اور فاطمہ میں واقعی اتنا گیپ تھا کہ وہ بہن کے بجائے اب تو فاطمہ کی بیٹی ہی لگتی تھی۔

"ہم لوگ جتنے بھی بہن بھائی ہیں، نن آف یور بزنس پلیز۔"

سجل نے بمشکل غصے کو دباتے ہوئے کہا تو وہ خاتون بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بجو! یہ ہماری دنیا۔ ہماری دنیا کے سارے لوگ بہت برے ہیں۔ دولت کے انبار تلے دب کر ان کے احساسات مردہ اور دل پتھر کے ہوگئے ہیں۔ کسی کا دل توڑتے وقت ذرا بھی خیال نہیں کرتے۔" وہ خاموش بیٹھی فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر روہانسی ہوگئی۔

"نیور مائنڈ بے بی! اس طرح تو ہوتا ہے۔ ہر انسان کی اپنی سوچ، اپنے محسوسات ہوتے ہیں۔ ہم کسی کو اپنی سوچ کے مطابق نہیں ڈھال سکتے اور پھر اس میں

مائنڈ کرنے کی کیا بات ہے۔ بڑی بہنیں ماؤں کی طرح ہی تو ہوتی ہیں۔"

فاطمہ نے کرب کو چھپاتے ہوئے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"ہماری تو ماں بھی ماؤں جیسی نہیں ہے بجو! ہم کسی کو کیا کہیں۔"

سجل کا دل بہت اداس ہو گیا تھا۔ وہ فاطمہ کے احساسات سمجھ رہی تھی۔ اس کے زخموں سے اٹھنے والی ٹیسوں کو وہ اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔

جیسے ہی علی اور تیمور حیدر ہال میں داخل ہوئے ان کی نظریں براہ راست سجل پر پڑیں۔ دولہا کسی زمانے میں ان کا دوست رہا تھا۔ پھر امریکہ چلا گیا مگر آ کر پھر ملنے لگا تھا۔ اس لیے وہ دونوں بھی یہاں مہمان تھے، لیکن ان کو کیا خبر تھی کہ یہاں وہ بھی مہمان ہو گی۔

"یار تیمور! لگتا ہے اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے تم پر۔ ایمان سے مانگ لو ان ہی دنوں میں۔ جھٹ نواز دے گا۔"

علی نے سجل کو دیکھتے ہوئے تیمور کو چھیڑا۔

"میں خدائے پاک کا مشکور ہوں کہ وہ ہمیشہ مہربان رہا ہے مجھ پر لیکن آج سجل کو یہاں دیکھ کر تو..."

تیمور نے جان کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا ورنہ علی تو جان کو آ جاتا۔

"چلیں" ہائے ہیلو کر آئیں۔"

"نہیں علی! ہو سکتا ہے اس کے گھر والے بھی ہوں۔ وہ مائنڈ نہ کریں۔"

"بات سنو۔ جس ہائی کلاس سے اس کا تعلق ہے ناں وہاں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں سوچنا وقت کا زیاں سمجھا جاتا ہے۔" پھر کچھ ہی دیر بعد دونوں سجل کے پاس تھے۔

"ارے آپ لوگ؟" سجل کو انہیں دیکھ کر واقعی خوشی ہوئی۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

"جی اتفاق سے دولہا ہمارا دوست ہے تو اسی لیے ہم بھی۔"

"یہ تو بہت ہی اچھا ہوا۔ ان سے ملئے، یہ میری بڑی بہن فاطمہ باجی ہیں اور باجی یہ میرے کلاس فیلو تو نہیں یونیورسٹی فیلو ہیں علی اور تیمور..."

سجل نے جلدی سے فاطمہ کا تعارف کرایا۔ مبادا وہ بھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔

"آداب!" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"جیتے رہیے۔ بیٹھئے ناں کھڑے کیوں ہیں؟" فاطمہ نے خوش اخلاقی سے بیٹھنے کو کہا۔ تو دونوں بیٹھ گئے۔

"اوکے بے بی! تم اپنے فرینڈز سے باتیں کرو۔ میں ذرا مما کو دیکھ لوں۔"

فاطمہ اٹھ کر چلی گئی تو علی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"سچ آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہورہی ہے۔"

سجل کو انہیں دیکھ کر یوں لگا جیسے ڈھیروں اجنبیوں میں کوئی اپنا آگیا ہو۔

"مس سجل، آپ ہماری خوشی کا اندازہ کر ہی نہیں سکتیں۔ آپ کو دیکھتے ہی دل کی رفتار میں اچانک اتنا اضافہ ہوا کہ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں نکل کر بھاگ نہ جائے۔ بڑی مشکل سے پٹا ڈالا۔"

"کس کو؟ خود کو یا دل کو؟" سجل نے مسکرا کر کہا۔

"خود کو... ہائیں کیا مطلب ہے آپ کا؟ میڈم میں نہ اپنی بات کر رہا ہوں نہ اپنے دل کی۔ حس کی بات ہے وہ دانتوں میں شاید کسی کا ادھار چھپائے بیٹھا ہے۔" علی نے تیمور کو گھورا۔ وہ اس کی ترجمانی کرتا اور وہ خاموش رہتا۔

"سجل! اسے تو زیادہ بولنے کا مرض لاحق ہے۔"

تیمور بہت کم اور موقع کی مناسبت سے بات کرتا تھا۔

"جی جو مرض آپ کو لاحق ہے ناں۔ خدا مجھے اس سے دور رکھے کہ آگے پیچھے تڑپتے رہنا اور سامنا ہو تو بے زبان بن جانا۔ ہم سے نہیں ہوتا یہ دوغلا پن۔ مجھے جب کوئی لڑکی اچھی لگے گی تو اعلانیہ کہہ دوں گا لڑکی مجھے تم سے محبت ہے۔ اپنے والدین کو میرے گھر بھیجو۔"

واقعی باتیں دلچسپ کرتے ہیں۔ بوریت دور ہو جاتی ہے۔" سارے دن کی کلفت دور ہو گئی تھی علی کی باتوں سے۔

"انتہائی کم نصیبی ہے میری کہ دلچسپ باتیں میں کرتا ہوں اور شکار ان کی خاموشی کر لیتی ہے۔ ہے ناں کم نصیبی۔"

کتنی ہی دیر تیمور اور سجل، علی کی باتوں سے محظوظ ہوتے رہے۔ پھر علی اٹھ کر کسی اور دوست کی طرف چلا گیا۔ اب سجل اور تیمور اکیلے رہ گئے۔ سجل کو گھبراہٹ ہونے لگی کہ کہیں راحیل بھائی نہ دیکھ لیں۔ وہ ایسی باتوں کو مائنڈ کرتا تھا۔ تیمور نے خاموش نگاہوں سے اس کے پریشان روپ کو کئی بار دیکھا۔ جب دل میں چور ہو تو انسان ہر بات کہتے ہوئے ڈرتا ہے۔ دل کی بات تو لبوں تک لانا ممکن ہی نہیں تھا اور نہ ہی تیمور اظہار کا قائل تھا۔ اس کے نزدیک جذبات کو صرف محسوسات کی زبان سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور پھر سجل اس کی چاہت ضرور تھی۔ منزل نہیں کہ وہ اس راہ پر اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیتا۔ اور کچھ اسے خود پر کنٹرول بھی بہت تھا۔ وہ مہ جبیں اس کے روبرو تھی اور خاموشی کے درمیان بس رسمی سی یونیورسٹی کی باتوں کے علاوہ کوئی بات نہ ہوئی تھی، لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ سجل نے آج تیمور کی نظروں میں اپنا عکس... دیکھ لیا تھا۔

"یہ علی نجانے کہاں چلا گیا؟ آپ بور ہو رہی ہوں گی۔ اصل میں مجھے صرف علی ہی برداشت کر سکتا ہے ورنہ تو ہر کوئی میری کمپنی میں بور ہوتا ہے۔"

تیمور نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا۔

"جی نہیں۔ میں بور تو نہیں ہو رہی۔ ویسے تیمور صاحب! آپ کی اور علی کی دوستی عجیب ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دوستی کس طرح ہوئی۔"

سجل نے چور نظروں سے ماحول کا جائزہ لیا۔ عدیل اور پپا کا تو اسے معلوم تھا۔ شیری کے والد کے ساتھ نکل گئے تھے اور راحیل کو اس عمر میں کم عمر لڑکی مل

رہی تھی۔ وہ اس میں گم تھا۔ وہ مطمئن ہو گئی۔

"چھوڑیں مس سجل! شاید آپ اس فلسفے کو نہ سمجھ سکیں۔ یہ جذبے بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ خود رو پودوں کی طرح انسان کے اندر پھیلتے چلے جاتے ہیں اس کی ہستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ کبھی علی کی دوستی کی صورت میں اور کبھی۔"

تیمور نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے دیکھا، سجل نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر جلدی سے نظریں جھکا لیں۔ پھر کتنے ہی لمحات خاموشی کی نذر ہو گئے۔

"سجل آپ۔" تیمور جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ پیچھے سے تیز آواز آئی۔

"بے بی"

☆...☆...☆

ابھی تو وہ واردات ہوئی نہیں کہ جس کے سحر میں گرفتار ہوتی اور نہ ہی خود فراموشی کی کوئی کیفیت طاری ہوئی تھی اور تیمور حیدر نے بھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی کہ وہ اتنی مدہوش ہو جاتی کہ قریب آتے راحیل بھائی اسے نظر نہ آتے۔

"جی... جی بھائی!" وہ یوں چونک کر کھڑی ہوئی... جیسے محفل کے آداب کے خلاف کوئی حرکت کر بیٹھی ہو یا بہت غلط لوگوں کے ساتھ بیٹھی پائی گئی ہو۔ اس وقت جو اس کی حالت تھی وہ تیمور سے چھپی نہ رہ سکی۔ گلابی چہرے پر زردیاں پھیل گئیں۔

"فاطمہ کہاں ہے؟" راحیل نے فہمائشی نظروں سے تیمور کو دیکھتے ہوئے فاطمہ کی بابت پوچھا۔

"جی، وہ ابھی اٹھ کر مما کے پاس گئی ہیں۔ بھائی یہ میرے یونیورسٹی فیلو ہیں تیمور حیدر اور تیمور حیدر! یہ میرے بڑے بھائی راحیل ہیں۔"

اس وقت جو اس کی حالت تھی کہ اسے دونوں کے سامنے اپنی پوزیشن کو بچانا تھا۔ ایک اس کا بھائی تھا، جس کی آنکھوں میں شکوک کے سائے لہرانے لگے تھے اور دوسرا تیمور تھا، جس کے سامنے یوں ذلت کا احساس اسے خوفزدہ کر گیا اور اس کی آواز میں چھپا خوف اور کرب تیمور کو پریشان کر گیا۔

"ہیلو!" تیمور نے تعارف کے بعد ہاتھ آگے بڑھایا تو مجبوراً راحیل کو بھی ہاتھ آگے کرنا پڑا۔

سجل نے شکرانے کے طور پر آنکھیں بند کر کے خدا کا شکر... ادا کیا۔ راحیل سے کیا بعید تھا کہ تیمور کا بڑھا ہوا ہاتھ احساس ندامت کے ساتھ پلٹ آتا۔

"ارے تیمور صاحب! آپ لوگ کب آئے؟ بھائی آپ کا کئی بار پوچھ چکے ہیں اور وہ چڑ باکس کہاں ہیں علی صاحب؟"

"شیری بڑی بے تکلفی سے تیمور سے مخاطب تھی۔

راحیل حیران... نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"شیری! تم بھی جانتی ہو ان کو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ یہ شکیل بھیا کے دوست ہیں تیمور حیدر اور علی ضیا، پرانے دوست ہیں۔ اس وقت بھیا ان ہی کا تو پوچھ رہے تھے۔"

شیری نے تعارف کرایا تو شکوک کے بادل چھٹ گئے اور تیمور جو کچھ دیر قبل انتہائی مشکوک اور غلط لگ رہا تھا، اب شیری کی گواہی پر اس محفل کا سب سے

معزز بندہ نظر آنے لگا۔

''اوہ آئی سی! بیٹھئے ناں، پلیز آپ کھڑے کیوں ہیں۔ شیری! تمہیں معلوم ہے کہ یہ تیمور صاحب سجل کے یونیورسٹی فیلو ہیں۔''

تیمور کو شکیل کی دوستی بہت معتبر کر گئی تھی... راحیل نے خوش دلی سے بتایا۔

''اوہ! تو یہ بات ہے راحی! تو پھر ہم یہاں کیا کر رہے ہیں، چلو چلتے ہیں۔ اوکے تیمور اور سجل! انجوائے یور سیلف۔''

وہ معصوم سی کم عمر لڑکی اپنی عمر سے دگنے مرد کا بازو تھامے اجنبیت کے تمام فاصلے مٹاتی ہوئی راحیل سے راحی تک پہنچ کر بڑے معنی خیز انداز میں سجل اور تیمور کو دیکھتی آگے بڑھ گئی۔ سجل اس کے بارے میں سوچتی رہ گئی، جس کی گواہی پر اس کی اور تیمور کی جان بخشی ہو گئی تھی۔

وہ اپنی سوچوں میں الجھی میز پر انگلی سے دائرے بناتی چلی گئی، جس سے تیمور اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ وہ بغور اس کا چہرہ پڑھتا رہا۔ جہاں سمجھ میں نہ آنے والی تحریر درج تھی۔ ''مس سجل!'' تیمور نے بہت دھیرے سے پکارا۔

''ہوں... ہاں... اوہ آپ!''

وہ چونکی گویا گہرے خواب میں ہو اور تیمور کے پکارنے پر جیسے وہ جاگ گئی ہو۔

''یہ علی جانے کہاں رہ گئے؟'' وہ اس کی پوچھتی، سوال کرتی، گہری نظروں سے گھبرا کر ادھر ادھر علی کو دیکھنے لگ گئی تھی۔

وہ صاف سمجھ رہا تھا کہ وہ اس لیے کترا رہی ہے کہ کہیں وہ کوئی سوال نہ کر ڈالے، لیکن وہ جو کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھ گیا تھا... کچھ پوچھ کر کوئی سوال کر کے اس کی انا مجروح کرنا اسے ہرگز مقصود نہیں تھا اور یوں بھی وہ یہ سب پوچھنے کا حق بھی کہاں رکھتا تھا۔

''اس کی عادت کو آپ جانتی ہیں، ویرانے میں بھی انجمن سجا بیٹھتا ہے اور یہاں تو پہلے ہی انجمن سجی ہوئی ہے۔'' تیمور نے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''ہاں بے رونق، بے جان، مصنوعی چمک رکھنے والے تاروں کی انجمن، جو کسی کی روح کی تیرگی کو بھی نہیں مٹا سکتی۔''

انجانے دکھوں کے کرب میں ڈوبی اس کی آواز کی لرزش تیمور سے چھپی نہ رہ سکی۔

''مس سجل! یہ شیری آپ کے بھائی کی فیانسی وغیرہ تو نہیں؟''

''تیمور نے بات کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا تو اک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔

''پتا نہیں، میں نے تو پہلی بار دیکھا ہے، ویسے بھی...''

اس سے قبل کہ وہ بات پوری کرتی، علی آ گیا۔

''مس سجل! ذرا اٹھئے گا اپنی کرسی سے۔''

وہ آتے ہی بولا تو وہ ہڑبڑا کر رہ گئی۔

''کیوں؟'' وہ ایک دم گھبرا گئی۔

اس کا انداز ہی ایسا تھا۔

''میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہاں کرسیوں پر کوئی ایلفی وغیرہ قسم کی چیز تو نہیں لگی ہوئی کہ بندہ ایک بار بیٹھ کر اٹھ ہی نہ سکے۔''

علی کی شوخ چوٹ کے نشانے پر تیمور تھا، جو میز پر کہنی ٹکائے زیر لب مسکراہٹ لیے علی کے شوخ جملوں سے انجوائے کر رہا تھا۔

''مس سجل! حد ہوتی ہے چپکنے کی بھی، گھنٹہ ہو گیا ہے موصوف کو آوازیں دیتے۔ کئی بار متوجہ کرنے کے لیے شی کیا... شی کیا۔ جواباً گئی لڑکیوں نے مڑ کر کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ میں مسکرا دیا پھر ان کے ہاتھ جوتوں کی طرف بڑھے۔ میں گھبرا گیا اور جلدی سے اشاروں کی زبان استعمال کرنے لگا۔ سب ہی متوجہ ہوئے، مگر آفریں ہے ان صاحب پر، یہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ میں نے آخری کوشش کے طور پر اشارے سے اپنی طرف بلایا، مگر ایک خاتون سمجھیں کہ میں نے ان کی بیٹی کو اشارا کیا ہے۔ پھر کیا تھا چوہے بلی والا کھیل شروع ہو گیا۔ وہ میری طرف لپکیں میں اٹھ کر بھاگا۔ پھر میں ان کے پیچھے... او نہوں میں ان کے پیچھے کیوں بھاگتا۔ وہ میرے پیچھے میں ان کے آگے، پھر وہ گر پڑیں۔ میں ہنس پڑا۔ پھر بالآخر انہوں نے مجھے آن دبوچا۔ میری گردن ان کے مضبوط ہاتھوں میں چرُمرا گئی۔ بولیں، تم میری بیٹی کو اشارے کرتے ہو میں تمہاری بتیسی توڑ دوں گی۔

میں ہنستا چلا گیا۔ ہنستے ہنستے اتنی دور چلا گیا کہ میڈم کا زناٹے دار تھپڑ واپس لے کر آیا۔ میں نے کہا میڈم! شوق سے بتیسی توڑیے، میں تو اپنی بتیسی گھر چھوڑ آیا ہوں۔ قسم سے بڑی مشکل سے جھوٹ بول کر بتیسی بچا کر لایا ہوں اور اسے دیکھئے، کیسے انجان بنا مسکرا رہا ہے۔ ایک ہاتھ لگاؤں تو پتا چلے۔''

علی بڑے بے ساختہ اور پرمزاح انداز میں بات کر رہا تھا۔

سجل سب کچھ بھول کر اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ تیمور دلچسپی سے اس کے نکھرے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگا، جس پر کچھ دیر قبل انجانے کرب کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ علی کی باتوں سے چھٹ گئے تھے۔

''ویسے علی! ہم بھی تو اسی ہال میں تھے۔ ہم نے تو کوئی ایسا مظاہرہ نہیں دیکھا۔'' سجل نے یوں ہی کہا تو وہ اسے خفگی سے دیکھنے لگا۔

''محترمہ! یہ سب اس ہال میں نہیں میرے خیالوں میں ہوا کہ اگر اس محفل میں بیٹھ کر میں شی شی کروں تو کیا ہو گا اور اگر اشارہ کیا تو دانت ٹوٹنے کا خطرہ مول لینا ہو گا یا بغیر ٹانگوں کے گھر جانا پڑے گا۔ یہ آپ کا قصور نہیں اور بیٹھئے اس بور ترین آدمی کے پاس۔ شکل دیکھئے، یوں لٹکائی ہوئی ہے جیسے میرے سوئم پر آیا ہوا ہے۔'' علی نے خاموشی سے مسکراتے ہوئے تیمور کو دیکھا۔

''خوش فہمی ہے جناب کی کہ میں آپ کے سوئم پر منہ لٹکا کر بیٹھوں گا۔'' تیمور، علی کو چھیڑنے کی غرض سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''جی... جی مجھے معلوم ہے، وہ دن تو آپ کی زندگی کا حسین ترین دن ہو گا۔ باچھیں پھیل کر کانوں تک پہنچ جائیں گی اور...!''

ایکسکیوز می!'' علی کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ سجل، فاطمہ کے اشارے پر اٹھ کر چلی گئی۔

''یہ برُم تھا جو کچھ دیر قبل آیا تھا؟''

سجل کے جاتے ہی علی اس کی کرسی پر بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

''کون بڑم؟'' کبھی کبھی تو علی کی بات تیمور کے اوپر سے گزر جاتی۔ اس کی اپنی ہی اصطلاحیں ہوا کرتی تھیں۔

''وہی تمہارے ہونے والے... خیر وہ جو کچھ دیر قبل یہاں آئے تھے، خوفناک سے، ہیبت ناک سے... سجل کے بڑے بھائی تھے کہ نہیں۔''

''ہاں'' ''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' تیمور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تو پھر ہوئے ناں بڑم... دیکھو میری اصطلاح میں'' ان کے بڑے بھائی کو جن کی عزت بھی کرنے کو دل نہ چاہے اور کرنا بھی مجبوری ہو ان کی خوشی کی خاطر تو بڑم کہہ لو یا جو مرضی کہہ لو۔ رہا سوال پتا چلنے کا تو میں یہیں بیٹھا تھا، کوئی کوہ قاف نہیں چلا گیا تھا کہ سجل کے چہرے کے تاثرات اور بڑم کا انداز نظر نہ آسکتا۔''

''ہاں یار! میں خود اس وقت سے الجھا ہوا ہوں کہ جس سوسائٹی سے سجل کا تعلق ہے، وہاں تو ایسی باتوں کو قابل اعتنا سمجھا ہی نہیں جاتا، لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس کے بھائی کو میرا سجل کے پاس بیٹھنا پسند نہیں آیا اور سجل کا رنگ بھی ایک دم بدل گیا تھا، لیکن بعد میں شکیل کی بہن شیری آ گئی تو اس نے تعارف کروا کر میری پوزیشن کلیئر کی مگر سجل کے چہرے پر انجانے کرب کی دھند چھائی رہی۔ سمجھ میں نہ آنے والا خوف تھا۔ اس کی آنکھوں میں۔ اس کے بعد سے وہ بجھی رہی۔ وہ تو تمہاری آمد نے اسے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔'' تیمور اسے ساری تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

''پھر مانتے ہو ناں گرو؟'' علی اترایا۔

''یار علی! یوں تو وقت کی شاہراہ پر آگے پیچھے بھاگتے سارے لمحے ایک جیسے ہوتے ہیں مگر بعض لمحات انسان کی زندگی میں اتنے اہم، اتنے معتبر ہو جاتے ہیں کہ دل سے بے ساختہ ان کے امر ہو جانے کی دعا نکلتی ہے۔ یہاں جب آکر ملے تھے تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سجل سے ملاقات ہو جائے گی اور اس کی قربت کے اتنے لمحات میسر آ جائیں گے۔''

تیمور، سجل کے ساتھ گزرے لمحات کے احساس میں ڈوبا سحر آگیں لہجے میں بولا۔

''اوہ! بھائی ان ہی لمحات کو کیش کرنے کے لیے تمہیں تنہا چھوڑا تھا اس کے پاس چھوٹے منہ سے کہتے تو سہی، میں کیا چاہتا ہوں۔''

''نہیں علی! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نہ کبھی اس سے کچھ کہوں گا اور نہ سنوں گا۔''

''ہاں کبھی بھی اس سے کچھ کہنا ہے نہ سننا ہے۔ بس میری جان کھانی ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھر بھر کے قسم سے مجھے تو اندیشہ ہے کہ کسی روز میں ہی برف کا پہاڑ نہ بن جاؤں۔ تمہاری سرد آہوں سے خبردار جو آئندہ مجھے کچھ کہا ہو تو، بھاڑ میں گئے تم اور تمہارا اندھا بہرا عشق۔''

وہ دیکھا تھا کہ شاید وہ پلٹ کر ایک نگاہ ڈالے اور الوداع کہہ دے مگر اس کی نگاہیں اس کی بیگانگی کی سند لیے پلٹ آئیں۔

''مگر یہ بڑم تو ابھی تک یہیں منہ ماری کر رہا ہے۔''

علی نے راحیل اور شیری کو ایک ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

''چلو اٹھو! ہم بھی چلتے ہیں۔'' تیمور کے لیے اب یہاں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

''نہیں' میں نہیں جاؤں گا۔'' وہ بچوں کی طرح ٹھنکا۔

"اوہ! اداب دادی جان، آپ شکیل کی دادی جان ہیں۔"

علی جلدی سے اٹھ کر خاتون کی طرف بڑھا۔

"ارے ٹھہرو، بدتمیز لڑکے، میں... میں شکیل کی وہی خالہ ہوں، بس ذرا میک اپ... اتر گیا، آنٹی سے دادی بنا دیا۔ ٹھہرو ذرا، ابھی پوچھتی ہوں۔"

اور پھر اس سے قبل کہ وہ بھاری بھر کم خاتون اپنا بوجھ سنبھالتے ہوئے ان تک پہنچتیں، تیمور نے اس کا ہاتھ پکڑا، اور شکیل کو خدا حافظ کہتے ہوئے باہر آ گیا۔

☆...☆...☆

"کیسا رہا فنکشن؟" آمنہ کو کوئی خاص دلچسپی تو تھی نہیں، یوں ہی پوچھ لیا۔

"بہت اچھا رہا۔ آمنہ تم جاتیں تو انجوائے کرتیں اور ہاں تمہیں پتا ہے، بھائی کی شادی ہو رہی ہے۔"

"کیا؟ راحیل بھائی کی شادی ہو رہی ہے؟"

یہ خبر آمنہ کے لیے غیر متوقع بھی تھی اور حیرت انگیز بھی۔ اسے دکھ ہوا۔

"ہاں شادی ہو رہی ہے اور وہ بھی اٹھارہ سال کی کمسن لڑکی کے ساتھ۔"

سجل کاٹن اور لوشن کی مدد سے میک اپ صاف کرتی ہوئی شریک گفتگو ہو گئی۔

"کیا الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو تم لوگ۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

آمنہ کمبل کھسکا کر بستر سے اٹھ بیٹھی۔ بڑی حیران کن خبریں مل رہی تھیں۔

"جی ہاں، ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ وہ انکل کریم کے بھائی کی بیٹی ہے شیری، اور جلد ہی شادی بھی ہو جائے گی۔"

"مگر بے بی! پتا ہے بھائی کی عمر کیا ہے اور وہ اتنی کم عمر، ہر کام ہی الٹا ہوتا ہے ہمارے گھر والوں کا تو۔" آمنہ الجھ گئی۔

"آمنہ دیکھو، یہ جو ہماری سوسائٹی ہے ناں یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ رشتے کم اور بزنس زیادہ ہوتا ہے اور پھر ہمیں اس سے کیا۔"

ہاں فاطمہ بجو! ٹھیک کہہ رہی ہو، ہمیں اس سے کیا۔ بھلا کسی بھی خوشی سے ہمارا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ خیر پتھر میں جونک لگی۔ اچھی خبر ہے۔ بڑی قسمت والے ہوتے ہیں یہ مرد بھی۔ خود خواہ کتنی ہی عمر کے کیوں نہ ہوں لڑکی ان کو کمسن مل جائے گی اور اگر لڑکی ذرا عمر کی ہو جائے تو اس کے ہم عمر بھی قبول نہیں کرتے۔" آمنہ جلے دل سے بول رہی تھی۔

"کم آن آمنہ! ایسے نہیں کہتے ہمیں تو خوش ہونا چاہیے کہ گھر میں..."

"گھر والی آ جائے گی، اس میں ہمارے لیے خوش ہونے والی بات نہیں ہے۔ بجو فکر کی بات ہے پتا ہے گھر والی کو پھر ہماری موجودگی کھلا کرے گی، تب ہم کہاں جائیں گے۔ بولو بجو!"

آمنہ بہت حقیقت پسندانہ سوچ رکھتی تھی۔ وہ موجودہ حالات کو سرسری نہیں دیکھتی تھی بلکہ آنے والے حالات کا تجزیہ کرتی تھی۔

"آمنہ! ہماری شادیاں نہیں ہوئیں اس میں ہمارا کیا قصور؟ ساری بات تو قسمت کی ہوتی ہے جب۔"

"قسمت کو تم جیسے بے عمل لوگ کوستے ہیں بجو! میں کم از کم قسمت کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتی۔ قسمت تو بارہا ایک سے ایک رشتہ لے کر ہمارے در پہ آئی، مگر اسے ٹھکرا دیا گیا اور اب... ویسے اس عمر میں مما پاپا کو کیا سوجھی بھولانے کی، اور بھائی مان جائیں گے گیا۔"

"واہ آمنہ آپی! کمال کرتی ہو۔ بھائی تو ایسے اٹھلاتے پھرتے رہے تھے، جیسے نو عمر ہوں، ذرا دیکھتیں تو سہی آپ، اس بچی کے ساتھ بچے بنے ہوئے تھے۔ خیر کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ کچھ تو تبدیلی آئے گی گھر میں، ویسے ایک بات ہے۔ شیری بہت تیز ہے۔ قابو کرنے والی۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ اچھی فرینک ہو رہی تھی کہ حد نہیں۔ راحیل بھائی تو راجی بن

چکے ہیں۔ کاش ایسی مہربان گھڑی آئے کہ میری بہنیں بھی دلہن بن کر۔"

"بے بی! فضول باتیں نہیں کرتے، چلو جاؤ منہ دھولو۔"

فاطمہ نے اسے درمیان ہی میں ٹوک دیا جسے بھائی کی شادی سے زیادہ بہنوں کو دلہن بنا دیکھنے کا ارمان تھا۔

گھر میں کیا ہو رہا تھا۔ کیا منصوبے بن رہے تھے۔ کون سی تبدیلیاں ظہور پذیر ہونے والی تھیں۔ نبیل ان سے قطعی لاعلم تھا۔ وہ تو اپنی ہی دنیا میں گم تھا۔ بیگم جان سے سودے بازی میں مصروف تھا۔

"بیگم جان! کسی معمولی خاندان سے تعلق نہیں رکھتا کہ آپ کو میری بات پر اعتبار ہی نہیں آ رہا۔ میں نے آپ کو ساری صورتحال بتادی ہے پھر بھی آپ۔"

وہ بیگم جان کا مسلسل انکار، جو کہ صرف اپنی بات منوانے کے لیے تھا۔ سن سن کر زچ ہو گیا تھا۔

"ہاں میاں! اسی لیے تو میں فکر مند ہوں کہ اگر تمہارے گھر میں شادیوں کا رواج نہیں تو تم جو سب سے چھوٹے ہو، اس خودسری کو کیونکر برداشت کر پائیں گے اور اگر تم نے شادی کر بھی لی تو میرا خیال نہیں کہ وہ تمہاری اس گستاخی کو معاف کریں گے اور عین ممکن ہے کہ عاق کر دیئے جاؤ تو کیا ملے گا ورثے میں تمہیں اور میں اپنی وشی کی شادی اتنی متنازعہ جگہ نہیں کر سکتی، جہاں وہ لاوارثوں کی طرح پڑی رہے۔"

امجد کے مشورے سے نبیل نے سارے حالات بیگم جان کو بتا دیئے تھے، وہ اچھی خاصی بدک رہی تھیں۔ نبیل پریشان ہو کر امجد کو دیکھنے لگا جو شروع ہی سے اس کے حق میں نہیں تھا کہ وہ ادھر... شادی کرلے نبیل کی خوشی کی خاطر سب کچھ کر رہا تھا۔

"آپ نے بہت غلط اندازہ لگایا ہے بیگم جان! میں اتنا بھی بے مایا، لاوارث اور بے حیثیت نہیں کہ مہوش کو خوش نہ رکھ سکوں۔ آپ فائنل بات کریں کیا چاہتی ہیں؟"

بیگم جان کی باتیں نبیل کی مردانگی پر چوٹ بن کر لگی تھیں۔ اس نے یوں فائنل کہا گویا کسی بے جان چیز کا سودا کر رہا ہو۔

"کیا سوچ رہی ہیں بیگم جان؟ بات کریں کیا چاہتی ہیں۔"

امجد، نبیل کی جذباتی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے پہلی بار بولا

بیگم جان نے عجیب سی دل جلانے والی مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور تمسخرانہ انداز سے دونوں کو دیکھنے لگیں پھر اٹھ کر نبیل کے قریب بیٹھ گئیں۔ شریف فطرت، معصوم سا یہ لڑکا ان کو پسند آیا تھا اور مہوش بھی دل ہار بیٹھی تھی مگر وہ دونوں اپنی توجہ کی پوری قیمت وصول کرنا چاہتی تھیں۔

"ناراض کیوں ہو رہے ہو جانو! میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ اس روز تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ تمہارے پاپا نئی فیکٹری لگا رہے ہیں، وہ کس کے نام ہے؟"

"جی ہاں لگا رہے ہیں، کس کے نام ہے، یہ ابھی فیصلہ نہیں ہوا؟"

نبیل الجھ سا گیا۔ فیکٹری کا سن کر کیا خبر پپا اور بڑے بھائی مانتے بھی ہیں یا نہیں۔

"لیکن بیگم جان! آپ کو خود سوچنا چاہیئے کہ فی الحال تو ہم نے اس شادی کو بھی راز میں رکھنا ہے تو فیکٹری مہوش کے نام کیسے ہو سکتی ہے؟"

امجد نے لالچی بڑھیا کے میک اپ زدہ چہرے کو گھورا تو وہ زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ اور بری لگنے لگی۔

"امجد چندا! تم تو بہت پرانے مہربان ہو ہمارے پھر بھی ایسی باتیں کرتے ہو۔ مانا کہ تمہیں اپنے دوست سے بہت پیار ہے، مگر کچھ حق تو ہمارا بھی ہے ناں۔ میری بات تم دونوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ارے بابا! میں کب کہہ رہی ہوں کہ ابھی سے فیکٹری میری وشی کے نام کرو۔ فی الحال نبیل اپنے نام کروائے بعد میں وشی کے نام کر دے۔ اس رشتے کی منظوری کے لیے یہ ہی میری شرط ہے۔ منظور ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر میں مجبور ہوں، میری طرف سے صاف انکار ہے۔"

بیگم جان انتہائی بے مروت بن گئی تھیں۔ نبیل کی حالت بری تھی۔ وہ جذبات کی اس منزل پر تھا جہاں انکار وہ افورڈ کر ہی نہیں سکتا تھا جبکہ امجد چاہتا تھا اچھا ہے، اسی بہانے اس کی جان چھوٹ جائے گی۔ نبیل خاموشی سے دونوں ہاتھوں میں سر تھامے تانے بانے بن رہا تھا۔ وہ کسی صورت بھی وشی سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"مم... مجھے منظور ہے بیگم جان!"

نبیل کی آواز نے گہرے سکوت کو توڑا تو امجد سمیت بیگم جان حیرت کے ساتھ اسے دیکھنے لگیں پھر ان کے چہرے پر بڑی دل فریب مسکراہٹ دوڑ گئی۔ آنکھوں میں کامیابی کی ایک عجیب سی چمک آ گئی۔

"واقعی بیٹا جی!" بیگم جان کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

ہاں، یہ ایک مرد کا وعدہ ہے بیگم جان، لیکن میری بھی شرائط ہیں۔"

نبیل بھی بہت سے فیصلے کر چکا تھا، اس لیے مضبوط لہجے میں شرائط پیش کرنے کو کہا۔

''حکم کرو بیٹا جی۔'' بیگم جان وار دینے والے لہجے میں بولیں۔

''وہ یہ کہ میری اور مہوش کی شادی اس وقت تک راز رہے گی جب تک میں گھر میں اس کے لیے جگہ نہیں بنالیتا اور دوسرا فی الحال فیکٹری میں اپنے نام ہی کرائوں گا اور حالات سازگار ہوئے تو وشی کے نام کردوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ جلد از جلد ایسا کرنے کی کوشش کروں گا... میرا خیال ہے، میں نے اب تک آپ سے کوئی بد عہدی نہیں کی اور آپ کو میری اس بات پر بھی اعتبار کرنا چاہیئے۔''

''ارے چندا! تو تم پر کس کافر کو بے اعتباری ہے، تم نے کہا اور ہم نے مان لیا۔''

بیگم جان، نبیل کو اچھی طرح جان گئی تھیں۔ وہ جو کہتا تھا پورا کرتا تھا۔ اب اسے مزید تنگ کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی رضامندی دے دی تو وہ خوش ہو گیا۔

''اب کیا ارادہ ہے؟'' نبیل خود... بات کرتے ہوئے شرما رہا تھا۔ اس نے امداد طلب نظروں سے امجد کو دیکھا کہ وہ بات کرے۔

''ہاں بیگم جان! جب ساری باتیں طے ہو گئی ہیں تو شادی کی تاریخ بھی دے دیں تاکہ تیاری کر لیں۔''

''اللہ مبارک کرے، میں ذرا دلہن رانی سے تو بات کر لوں۔ میری وشی اتنی شرمیلی ہے کہ مجال ہے سامنے آجائے، میں ابھی آئی۔''

بیگم جان کو آتش شوق بھڑکانے میں ملکہ حاصل تھا۔ وہ نبیل کی بے قراریوں سے خوب لطف اندوز ہوا کرتیں۔ اسی لیے اسے بے تاب چھوڑ کر اندر آگئیں۔ وشی چلمن سے لگی کھڑی تھی۔

''کیوں میں نے نبیل سے درست کہا ہے ناں؟''

بیگم جان داد طلب نظروں سے مہوش کو دیکھ رہی تھیں۔

''ارے ممی! آپ نے پہلے کبھی کوئی بات غلط کی ہے، بس آپ نبیل کو جلدی کی کوئی تاریخ دے دیں بہت بے قرار ہیں وہ۔'' مہوش نے ذرا سا پردہ سرکا کر نبیل کو دیکھا۔

''ویسے وہ تمہیں جان دینے کی حد تک چاہتا ہے۔ لگتا ہے فیکٹری تمہارے نام ہو جائے گی۔''

''جی ہاں، میں جانتی ہوں، اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں، بہت شریف اور ٹوٹ کر چاہنے والا مرد ہے اور شریف خاندانی مرد جان ہار دیتے ہیں قول نہیں ہارتے۔ صرف فیکٹری تو کیا آپ دیکھئے گا، کیا کیا کچھ اپنے نام کرواتی ہوں۔''

مہوش کو بیگم جان نے پالا تھا۔ اپنی تمام سوچ بھی منتقل کر دی تھی اس میں اور وہ بھی ان کی طرح مادہ پرست ہو گئی تھی، لیکن نبیل میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ وہ اسے چاہنے لگی تھی اور اس کے لیے نبیل کے پاس دولت اور محبت کے بے شمار کبھی ختم نہ ہونے والے ذخائر تھے۔ پھر وہ جلدی کیوں نہ کرنے کو کہتی۔

''تو میں تاریخ دے دوں۔ میرے خیال میں اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ مناسب رہے گی۔ کیا خیال ہے تمہارا؟''

''جو آپ کی مرضی ممی! میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' آنچل کا کونہ دانتوں میں داب کر مہوش مصنوعی انداز میں شرما گئی تو بیگم جان مسکراتی باہر آگئیں۔

''لو میاں مبارک ہو، میری بیٹی نے تو رضامندی دے دی ہے۔ میری طرف سے تو اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ ہے، اگر تم لوگوں کو اپنی کوئی رائے ہو تو...''

''نہیں، نہیں بیگم جان! یہ ہی مناسب ہے۔''

نبیل نے جلدی سے کہا کہ کہیں ان کا ارادہ نہ بدل جائے۔ امجد صرف اسے گھور کر رہ گیا، لیکن وہ چونکہ اس کے گھر کے حالات جانتا تھا، اس لیے اس کی خوشی میں اس کا بھرپور ساتھ دینا چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے بیگم جان! بارات میں، میں اور دو چار دوست ہوں گے۔''

''بارات کی فکر نہیں بیٹا! سارا جگ باراتی بنا لانا، لیکن پہلے مجھے نبیل میاں فیکٹری کے کاغذات جو تمہارے نام ہوں، دکھا دینا، کیونکہ میں کچی باتیں پسند نہیں کرتی۔''

''جی... جی! آپ اس سلسلے میں فکر نہ کریں، میں چند روز میں آپ کو کاغذات دکھا دوں گا۔'' نبیل، نے پرعزم لہجے میں یقین دہانی کرائی۔

''لو بیٹا! پھر شادی مبارک ہو۔'' بیگم جان نے ایک لڈو امجد اور نبیل کے منہ میں ڈال دیا نبیل، مہوش سے ملنا چاہتا تھا مگر بیگم جان نے اس کی اجازت نہیں دی۔

رات گئے وہ دونوں گھر آئے، لیکن خلاف توقع گھر والے جاگ رہے تھے۔ یہاں بھی ایک نئی فلم چل رہی تھی۔ زیر بحث موضوع راحیل کی شادی تھا اور شیری کے بارے میں

بات ہو رہی تھی، سب ہی خوش نظر آرہے تھے۔

''نبیل بیٹے! تم کہاں رہتے ہو؟ گھر کی بھی کچھ خبر رکھا کرو۔ کچھ پتا ہے ہم جلد ہی تمہارے راحیل بھائی کی شادی کر رہے ہیں۔'' صوفیہ بیگم بے حد خوش تھیں۔ بیٹے کی شادی پر ہر ماں کی طرح وہ بھی بچوں کی خوشیاں دیکھنا چاہتی تھیں، مگر جانے کون سی رکاوٹیں تھیں جو روکے ہوئے تھیں۔

''اوہ! اچھا! کیسی ہیں ہماری بھابی؟'' وہ جو اپنی شادی کی تاریخ طے کر کے آیا تھا۔ بڑے پرشوق اور سرشار لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''بہت خوبصورت ہے، بہت کم عمر، صرف اٹھارہ سال کی۔'' سجل نے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔

''اوہ! یہ تو بڑی اچھی خبر ہے، تاریخ طے ہو گئی کہ نہیں۔''

''مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو، صاحب اقتدار لوگوں سے پوچھو، ہمارا کیا تعلق کسی بات سے؟''

نبیل نے جو اس سے تاریخ کا پوچھا تو آمنہ آہستگی سے جلے دل سے کہتے ہوئے اوپر اپنے کمرے میں آگئی۔

''تاریخ بھی طے ہو جائے گی، فی الحال ان کی فیملی امریکہ سے پاکستان سیٹل ہو رہی ہے، اس میں مصروف ہیں، ذرا فرصت ہو تو شادی کی بات کریں گے اور شاید تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے پپا ان کو بہت سپورٹ کر رہے ہیں اس سلسلے میں، اسی لیے۔''

''اسی لیے تو وہ اپنی کمسن بیٹی کا رشتہ دے رہے ہیں۔ یہ شادی کم اور بزنس زیادہ ہے۔''

"بے بی، بی ہیو یور سیلف!" راحیل نے سجل کی بات پر تنبیہی نظروں سے سجل کو گھورا۔ عجیب لوگ تھے یہ سب عجیب سی باتیں تھیں نہ کسی کا لحاظ نہ کسی کے جذبات کا احساس۔ راحیل کو سجل کی بات بہت بری لگی تھی۔ اس عمر میں ایک تو ان کو کم عمر لڑکی مل رہی تھی اور کوئی انہیں کچھ کہہ کر بدمزا کرے، یہ تو وہ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔

"بے بی! چلو شاباش کمرے میں چلو، تم بتا رہی تھیں تمہارا ٹیسٹ ہے، تیاری کر لو جا کر۔"

فاطمہ کو اندیشہ تھا، سجل کچھ بک نہ دے، کیونکہ سجل کو جب سے پتا چلا تھا وہ مستقل سب کے خلاف بول رہی تھی۔ شیری تو اسے زہر لگ رہی تھی۔

"فاطمہ! سجل تمہاری ٹریننگ میں رہی ہے، اسی لیے اتنی بدتمیز ہو گئی ہے۔ جو منہ میں آتا ہے، بک دیتی ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ کس وقت کیا بات کرنی ہے، اور کیا نہیں کوئی تمیز ہی نہیں رہی اسے۔"

راحیل نے چائے بھی درمیان میں چھوڑ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

سجل کی بدتمیزیوں کا کریڈٹ فاطمہ اپنے کھاتے میں ڈالے خاموشی سے اٹھ کر آ گئی۔

"ہونہہ! سب کو اپنی اپنی خوشیوں سے غرض ہے۔"

سجل نے نیپکن اتار کر دور پھینکا اور اٹھ گئی۔

اس تمام عرصے میں صوفیہ بیگم بس سنتی رہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ بولیں یا نہ بولیں۔ آیا یہ لوگ درست کہہ رہے ہیں یا غلط۔ نتیجتاً وہ چپ رہیں۔ البتہ اس ماحول کا پورا فائدہ نبیل نے اٹھایا۔ وہ مما کے قریب آ گیا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اپنے مطلب پر آ گیا۔

"مما! وہ نئی فیکٹری کے بارے میں کیا طے ہوا ہے کہ کس کے نام ہو گی؟"

وہ موقع پاتے ہی اصل مقصد پر آ گیا تو وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگیں کیونکہ نہ تو اس نے آج تک بزنس وغیرہ میں دلچسپی لی تھی اور نہ ہی یہ جاننے کی ضرورت محسوس کی تھی کہ کون سی چیز کس کے نام ہے۔

"تمہیں کیا ضرورت پیش آ گئی یہ جاننے کی؟"

"پھر بھی مما! میرے نالج میں ہر بات ہونی چاہئے، آخر میں بھی حقدار ہوں اور اس گھر میں رہتا ہوں۔" اس نے اپنا حق جتاتے ہوئے کہا۔ صوفیہ بیگم کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"اس سے پہلے تو تمہیں اپنے حق، اپنی حیثیت کا احساس نہیں ہوا پھر اب کیوں؟"

مما کی سوالیہ نگاہیں اس پر ٹھہر گئیں، تو وہ کچھ دیر کے لیے ڈگمگایا، نظریں جھکا لیں۔

"کوئی خاص بات نہیں مما! میں نے محسوس کیا ہے کہ سب کچھ بڑے اور چھوٹے بھیا کے نام ہے، میرے نام تو کچھ بھی نہیں۔ امجد کے پپا ایک فیکٹری اس کے نام کر رہے ہیں تو

کہہ رہا تھا کہ تمہارے نام کیا ہے۔ اب میں کیا بتاتا، بس اتنی سی بات تھی۔"

وہ انتہائی معصوم صورت بنائے مسکین انداز میں کہہ رہا تھا کہ صوفیہ بیگم کو بے ساختہ اس پر پیار آ گیا۔ آخر کبھی کبھی تو ممتا کے سمندر میں جوش آ ہی جایا کرتا ہے۔

"تو اس میں بسورنے کی کیا بات ہے، جان! میں تمہارے پپا سے بات کروں گی اور میرا خیال ہے کہ تمہارے بھائیوں کو بھی اعتراض نہیں ہو گا۔"

مما اتنی جلدی راضی ہو جائیں گی۔ یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ان کی تسلی پر وہ خوش ہو گیا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ پپا، مما کی بات قطعی نہیں ٹالتے۔

"مما! ایسا ہو جائے گا... پپا اور بھائی تو مان جائیں گے ناں؟"

اس نے بے یقینی سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"ہاں... ہاں کیوں نہیں مانیں گے، یہ دولت، جائیداد سب تم تینوں بھائیوں ہی کی تو ہے، نام کسی کے بھی ہو، کیا فرق پڑتا ہے۔ ویسے بھی سب کچھ تینوں کے نام برابر ہونا چاہئے، میں بات کروں گی تمہارے پپا سے، ڈونٹ وری۔"

صوفیہ بیگم نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے۔

"تھینک یو سوچ مما یو آر گریٹ۔"

نبیل کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اتنی ناممکن سی بات اتنی آسانی سے ہو جائے گی اور پھر رات کھانے کی میز سے نبیل جلدی اٹھ گیا تو صوفیہ بیگم نے فیکٹری کی ملکیت کا ذکر چھیڑ دیا اور ساتھ ہی نبیل کی شکایت بھی پہنچا دی کہ اسے ابھی تک بچہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے کسی ذمہ داری کے لائق نہیں جانا جاتا۔

"بلاؤ نبیل کو۔" وہ فاروق احمد کے حکم پر بھاگا بھاگا آیا۔

"جی پپا!" وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا تو وہ دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر لیے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ فاطمہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ڈانٹ نہ دیں۔

"نبیل! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ بڑے، ہو گئے ہو۔" وہ مسکرائے۔

جی پپا! افسوس تو اس بات کا ہے کہ مجھے یہ بات خود بتانا پڑی ہے۔ یہ پوائنٹ آؤٹ کرنا پڑا ہے کہ میں بھی کسی قابل ہوں۔ اگر مجھ پر بھی ذمہ داری ڈالی جائے تو آپ کو مایوسی نہیں ہو گی۔" وہ بڑے اعتماد سے بول رہا تھا۔ راحیل اور عدیل نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"گڈ! ویری گڈ بیٹا جی، یہ بات اگر براہ راست مجھ سے کرتے تو زیادہ خوشی ہوتی مجھے۔

میں کسی ایک ایسے ہی وقت کا منتظر تھا کہ تم خود احساس کرو کہ تمہیں کچھ کرنا چاہئے۔ خود ذمہ دار ہونا چاہئے، کیوں راحیل؟"

راحیل باپ کا دست راست تھا۔ وہ ہر بات، ہر کام اسی کے مشورے سے کیا کرتے تھے۔

"جی پپا! ہم بھی یہ ہی چاہتے ہیں کہ اس میں احساس ذمہ داری پیدا ہو۔ یہ مقابلے کا زمانہ ہے اور اس تیز رفتار وقت کے ساتھ جو نہیں چلتا اس کے تقاضوں

کو نہیں سمجھتا وہ زمانے کے قدموں تلے آن کر پس جاتا ہے۔ یہ ذمہ داری اگر ہم اس پر ڈالتے تو یہ اسے زیادتی سمجھتا۔ مگر اب اسے خود احساس ہوا ہے تو میرے خیال میں اس کی اہلیت کو آزمانا چاہیئے۔"

"جی پپا! راحیل بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

عدیل نے راحیل کی بات کی تائید کی۔ تو نبیل خوش ہو گیا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جو کام وہ اس قدر ناممکن سمجھ رہا تھا وہ اتنی آسانی سے ہو جائے گا۔

"تو پھر میں ان تمام گواہان کی موجودگی میں فیکٹری نبیل کے نام کرتا ہوں۔ کسی کو اعتراض تو نہیں۔ کیوں آمنہ، فاطمہ؟"

ایسا ہونا تو نہیں چاہیئے تھا مگر جانے کیوں اتنے اہم معاملے میں فاروق احمد نے بیٹیوں کی رائے کو اہمیت دی تو وہ لوگ حیران رہ گئیں۔

"ارے نہیں پپا! ہمیں بھلا اعتراض کیوں ہونے لگا۔ جب ہماری کوئی حیثیت نہیں، کوئی تعلق نہیں تو اعتراض کیسا۔ یہ گھر بھی آپ کا، دولت جائیداد بھی آپ کی اور بیٹے بھی آپ کے، پھر ہم اعتراض کیسے کر سکتے ہیں۔" آمنہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

اس کے اندر آج کل بھٹی سی تپ رہی تھی اور وہ کچھ منہ زور ہو گئی تھی۔ پپا سمیت اور تو کسی نے توجہ نہیں دی البتہ مما نے گھور کر ضرور دیکھا۔ فاطمہ نے آمنہ کا ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کی تاکید کی۔

"آمنہ کا مطلب ہے پپا کہ اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے۔ یہ سب ہمارے بھائیوں کا تو ہے اور سارے بھائی ہمارے لیے ایک جیسے ہیں بلکہ یوں خوشی کی بات ہے کہ اس طرح نبیل میں احساس ذمہ داری پیدا ہو گی۔ مبارک ہو نبیل! اللہ تعالیٰ مزید برکت دے۔"

فاطمہ نے نبیل کو دعائیہ انداز میں مبارک باد دی۔ نبیل بے حد خوش تھا۔ اسے امید کب تھی کہ اتنی جلدی یہ مشکل منزل آسان ہو جائے گی۔

"اب تو اس لالچی بڑھیا کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"نبیل، امجد کو کاغذات دکھاتے ہوئے پوچھنے لگا۔"

"بڑھیا بڑی جوہر شناس ہے، میرے دوست، اعتراض تو اسے پہلے بھی نہیں... تھا بس اپنی قیمت بڑھا رہی تھی۔ خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ شادی کے بعد مہوش کو رکھو گے کہاں؟ تمہارے گھر والے تو اسے قبول کرنے سے رہے۔"

"جناب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے فلیٹ خرید لیا ہے۔"

نبیل نے خوشی سے چمکتی آنکھوں کے ساتھ اطلاع دی۔

"چلیئے مان لیا آپ کو عقلمند، لیکن یہ سوچا ہے تم گھر سے کس طرح الگ رہ سکتے ہو۔ ایک رات تو تم باہر رہ نہیں سکتے... نہیں یار تمہیں اس شادی کو ظاہر کرنا

پڑے گا۔ ورنہ بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔"

امجد کی باتیں وقتی طور پر تو اسے بہت بری لگتی تھیں مگر ہوتی درست تھیں۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ واقعی یہ تو مسئلہ ہو جائے گا۔ وہ گھر سے الگ کیسے رہ سکے گا۔

"پھر یار امجد! کیا کروں؟" وہ بے بسی سے پھر اس سے مشورہ طلب کر رہا تھا۔

"پھر یہ کرو کہ پندرہ بیس دن کے لیے آؤٹنگ کا پروگرام بناتے ہیں۔ تمہارا ہنی مون بھی ہو جائے گا اور ہم گھوم پھر لیں گے اور واپس آکر پھر کچھ سوچ لیں گے۔ فی الحال تو اس سے بہتر کوئی پروگرام نہیں میرے ذہن میں۔"

تجویز تو امجد کی اچھی تھی مگر یہ وقتی حل تھا اس مسئلے کا مگر وہ آئندہ کے لیے زیادہ فکر مند تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ شادی تو ہو پھر دیکھا جائے گا۔ میں کوئی جرم تو نہیں کر رہا کہ سزا بھگتنی پڑے گی... چلو بیگم جان کے ہاں، اسے کاغذات بھی دکھا دیں اور مزید معاملات بھی طے کر لیں۔"

نبیل گویا خود کو تسلی دیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا مگر اس کا دماغ مسلسل مصروف تھا۔ وہ آئندہ آنے والے حالات کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا۔ بیگم جان کاغذات دیکھ کر کھل اٹھیں اور بڑی خوشی سے مہوش کو نبیل کے ساتھ شادی کی شاپنگ کرنے کے لیے بھیج دیا۔

نبیل اپنی دنیا میں مگن تھا اور راحیل کو اس عمر میں کم سن لڑکی مل رہی تھی تو وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اسی دوران شیری کی سالگرہ آ گئی۔ وہ تو منانے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی مگر راحیل کا اصرار تھا کہ وہ خود منائیں گے اس کی سالگرہ۔ اس کے لیے اسے خود شاپنگ کرائی اور دعوت کا انتظام ہوٹل میں کیا۔

"ارے بھئی، بے بی، آمنہ پرسوں تیار ہو جانا، شیری کی برتھ ڈے ہے۔"

"مگر بھائی! اس نے تو ہمیں انوائٹ نہیں کیا۔" آمنہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"اوہو بابا! وہ سلیبریٹ کب کر رہی ہے۔ میں کر رہا ہوں اور میں انوائٹ کر رہا ہوں۔ بات ختم۔" تینوں بہنوں نے اس بات کے اختتام پر ایک دوسرے کو دیکھا اور شیری کے بارے میں سوچنے لگیں، جو اتنی خوش نصیب تھی، اتنی اہم تھی اور ان کا تو وجود ہی بے کار تھا۔ کسی کے لیے اہمیت ہی نہیں رکھتا تھا۔

"جی اچھا۔" کہہ کر تینوں اوپر آ گئیں۔ اب تک تو نبیل نے چوری چھپے جو کر لیا سو کر لیا تھا آج جبکہ اس کی شادی تھی تو وہ... بہت افسردہ ہو رہا تھا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ کام اس کے والدین کے ذریعے طے پاتا۔ اس کے بہن بھائی اس خوشی میں شریک ہوتے، لیکن کیا ستم تھا کہ وہ کسی کو اپنی خوشی میں شریک تو کیا بتا بھی نہیں سکتا تھا وہ سرِ شام ہی تیار ہو کر کسی دوست کے ولیمے کا بہانہ بنا کر امجد کے گھر آ گیا۔

امجد نے نبیل کے سیاہ کوٹ میں گلاب کی ادھ کھلی کلی لگا کر اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"یہ اتنے گھبرا کیوں رہے ہو، حوصلے سے کام لو۔"

"پتا نہیں یار! بڑی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" نبیل نے ٹشو سے پیشانی صاف کی۔

"کم آن یار! اس کے شانے تھپتھپائے۔ پھر چھ سات ارکان پر مشتمل بارات شیرٹن پہنچ گئی جہاں بیگم جان پہلے سے موجود تھیں۔ ہار پہنا کر انہوں نے بارات کا استقبال کیا۔ دولہا کے گلے میں ہار ڈال کر مہوش کے برابر میں لا بٹھایا جو اس وقت دلہن کے روپ میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔ نبیل کا دل اس

وقت کسی بھی پیش آنے والے واقعے کے خوف سے دھڑ کتا رہا جب تک نکاح نہیں ہو گیا کیونکہ اسے بیگم جان کی طرف سے مسلسل دھڑکا ہی لگا تھا، کہیں عین موقع پر کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔

"مبارک ہو نبیل۔" امجد نے اسے ساتھ لگا کر مبارکباد دی۔ اس طرح سب نے اسے مبارکباد دی۔

"نبیل میاں، میں نے اپنی بیٹی کو بہت نازوں سے پالا ہے، اس کا بہت خیال رکھنا۔"

بیگم جان ٹسوے بہاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"سر! آپ کو ہوٹل کے مینجر صاحب بلا رہے ہیں۔"

بیرے کی اطلاع پر نبیل جلدی سے اٹھا۔

"یہ یہیں اتار دو، اچھا نہیں لگتا، میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔"

امجد نے نبیل کے گلے سے ہار اتار کر مہوش کی گود میں رکھے اور دونوں نیچے آ گئے۔ ہال میں سامنے ہی ٹیبل پر راحیل اور شیری کے ہمراہ سجل، فاطمہ اور آمنہ اور عدیل بیٹھے تھے۔ بڑا سا کیک شیری کے سامنے رکھا تھا جو خوب چہک رہی تھی۔ نبیل کا جیسے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ اسی طرح ایک پائوں اوپر کی سیڑھی پر اور دوسرا نیچے کی سیڑھی پر جم گیا۔ امجد بھی پریشان ہو گیا۔

"یار امجد! اب کیا ہو گا۔" نبیل کی آواز جیسے دور سے آئی۔

"کچھ نہیں ہو گا۔" کھیلتے تم طوفانوں سے ہو اور حوصلہ ذرا بھی نہیں... شکر کرو، میں نے ہار اتار دیئے تھے ورنہ..."

"ارے بھائی! وہ دیکھئے نبیل بھائی! سجل کی نظر اس پر پڑی تو وہ چیخ پڑی۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو نبیل کے ہاتھوں میں پسینہ آ گیا۔

☆...☆...☆

فائزہ اور صائمہ یونیورسٹی کے ماحول میں خوب رچ بس گئی تھیں۔ فائزہ تو نت نئے فیشن اور ادائوں میں مصروف رہتی اور پڑھائی کی طرف کم ہی توجہ دیتی جبکہ صائمہ بناؤ سنگھار پر بھی توجہ دیتی اور پڑھائی پر بھی... وہ آگے نکل جانے کا شوق رکھتی تھی اور ہمت بھی۔ یہی وجہ تھی کہ فرسٹ ٹرم میں وہ امتیازی نمبروں سے پاس ہو گئی تھی جبکہ فائزہ بمشکل پاس ہو پائی یا یوں کہہ دینا بہتر ہو گا کہ فیل ہوتے ہوتے بچی تھی۔

صائمہ فطرتاً خاصی تیز اور چالاک تھی۔ دوستی میں... اس نے لڑکے اور لڑکی میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی بلکہ زیادہ تر لڑکوں سے دوستی تھی جبکہ فائزہ کا وہ لیے دیے والا انداز تھا۔ اپنے آپ میں گم رہنے والا۔ یوں بھی فطرتاً وہ سادہ اور معصوم تھی۔ زیادہ چالاکی، عیاری اسے نہیں آتی تھی البتہ وہ اپنے حسن کے زعم میں... رہتی۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

"صائمہ! یہ تمہاری کزن اتراتی کس بات پر ہے؟"

محمود جس نے فائزہ سے لفٹ لینے کی خاصی کوشش کی تھی۔ ناکامی پر چڑنے لگا۔

"بھئی! اترانے کے لیے اسے اللہ نے بہت کچھ عطا کیا ہے، حسن اور اس پر بناؤ سنگھار پھر اترائے کیوں نہ۔" صائمہ کے بجائے رافعہ بولی جو ان کی کلاس فیلو تھی۔

"ارے نہیں بھئی، اس کی عادت ہی ایسی ہے۔ فطرتاً تھوڑی سی خود پسند ہے ورنہ تو اچھی ہے۔" صائمہ نے کزن کی تعریف یوں کی جس میں برائی کا پہلو نمایاں تھا۔

"موضوع تبدیل کرو۔ ادھر ہی آ رہی ہے وہ۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا، صائمہ کہ تم اپنے پاس ہونے کی ٹریٹ کب دے رہی ہو؟"

محمود نے فائزہ کو آتے دیکھ کر موضوع کا رخ صائمہ کی ٹریٹ کی طرف موڑ دیا۔

"کسی بھی وقت بھئی۔ جب تم لوگ کہو، کیوں فائزہ کس روز ٹریٹ دیں ان کو؟"

صائمہ کو اپنی ہوشیار ماں کی ہدایات روز ملتی تھیں۔ اس لیے وہ فائزہ کی رائے کے بغیر کچھ نہیں کرتی تھی۔

"ارے بھئی، کسی روز بھی کر دو۔ مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو۔"

فائزہ نے اپنے مخصوص کھردرے لہجے میں کہا۔

"تو چلو محمود! ہفتے کو ڈن۔ اور ہاں وہ سلیم اور ندیم وغیرہ کو بھی فون کر دینا۔ اب روز روز تو میں ٹریٹ دینے سے رہی۔ او کے۔ سی یو۔"

صائمہ نے اپنے تراشیدہ بالوں کو اک ادا سے جھٹکا دیا۔ بیگ شانے سے لٹکایا اور فائزہ کا ہاتھ تھام کر ٹرمینل کی جانب بڑھنے لگی۔

"فائزہ! آج انکل ظہیر کے ہاں نہ چلیں۔ وہاں جا کر گھر فون کر دیں گے کہ ہم یہاں ہیں۔ پھر طلال یا بلال ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے؟ کیا خیال ہے؟"

چلتے چلتے صائمہ نے تجویز پیش کی تو فائزہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"مگر کیوں؟"

"ارے بھئی، دیکھو۔ طلال بھائی کتنے روز سے ہمارے ہاں نہیں آئے۔"

صائمہ نے یوں کہا گویا طلال کا نہ آنا فائزہ کے لیے دنیا کا سب سے بڑا دکھ ہو۔

"کیا ہوا، نہیں آئے تو۔" فائزہ نے انتہائی عام اور لاتعلق سے انداز میں کہا۔

"فائزہ... فائزہ تم بہت سیدھی ہو، اس طرح کرتی رہیں تو تم کبھی بھی طلال کے قریب نہیں جا سکتیں اور نہ ان کی توجہ حاصل کر سکتی ہو۔ امی کہہ رہی تھیں کہ تم دونوں اکثر یونیورسٹی سے انکل ظہیر کے ہاں چلے جایا کرو۔"

صائمہ نے اسے ڈھیلا دیکھ کر ماں کی طرح اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اوہو بھئی صائمہ! میں تو یہ سب فضول سمجھتی ہوں۔ جب کوئی ایسا تعلق ہو گا طلال سے تو انڈر اسٹینڈنگ بھی ہو جائے گی اور ویسے بھی مجھے طلال کے آگے پیچھے پھرنے کی کیا ضرورت ہے اور پھر مجھے یہ باتیں پسند نہیں۔"

فائزہ نے حسب عادت منہ بنا کر کہا اور چیونگم نکال کر ایک طرف پھینکتے ہوئے اسے دیکھا جو سوسائٹی جانے والے پوائنٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"تو آج تم نے طے کر لیا ہے کہ انکل ظہیر کے ہاں جا کے ہی دم لینا ہے۔"

"ہاں وہ ندا اور بلال بھی تو کئی روز سے نہیں آئے ناں۔ پتا تو کریں کہ کیا بات ہے۔ کہیں خفا نہ ہوں۔" وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی تو فائزہ اسے دیکھ کر خاموشی سے اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"ارے آپ لوگ، امی! دیکھئے کون آیا ہے۔"

ندا، فائزہ اور صائمہ کو دیکھ کر خوشی سے چلائی تو جانے کس خوش فہمی میں بلال نے کھڑکی سے جھانکا کہ شاید پھر خوبصورت اتفاق ہو جائے اور زیب کسی کے ہمراہ ان کے گھر آجائے مگر وہاں فائزہ اور صائمہ کو دیکھا تو زور سے اس نے کھڑکی کے پٹ بند کر کے دروازہ بھی بند کر لیا تاکہ وہ ادھر نہ آنکلیں۔

"آداب آنٹی!" دونوں رابعہ بیگم کی طرف بڑھیں مگر صائمہ کی کوشش تھی کہ وہ پہلے نظروں میں آئے۔

"جیتے رہو بیٹا! یونیورسٹی سے آئے ہو۔"

رابعہ بیگم نے اپنی قمیص جس پر تر پائی کر رہی تھیں ایک طرف رکھتے ہوئے دونوں کو ساتھ لگایا۔

"جی آنٹی! اتنا دل چاہ رہا تھا ناں آپ کو دیکھنے کو۔ تو ہم نے سوچا کہ آج تو یونیورسٹی ہی سے آپ کا پتا کرنے چلیں گے۔ فائزہ تم گھر فون کر دو۔ ہم یہاں ہیں۔ ورنہ وہ لوگ پریشان ہوں گے اور کچھ بعید نہیں امی اسد کو یونیورسٹی بھیج دیں۔"

صائمہ خود تر رابعہ بیگم کے قریب بیٹھ گئی اور فائزہ کو فون کرنے کی ہدایت کر دی۔

"ہاں بیٹا! پہلے گھر فون کر دو۔ وہ لوگ پریشان نہ ہوں اور ندا! ارد ابیٹے! کھانا لگاؤ۔ بہنیں یونیورسٹی سے آئی ہیں۔"

دونوں بہنیں کھانا لگانے لگیں۔ فائزہ اخبار دیکھنے لگی۔

"آنٹی! یہ کیا ہو رہا تھا۔" صائمہ نے ادھ سلی قمیص اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ارے بیٹا قمیص ہے میری۔ یہ لڑکیاں خود تو اپنے اسٹائل سے کپڑے سی لیتی ہیں مگر میرے ان کی سمجھ میں نہیں آتے اور نہ ہی ان کی سلائی مجھے پسند آتی ہے۔ اس لیے میں خود ہی اپنی سلائی کر لیتی ہوں۔" رابعہ بیگم نے دانتوں سے دھاگا توڑا۔

"ہائے آنٹی جان! آپ مجھ سے کہا کریں بالکل آپ کی پسند کے کپڑے نہ سی کر دوں تو پھر کہیئے گا۔ لایئے بس۔ اپنے سارے بغیر سلے کپڑے مجھے دے دیجئے۔ میں دو دن میں سی کر دے جاؤں گی۔"

"ارے نہیں چندا! تم پڑھنے والی بچی ہو۔ میں فارغ ہوتی ہوں، سی لوں گی۔"

"ایسے ہی خود سی لوں گی، میں آج کل بالکل فارغ ہوں اور ہاں ہم نے آپ کو بتایا ہی نہیں کہ ہم دونوں فرسٹ ٹرم میں پاس ہو گئی ہیں۔"

چلا جاتا۔

"رہنے دیجئے آنٹی! ان کا حرج کیوں کرتی ہیں۔ ابھی جمال آجائے گا تو چلے جائیں گے۔"

صائمہ کا سارا پلان ہی فیل ہو گیا تھا۔ وہ بدمزا سی ہو گئی پھر ندا کے پاس آ گئی۔

"ویسے صائمہ باجی! آپ پر یہ ہیئر سٹائل بہت سوٹ کر رہا ہے۔ بالکل مادھوری اسٹائل، ویسے آپ کی کچھ کچھ شکل مادھوری سے ملتی بھی ہے۔"

"ہیں واقعی!" وہ ندا کی تعریف پر خوش ہو گئی اور ساری بدمزگی جو بلال کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی ختم ہو گئی۔

"بالکل واقعی۔" ندا نے اسے پر یقین لہجے میں یقین دلایا۔

"السلام علیکم۔ صائمہ باجی آئی ہیں؟" جمال اسی وقت بائیک کھڑی کر کے اندر آیا۔

"جی ہاں۔ فائزہ باجی بھی آئی ہیں اور آپ کی منتظر ہیں کہ آپ آئیں اور چھوڑ کر آئیں۔"

"وہ پہلے ہی تھکا ہوا تھا۔ آتے ہی ندا نے کہا تو وہ بس دل ہی دل میں جل کر رہ گیا۔ اس کے باوجود کھانا کھاتے ہی گاڑی نکال لایا۔ گھر آ کر صائمہ نے ساری روئیداد ماں کے گوش گزار کر دی۔

"اور امی میں رابعہ آنٹی کے کپڑے لے آئی ہوں سلائی کرنے کے لیے اور ہاں وہ ندا وغیرہ پاس ہونے کی ٹریٹ بھی مانگ رہی ہیں۔"

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ ضرور ٹریٹ دو۔ خیر سے میری بیٹی اتنے اچھے نمبروں سے پاس ہوئی ہے اور یہ تم نے بہت اچھا کیا جو رابعہ بھابی کے کپڑے لے آئیں۔ میں خود سی دوں گی۔ ویسے یہ فائزہ کیسی رہی وہاں؟"

زاہدہ بیگم نے رازدارانہ انداز میں اس کے قریب ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ایک دم بور امی! کسی بات میں حصہ نہیں لیا۔ بس منہ بنا کر بیٹھی رہی۔ رابعہ آنٹی مجھے بہت پوچھ رہی تھیں ہر کام مجھے ہی بتا رہی تھیں۔"

"وہ کچھ جھوٹ کچھ سچ ملا کر ماں کو خوش کر رہی تھی۔ زاہدہ بیگم خوش اور مطمئن تھیں، ورنہ وہ سوچا کرتی تھیں کہ صائمہ کے لیے... اچھا رشتہ کہاں سے مل سکتا ہے۔

"ارے آج آپ اتنی جلدی آ گئے۔ آپ اسی طرح کرتے رہے ناں تو لے اڑیں گے آپ کے بھائی سب کچھ۔"

وہ شوہر کو دیکھتے ہی چلا پڑیں تو وہ اطمینان سے بیڈ پر لیٹ گئے۔

"اری نیک بخت! اب اس دیگ میں دھرا کیا ہے جو کوئی لے اڑے گا۔ بزنس بالکل ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ میں نے تو الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"شکر ہے آپ کو بھی عقل آئی ورنہ میں تو کہہ کہہ کر ہاری مگر آپ کو اثر کہاں ہوتا تھا۔"

زاہدہ بیگم تو ازل سے یہ ہی چاہتی تھیں۔ مراد پوری تو ہوئی مگر ذرا دیر سے۔

"اور فیاض نے کیا سوچا ہے؟"

"فیاض کا بھی یہ ہی فیصلہ ہے بس اب بھائی صاحب کو مطلع کرنا رہ گیا ہے۔ انشاءاللہ ہم جلد ہی الگ ہو جائیں گے، انفرادی طور پر اپنا اپنا کام کریں گے۔"

"اور اس فوج کا کیا کریں گے جو ہمیں سسرال کی طرف سے بری میں ملی ہے۔ نسیمہ بیگم اور چار بچے وہ بھی جوان لڑکیاں۔" زاہدہ بیگم نے انتہائی نخوت

بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ ہی تو اصل مسئلہ ہے۔ میں اور فیاض بہت پریشان ہیں اور بھائی صاحب ہیں کہ ان کی سرپرستی سے سبکدوش ہونا نہیں چاہتے ہیں۔ کئی بار کہا ہے، فرخ اب کام کر سکتا ہے کچھ وہ بھی کمائے، لیکن زمانہ بھی تو نہیں بخشتا ناں کہ تین بھائیوں نے بیوہ بہن اور جوان لڑکیوں کو بے سہارا چھوڑ دیا۔ اس کا حل تو یہ سوچا ہے کہ یا تو ان سب کو بانٹ دیا جائے کچھ کو ہم رکھ لیتے ہیں کچھ فیاض کے پاس اور کچھ بھائی صاحب کے پاس۔"

مشتاق احمد نے یوں ان سب کی تقسیم کی جیسے کوئی ڈاکے میں لوٹا ہوا مال تقسیم کرتا ہے۔

"یہ مصیبتیں جانے کب تک چمٹی رہیں گی جونک کی طرح۔ میں آسیہ بھابی سے بات کرتی ہوں کہ لڑکیوں کی تو شادیاں کر دیتے ہیں۔"

"ہونہہ! شادیاں تو جیسے مفت میں ہو جائیں گی ناں۔"

مشتاق احمد نے سگریٹ سلگایا۔

"ہم رشتے ہی ایسے تلاش کریں گے کہ جہاں لینا دینا نہ پڑے۔ وہ رفیق بھائی کو تو آپ جانتے ہیں دو سال ہوئے ان کی بیوی فوت ہو گئی۔ وہ ضرورت مند ہیں۔"

"چار بچے ہیں ان کے اور تقریباً میری عمر کے ہیں اور زیب، صائمہ سے چھوٹی ہے۔" مشتاق احمد کو یہ بات بھائی نہیں۔

"اوہو تو کیا ہوا۔ کہہ رہے ہیں، ان کو صرف گھر اور بچے سنبھالنے والی چاہئے اور کسی چیز سے ان کو کوئی غرض نہیں۔ ہمارا کوئی خرچ بھی نہیں ہو گا اور بوجھ بھی اتر جائے گا۔

زاہدہ بیگم ماں تھیں۔ جوان بیٹیوں کی ماں لیکن صرف اپنی بیٹیوں کی۔ دوسروں کے لیے تو وہ پتھر دل عورت تھیں۔

"بھئی، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ تم عورتوں کا شعبہ ہے۔ ہمارے لیے اور... فکریں بہت ہیں۔" مشتاق احمد نے انتہائی لاتعلقی سے کہا۔

"بس آپ اس معاملے میں فکر مند نہ ہوں۔ میں آسیہ بھابی سے بات کر کے رفیق بھائی سے بات طے کر لوں گی۔ نسیمہ باجی کو بھلا کیوں اعتراض ہو گا۔ وہ تو اس بڈھے کے ساتھ بھی تیار ہو گئی تھیں۔"

زاہدہ بیگم نہیں جانتی تھیں کہ نسیمہ بیگم وقت اور حالات کی چکی میں اس طرح پسی جا رہی تھیں کہ ان کی قوت فیصلہ سلب ہو کر رہ گئی تھی ورنہ وہ اپنی کلیوں، جیسی بیٹیوں کے لیے کیسے کیسے خواب دیکھتی تھیں مگر ان کی تعبیر ان کے اختیار میں کہاں تھی۔

"خدا کے لیے امی انسانیت کے درجے سے اتنی مت گریں کہ خود انسانیت شرما جائے۔"

اسد نے ماں کی ساری بات سن لی تھی اور دکھ کے شدید احساس نے اسے بے چین کر دیا۔ وہ سیدھا انیکسی کی طرف آیا۔

فرخ! فرخ!"

فرخ کے پیپرز تو ہو چکے تھے۔اب پریکٹیکل کی تیاری وہ بڑی شدومد سے کر رہا تھا۔اس وقت بھی وہ پڑھ رہا تھا اور شذرا اس کے قریب بیٹھی اپنی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔اسد کی آواز پر چڑ گئی۔

"آ گیا منحوس۔"

"شذو! ایسا مت کہا کرو۔وہ اکلوتا ہے اپنی ماں کا۔" نسیمہ بیگم نے ٹوکا۔

"امی! اس کی طرفداری مت کیا کریں۔اول درجے کا بخیل ہے۔یہ... ذرا فرخ کو پڑھتا دیکھ لیتا ہے تو جل بھن جاتا ہے۔فوراً آ جاتا ہے۔آوازیں لگاتے یہ کر دو وہ کر دو۔"

پھر وہ بولتی ہوئی خود ہی باہر آ گئی۔

"کیا کام ہے، فرخ پڑھ رہا ہے۔"

بلائو اسے، آیا کہیں سے پڑھنے والا۔" اسد نے مخصوص انداز میں کہا۔

"کام کیا ہے؟" شذرا دروازے پر تنی رہی تا کہ وہ اندر نہ جائے۔

"جوتے پالش کروانے ہیں۔" اسد نے چیونگم چباتے ہوئے کہا تو شذرا کا دل چاہا اس کا منہ ہی توڑ دے۔

"وہ پڑھ رہا ہے۔نہیں آ سکتا۔" وہ ماں کی وجہ سے ضبط کر گئی۔

"تو تم کر دو۔" وہ ہونٹوں پر چڑانے والی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

"میں وہی جوتے تمہارے سر پر ماروں گی۔اگر آئندہ ایسا کہا تو۔"

"فرخ تم سن نہیں رہے، جلدی سے آئو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

اسد زور سے چلایا تو فرخ باہر آ گیا۔

"فرخ! اگر تم اس کے ساتھ چلے گئے تو میں تمام عمر تم سے بات نہیں کروں گی۔" شذرا نے فرخ کو اپنی قسم دی۔

"فرخ! تمہیں میں بلا رہا ہوں۔"

اسد نے میں پر زور دے کہا تو وہ بچہ شش و پنج میں گرفتار دونوں کو دیکھ کر رہ گیا۔پھر کچھ دیر اس نے سوچا اور اسد کے ساتھ چلا آیا۔

"اسد! مر جائو تم!"

شذرا غصے اور دکھ سے پاگل ہو گئی کہ سگے بھائی کو بھی اسد نے چھین لیا۔اس نے پتھر اٹھا کر اسد کی طرف اچھالا۔

☆...☆...☆

پتھر اُچھالتے ہوئے شذرا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ پتھر جو اُس نے مارا تو واقعی بے حد غصے میں تھا' مگر یہ نہ ارادہ تھا اور نہ خواہش اور نہ اندازہ

تھا کہ پتھر سیدھا جا کر اسد کے سر کے پچھلے حصے میں اس طرح لگے گا کہ خون کا فوارہ پھوٹ پڑے گا۔ وہ سر پر ہاتھ رکھ کر زمین پر گر سا گیا۔

فرخ چونک کر مڑا۔

''ارے اسد بھائی! آپ کو کیا ہوا ہے؟ اُف خدا! اتنا خون' یہ کیسے ہوا؟'' فرخ نے غالباً شنذرا کو پتھر مارتے نہیں دیکھا تھا۔

''پتا نہیں یار! یوں لگا جیسے پتھر لگا ہو۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔ فوراً جاؤ' شعیب بھائی یا منیب کو بلا کر لاؤ۔'' اسد شدید تکلیف میں تھا۔

سفید شرٹ پر خون پھیل گیا تھا۔ دونوں ہاتھ خون میں لت پت تھے۔

''پتھر۔۔۔؟'' اسد اسے کسی کو بلانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ اور فرخ پتھر کے بارے میں سوچتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا' تو اپنی جگہ حیران ساکت کھڑی شنذرا پر نظر پڑی۔ وہ ساری بات سمجھ گیا۔ اور اس کی طرف تیزی سے بڑھا' بجائے اس کے کسی کو بلائے' وہ غصے سے بھنا گیا۔

''شنذرا باجی! آپ۔۔۔ آپ انتہائی ظالم اور خود غرض ہیں۔ کیوں مارا آپ نے اسد بھائی کو پتھر' اگر یہی پتھر میرے لگ جاتا تو۔۔۔ ان کی جگہ میں تڑپ رہا ہوتا۔۔۔ آپ بہت ظالم ہیں۔ آپ جانتی ہی نہیں کہ اسد بھیا وہ نہیں جو نظر۔۔۔ نہیں۔۔۔ امی۔۔۔ امی جان جلدی سے باہر آیئے' دیکھئے اسد بھیا کو چوٹ لگ گئی ہے۔''

فرخ کو غصہ تو اتنا آ رہا تھا' جی میں آیا کہ اسد کے بارے میں حقیقت سے اُسے آشنا کر دے' مگر پھر اسد کی دھمکی یاد آ گئی کہ اگر کبھی یہ راز فاش ہوا تو وہ دوستی ختم ہو جائے گی اور وہ اس کے ساتھ دوستی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے خاموش ہو گیا اور نسیمہ بیگم کو آوازیں دینے لگا۔

''کیا بات ہے فرخ۔۔۔ ہائے۔۔۔ میں مر جاؤں' اسد میرے بچے یہ کیا ہوا؟''

جیسے ہی نسیمہ بیگم کی نظر اسد پر پڑی' وہ تڑپ کر تیزی سے۔۔۔ اس کی طرف بڑھیں۔

بات اگر صرف اسد اور فرخ کے درمیان رہتی تو اسد پتھر کی چوٹ کے بجائے ٹھوکر لگ کر گرنے کا بہانا بنا دیتا' تاکہ بات آگے نہ بڑھتی' مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسد کی چوٹ نے گھر میں ہنگامے کی سی فضا پیدا کر دی تھی۔ سارا گھر اُس پر اُمڈ پڑا تھا۔

زاہدہ بیگم نے جو اپنے لاڈلے بیٹے کو اس حال میں دیکھا' تو وہ بے ہوش ہو گئیں۔ بہنوں کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ مشتاق احمد کے ہاتھ پاؤں بھی ٹھنڈے ہو گئے تھے۔

شعیب گھر پر تھا۔ وہ جلدی سے گاڑی نکال لایا اور اس افرا تفری میں دو تین گاڑیاں اسد کے ساتھ روانہ ہوئیں کہ شنذرا کی طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا اور وہ تو گویا پتھرائی ساکت آنکھوں سے سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ یوں جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ سکتہ تو اس وقت ٹوٹا جب نسیمہ بیگم کا زناٹے دار تھپڑ رُخسار پر پڑا۔

''تو۔۔۔ تو بد نصیب' نامراد! مجھے کہیں کا نہیں رکھے گی۔ وہ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ تم لوگ ہو ہی نمک حرام۔ جہاں کھایا۔۔۔ وہیں چھید کیا' اگر اسد کو کچھ ہو گیا' شنذرا تیرا گلا میں خود گھونٹ دوں گی۔ اب تک تو زبان چلتی تھی تیری۔ زبان کے گھاؤ میں اپنے دل پر برداشت کرتی رہی ہوں۔ کمبخت! اب ہاتھ چلانا بھی شروع کر دیئے ہیں۔۔۔ تو مجھے اس گھر ہی نہیں' اس جہاں سے بھی نکالے گی ذلیل لڑکی۔''

نسیمہ بیگم کو بہت غصہ تھا' ان کا جی چاہ رہا تھا اسے مار ہی ڈالیں۔

''امی! بس کریں' خدا کے لیے' یہ تو ہے ہی بدزبان' بدلحاظ' منہ پھٹ' آپ کیوں ہلکان ہو رہی ہیں؟'' زیب نے آگے بڑھ کر ماں کو پرے کیا' جو شذرا کو مارے جا رہی تھیں۔

''باجی آپ۔۔۔آپ بھی مجھے ہی غلط سمجھ رہی ہیں؟''

شذرا نے شاکی' دھندلائی نظروں سے زیب کو دیکھا' وہ بھی سخت غصے میں تھی۔

''تمہیں غلط نہ سمجھوں تو کیا سمجھوں۔ بہت پارسا ہو۔ کچھ احساس ہے' تم نے کیا کر دیا ہے۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ تم نفرت اور انتقام میں اس قدر اندھی بھی ہو سکتی ہو کہ ان کے تمام احسانات کو یوں اسد کے خون میں رنگ دو گی۔''

''باجی! خدا کی قسم میں نے جان بوجھ کر اسد کو نہیں مارا۔ یہ‌ں نے تو پتھر ہوا میں اُچھالا تھا۔'' وہ رو پڑی۔

''ہاں تمہاری تو ہوائیں بھی نفرت کرتی ہیں اسد سے' نمک حرام لڑکی! ابھی تو وہ سب اسی میں لگے ہوئے ہیں۔ زاہدہ کو ہوش میں آنے دو' چٹیا پکڑ کر باہر نکال دے گی وہ مجھے۔۔۔ بدنصیب ایک تو قسمت ہی ایسی ہے اوپر سے کرتوت نامرادوں کے ایسے ہیں کہ۔۔۔!''

نسیمہ بیگم سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے کتنا چاہا تھا کہ وہ بھی اسد کے ساتھ اسپتال جائیں' مگر آسیہ بیگم نے صاف کہہ دیا۔

''کیا ضرورت ہے آپ کی' خود ہی گھاؤ لگاتی ہیں اور خود ہی۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی۔''

آسیہ بیگم نے ہاتھ پکڑ کر اُن کو الگ کر دیا تھا۔ وہ اپنا سا منہ لے کر واپس آ گئیں۔ گھر میں ایک قیامت سی برپا تھی۔ زاہدہ بیگم کی تو حالت غیر تھی۔

''ہائے میرا بچہ! اگر میرے بچے کو کچھ ہوا تو۔۔۔ تو۔۔۔!''

''خدا نہ کرے زاہدہ! ایسی کوئی بات نہیں اسد ٹھیک ہے۔ ابھی شوبی کا فون آیا ہے۔'' آسیہ بیگم نے اُن کو دلاسا دیا۔

اسی وقت ظہیر صاحب اور رابعہ بیگم بھی آ گئیں۔ طلال اور بلال تو اسپتال ہی چلے گئے تھے۔

''زاہدہ! ہوش میں آؤ' اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو' بری باتیں نہ کرو۔''

''بھابی! میرا بچہ۔۔۔ میرا اکلوتا بچہ بھی خار کی طرح کھٹکتا ہے دشمنوں کو' میں کیا کروں گی؟''

زاہدہ بیگم' رابعہ بیگم کے گلے۔۔۔ لگ کر رونے لگیں۔

''حوصلے سے کام لو زاہدہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ صائمہ۔۔۔ صبا! ارے بچیو! بری بات ہے۔ اللہ سے بھائی کی زندگی مانگو' امی کو حوصلہ دینے کے بجائے خود بھی۔۔۔''

رابعہ بیگم نے صائمہ' صبا اور ہما کو ٹوکا تو صائمہ ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے مزید بلند آواز میں رونے لگی۔

"آنٹی! ہماری تو دنیا ہی ہمارے بھائی کے ساتھ ہے۔ ہم نے کسی کے ساتھ کیا برا کیا کہ ہمارے اکلوتے بھائی کی جان کے دشمن ہو گئے ہیں یہ لوگ۔"

صائمہ نے نفرت سے زیب اور نسیمہ بیگم کی طرف دیکھا' جو مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ صائمہ کا بس چلتا تو شذرا کے بجائے اپنی رقیبہ زیب کو مار ڈالتی۔

شذرا کو اسد کی چوٹ کا دُکھ تھا یا گھر میں جو اس پر لعن طعن ہو رہی تھی' جانے کیا وجہ تھی کہ وہ تکیے میں منہ دیئے مستقل روئے گئی۔ حالانکہ وہ خود کو مجرم بھی نہیں کہہ رہی تھی اور نہ خود کو ملامت کر رہی تھی' بلکہ اسد کو زخمی کر کے ایک طرح سے سکون ملا تھا۔ پھر یہ رونا کس بات پر تھا کہ وہ روئے جا رہی تھی۔

"بلال! آ گئے تم' کیا حال ہے اسد کا؟"

بلال اسپتال سے آیا تو سب بے قراری سے اُس کی طرف بڑھے۔

"خدا کا شکر ہے کہ اسد بالکل ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں' چوٹ معمولی ہے' کوئی فکر کی بات نہیں۔" بلال نے چوٹ کو مزید معمولی بنا کر پیش کیا۔

ویسے بھی تین ٹانکے لگنے کے باوجود ڈاکٹرز نے اسے زیادہ خطرناک چوٹ قرار نہیں دیا تھا۔ اس لیے سب مردوں کی رائے تھی کہ خواتین کو بتایا ہی نہیں جائے گا کہ اسد کو ٹانکے لگے ہیں۔

"میرا بچہ ہوش میں تو ہے ناں؟" زاہدہ بیگم بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں آنٹی۔۔۔ بالکل ہوش میں تھا اسد' کوئی خاص بات نہیں' بس رگ کٹ گئی ہے۔ اس کی وجہ سے خون زیادہ بہہ گیا۔"

"اُسے خون کی ضرورت تو نہیں' اگر ہے تو میں اپنے بدن کا ایک ایک قطرہ اپنے بھائی کو دینے کو تیار ہوں۔ بلال پلیز آپ مجھے اس کے پاس لے چلیے۔"

صائمہ جذباتی پن میں کچھ اوور سی ہو گئی۔ بلال نے عجیب سی نظروں سے اُسے دیکھا۔ اُسے یہ لڑکی شروع ہی سے ناپسند تھی۔

"خواہ مخواہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' اگر خون کی ضرورت ہوتی تو ہم سب لوگ وہاں موجود تھے اور اسپتال جانے سے سب کو منع کیا ہے انکل شوکت نے' لہٰذا کوئی اسپتال نہیں جائے گا۔۔۔ صدف! پانی پلاؤ۔"

بلال نے خاصے اکھڑپن سے صائمہ کو ٹوکا اور پانی کے لیے صدف کو کہہ کر زیب کی طرف دیکھا' جو زاہدہ بیگم کے پاؤں دبا رہی تھی۔

"یہ لیجئے بلال بھیا!"

"صدف! یہ شذرا کہاں ہے؟" گلاس لیتے ہوئے بلال نے آہستگی سے پوچھا۔

"شذرا واقعی بہت بری ہیں بھیا' وہیں ہیں اپنے کمرے میں۔"

سب کی طرح صدف کو بھی شذرا پر غصہ تھا۔

"ایسے نہیں کہتے صدف! آؤ میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟"

پھر وہ اس کو لے کر انیکسی میں آ گیا۔ شذرا اسی طرح تکیے میں سر دیئے رو رہی تھی۔

''شنذرا!'' بلال نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑی۔

''بلال بھیا! آپ۔۔۔آپ بھی مجھے ڈانٹنے آئے ہیں؟''

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں دُھندلائی آنکھوں سے بلال کو دیکھا تو اُس نے شنذرا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے رومال سے اس کے آنسو صاف کیے۔

''نہیں' میں بھلا اپنی بہن کو غلط کیوں سمجھوں گا' اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ ہر عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے اور اسد کی چوٹ بھی کسی ردِ عمل کا نتیجہ ہے۔''

بلال نے نرم لہجے میں کہا تو وہ اس سے لپٹ کر رو پڑی۔اس نے ہمیشہ بلال میں اپنے عمیر بھیا کو پایا تھا۔

''ستم تو یہ ہے بلال بھیا کہ میرا ردِ عمل سب کو نظر آجاتا ہے' مگر وہ جو۔۔۔ مرضی کرتا رہے' کسی کو نظر نہیں آتا۔''

''شنذرا! اس بار تمہارا ردِ عمل شدید ثابت ہوا ہے۔پتا ہے چوٹ کتنی گہری آئی ہے۔ تین ٹانکے لگے ہیں۔خون زیادہ بہہ جانے کے باعث اُسے ابھی تک ہوش نہیں آیا۔''

وہ سچ جو باقی خواتین سے مصلحتاً اس نے چھپایا تھا۔وہ شنذرا کو تنبیہاً بتانا پڑا تھا۔

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی بلال بھیا کہ اسے ایک جسمانی چوٹ لگ گئی تو قیامت آگئی' گھر بھر میں اور وہ جو پل پل زخمی کرتا رہتا ہے' ہماری رُوحوں کو' طعنوں کے کچوکے لگا لگا کر' اس کی کوئی سزا نہیں' اس کی کوئی پکڑ نہیں۔''

وہ ہچکیوں کے دوران شکوہ کناں نظروں سے بلال کو دیکھ رہی تھی۔

''نہیں شنذرا! یہ دُنیا فانی ہے اور اس دُنیا کا قانون جسم کو تحفظ دیتا ہے۔یہاں صرف جسم کے قاتل کو سزا ملتی ہے' روح کے زخموں کا حساب صرف اللہ کی بڑی اور آخری عدالت میں ہوگا' جہاں کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔وہاں حق و باطل کو جزا اور سزا مل کر رہے گی۔دیکھو میری بہن! تم لوگوں کو یہیں رہنا ہے اور جس طرح انہوں نے رکھنا ہے' اسی طرح رہنا ہے اور ویسے بھی اسد اتنا برا نہیں' جتنا تم اسے سمجھتی ہو۔''

بلال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سمجھایا۔

''نہیں بھیا! وہ کتنا برا ہے' آپ کو خبر نہیں ہے۔ہر وقت طعنے دیتا ہے ٹکڑوں پر پلنے کے اور ہم پر اور فرخ پر رُعب ایسے جماتا ہے' جیسے ہم زر خرید غلام ہوں۔مجھے شدید نفرت ہے اُس سے۔''

وہ جو اُس کی چوٹ کی سنگینی کا سن کر کچھ نرم پڑ گئی تھی' بلال کی بات پر اس کی نفرت عود کر آئی۔

''شنذرا! میں بڑا بھائی ہونے کے باوجود تم سے درخواست کروں گا کہ برداشت اور ضبط سے کام لیا کرو۔وقت ایک سا نہیں رہتا اور یہ معمولی حادثہ نہیں ہے' نہ ہی اس کے اثرات معمولی ہوں گے۔تمہیں خاموش رہنا ہوگا جو بھی کچھ کہے' بس چپ رہنا۔''

بلال اسے اچھی طرح سمجھا کر آگیا۔راہداری میں زیب سے مڈ بھیڑ ہوگئی۔

''زیب! میں نے شنذرا کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔''

"کتنا ہی سمجھا لیں' اس پر اثر نہیں ہو گا۔۔۔۔ بہت ڈھیٹ اور ضدی لڑکی ہے۔ اب خود تو چھپی بیٹھی ہے' سن لیا ناں آپ نے' کتنا ذلیل کر رہی ہیں بڑی اور چھوٹی مامی۔ زاہدہ مامی تو بار بار بے ہوش ہو رہی ہیں۔ جب وہ ہوش میں آئیں گی تو پتا تو تب چلے گا ناں۔ اس لڑکی نے رُسوا کر کے رکھ دیا ہے ہمیں زمانے بھر میں۔"

زیب کی پلکیں بھیگنے لگیں تو بلال کا دل چاہا' اس لڑکی کو جسے وہ شدت سے چاہتا ہے' کہیں چھپا لے۔

"تم لوگوں نے اپنی دنیا کو صرف اس گھر تک محدود کر لیا ہے۔ زیب! اس گھر کے باہر کی دنیا بھی تم لوگوں کی اپنی ہے' مگر تم لوگوں نے کبھی اسے اپنا سمجھا نہیں۔"

"زیب! یہ تم امی کے لیے دودھ لینے گئی تھیں ناں؟"

صائمہ کی تیز نگاہیں زیب کے جسم کے آر پار ہو گئی تھیں۔ لہجے کی کاٹ نے دل زخمی کر دیا۔ وہ جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ صائمہ بلال کے قریب آگئی۔

"بلال پلیز' مجھے اسپتال لے چلیں' میں جب تک خود اسد کو نہ دیکھ لوں گی' قرار نہیں آئے گا۔ اور میں دیکھ کر آؤں گی تو امی کو بھی تسلی ہو گی۔"

بلال نے تیکھی نظروں سے صائمہ کا جائزہ لیا' جو کچھ دیر قبل چھکوں پھکوں رو رہی تھی' اب لائٹ سے میک اپ میں اس کے ساتھ جانے کو تیار کھڑی تھی۔

"آنٹی کو تو خیر چھوڑو' ان کی بے قراری کا مجھے علم ہے' لیکن سوری' میں نہیں لے جا سکتا۔" بلال نے رُوکھے سے لہجے میں صاف انکار کر دیا۔

"کیوں؟" وہ سراپا احتجاج بن گئی۔

"اس لیے کہ میرے پاس گاڑی نہیں بائیک ہے۔"

بلال نے بائیک خاصا چبا کر کہا۔

"تو کیا ہوا' میں بائیک پر بڑی آسانی سے بیٹھ جاتی ہوں۔"

وہ ڈھٹائی کا سمبل بنی اُس کے ساتھ جانے پر مصر تھی۔

"لیکن میں خواتین کو ساتھ بٹھا کر بائیک آسانی سے نہیں چلا سکتا۔"

بلال نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"ہونہہ! سب سمجھتی ہوں' لیکن بلال تم میرے نہ ہوئے تو اپنی زیب رانی کے بھی نہ ہو سکو گے۔ ابھی زیب فرمائش کر دیتی تو سر پر سوار کر لیتا' مجنوں کہیں کا۔"

صائمہ پاؤں پٹختی آگئی۔

رات کو اسد کو گھر لے آئے تھے' وہ ہوش میں تھا' مگر کمزوری بہت محسوس کر رہا تھا۔

''میں صدقے۔۔۔ میں قربان! میرا بچہ!! یااللہ میرے بچے کو کس کی نظر لگ گئی۔ دشمن ہر وقت گھات لگائے رہتے ہیں۔ مولا تو ہی بچانا میرے بچے کو۔۔۔ میں واری' کیسا رنگ ہو گیا ہے میرے چاند کا' گویا ہلدی ڈال دی گئی ہو چہرے پر۔ خون جو اتنا بہہ گیا ہے' میں صدقے۔''

زاہدہ بیگم ماں تھیں۔ اسد کو لپٹا کر شدت سے رو پڑیں۔ بہنیں بھی آ گئیں۔

''اسد میری جان! کیسے ہو اب؟'' صائمہ نے اسد کا ہاتھ ہونٹوں سے لگایا۔

''آپی' امی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کے سامنے ہوں' اب تو مت روئیں۔ مجھے دُکھ ہوتا ہے آپ کے آنسو دیکھ کر۔''

اسد نے ماں اور بہنوں کے آنسو صاف کرتے ہوئے نحیف سی آواز میں کہا۔

''ہاں۔۔۔ ہاں بند کرو یہ رونا' شکر ادا کرو خدا کا کہ اللہ تعالیٰ نے بچے کی جان بخش دی' ورنہ شنذرا بیگم نے تو جان سے مارنے کی پوری کوشش کی تھی۔''

مشتاق احمد نے بڑی بہن کا ذرا بھی خیال کیے بغیر کچوکا لگایا تو وہ مجرموں کی طرح سر جھکا کر رہ گئیں۔

''اسد بیٹا! اب کیسا محسوس کر رہے ہو' خدا تمہیں میری اور ان بدنصیبوں کی عمر دے۔'' نسیمہ بیگم بڑی ہمت کر کے اسد کے پاس گئیں۔

''خدا کے لیے بخشیں اب نسیمہ باجی! کوئی ضرورت نہیں اب ان چونچلوں کی۔ یہ سب آپ ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے احسانات کا یہ صلہ دیا جا رہا ہے۔ حد ہوتی ہے برداشت کی بھی' مگر یہاں تو انتہا ہو گئی۔ شنذرا کو آپ نے اس حد تک سر چڑھا رکھا ہے کہ جو اس کے جی میں آتا ہے' کرتی ہے۔''

مشتاق احمد کا کٹیلا لہجہ نسیمہ بیگم کے دل کو چیرتا ہوا گزر گیا۔ انہوں نے واضح طور پر ان کو اور ان کی تربیت کو نشانہ بنایا تھا۔

''مشتاق' میرے بھائی! کچھ بھی کہہ لو' مار ڈالو شنذرا کو' مگر مجھے احسان فراموشی کی گالی تو نہ دو' میرا تو پور پور تم لوگوں کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔''

''نسیمہ باجی! پلیز میرے بیٹے کے سرہانے سے ہٹ جایئے۔ اب کسر ہی کیا رہ گئی ہے۔ مت روئیں میرے بیٹے کے سرہانے کھڑی ہو کر۔''

زاہدہ بیگم نے بہت برے انداز میں کہا تو وہ دوپٹے میں چہرہ چھپائے وہاں سے ہٹ گئیں۔ زیب بھی اُٹھنے لگی۔

''زیب کہاں چلیں اب' پتا بھی ہے' سب لوگ جمع ہیں' کھانے کا بھی کچھ کیا ہے' یا آرام ہی فرمایا گیا ہے؟''

آسیہ بیگم کی پاٹ دار آواز نے زیب کو رُکنے پر مجبور کر دیا۔

''وہ جی اسد کی پریشانی کی وجہ سے کچھ نہیں کیا' اب آپ بتائیں کیا بنانا ہے' جلدی سے بنا لیتے ہیں' آؤ صدف۔''

''اسد کی پریشانی۔۔۔ تم لوگوں کو اسد کی کیا پریشانی ہو سکتی ہے؟ ہونہہ! چور بھی اور چتر بھی۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں ہے' میں خود کھانا بنا لیتی ہوں۔''

صائمہ نے نخوت سے زیب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ نہیں چاہتی تھی' زیب' بلال کی موجودگی میں یہاں رہے' اُسے سارا کام کرنا منظور تھا' اسی لیے اس نے اسے انیکسی میں بھیج دیا۔

یہ سب نہ صرف بلال کے لیے ' بلکہ پوری ظہیر فیملی کے لیے ناقابل برداشت تھا' مگر کوئی بھی ان کی حمایت میں نہیں بولا' مبادا ان کو ہی بھگتنا پڑے۔ البتہ بلال کسی کام کا بہانا بنا کر گھر واپس آ گیا۔

☆...☆...☆

"امجد! اب کیا ہوگا؟" نبیل کے ماتھے پر خنکی کے باوجود پسینہ اُبھر آیا۔

"ہوگا تو کچھ بھی نہیں ' مگر تمہاری بدحواسی کوئی گل نہ کھلا دے۔ نارمل رہو۔ ارے راحیل بھائی! آپ لوگ بھی یہیں ہیں۔" امجد بڑی گرمجوشی سے راحیل کی طرف بڑھا۔

"ہاں بھئی' یہ شیری کی سالگرہ تھی جو میں نے سیلیبریٹ کی ہے۔ تم لوگ۔۔۔۔"

راحیل نے امجد اور نبیل کو دیکھا۔

"جی وہ ولیمہ ہے ناں' ہماری دوستی کا۔" نبیل کی زبان لڑکھڑا گئی تو سب مسکرا دیئے۔

"ارے بھائی! صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ کی کسی گرل فرینڈ کا ولیمہ ہے' چلئے ہمیں بھی دُلہن دکھلایئے۔ آؤ شیری۔۔۔ چلیں باجی۔" سجل فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں۔۔۔ہاں کیوں نہیں آؤ۔" بدحواسی میں نبیل کو کچھ خیال نہ رہا۔ وہ فوراً تیار ہو گیا۔۔۔۔۔ مگر امجد نے زور سے اُس کے پاؤں پر پاؤں مارا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا' دلہن دکھانے لے جا رہے ہو' پتا بھی ہے تمہیں وہ لوگ کس قسم کے ہیں' مائنڈ بھی کر سکتے ہیں کہ انوائٹ ایک بندے کو کیا او یہ پوری فیملی کو اٹھا لائے۔ سجل! آپ کو دلہن دکھائیں گے' لیکن آج نہیں۔"

نبیل کو تنبیہی انداز میں گھورتے ہوئے امجد نے اس موقع کو ٹالا تو نبیل کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہونے لگا کہ وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔

"اوہو بھئی! ہم کون سا کھانے میں شریک ہو رہے تھے' بس دلہن کو دیکھ کر آ جاتے۔ خیر نبیل! میری برتھ ڈے ہے' تم ہمیں جوائن نہیں کرو گے؟" شہرین ان سب سے چھوٹی تھی' مگر راحیل کے حوالے سے وہ سب کو خود سے جونیئر سمجھ رہی تھی۔

"سوری جی! اللہ نے چاہا تو آئندہ برتھ ڈے پر حاضر ہو جاؤں گا۔ فی الحال تو۔۔۔" نبیل نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں' وہ راحیل بھائی اور فاطمہ باجی! آپ سے ایک اجازت بھی لینی ہے۔"

"کیسی اجازت؟" راحیل اور فاطمہ نے یک زبان ہو کر امجد کو دیکھا۔

"وہ یہ ہے جی کہ آج رات ہم نے اپنے دوست کی شادی کی خوشی میں ملے گلے کا پروگرام بنایا ہے' سارے دوست جمع ہوں گے۔ نبیل نہیں ہوگا تو رتی برابر مزا نہیں آئے گا۔ اس لیے آج رات ہم دوستوں کے پاس نبیل کو رہنے دیں۔۔۔۔۔۔ آپ لوگ انکل اور آنٹی کو سمجھا دیجئے گا۔"

امجد نے لگے ہاتھوں رات کی بھی اجازت طلب کی۔

"رات۔۔۔ مگر امجد ابھی دو روز بعد تم لوگ غالباً سیر و تفریح کے لیے لمبے ٹور پر جا رہے ہو تو آج رات ضروری نہیں کہ گھر سے باہر گزاری جائے۔"

راحیل نے پس و پیش سے کام لیا تو نبیل کا دل بیٹھنے لگا' مگر امجد نے ہمت نہیں ہاری۔

"مس شہرین! آپ تو ہماری ہونے والی بڑی بھابی ہیں کچھ سفارش کر دیں۔"

امجد نے راحیل کی کمزوری پر ہاتھ رکھا۔

"کم آن راحی! انجوائے کرنے دیں بچے ہیں' چلو جاؤ' نبیل خوب انجوائے کرنا' میں مما' پپا کو سمجھا دوں گی۔"

شہرین بڑی معتبر بنی اجازت دے رہی تھی۔ آمنہ' فاطمہ اور سجل نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ فی الحال تو رشتے کی بات بھی پکی نہیں ہوئی تھی اور اتنے اختیارات کی مالک بن بیٹھی تھی وہ۔ کتنی خوش نصیب ہوتی ہیں بعض لڑکیاں کہ بن مانگے بن چاہے سب کچھ مل جاتا ہے۔ خوشیوں کے بے شمار پھول آپ ہی آپ ان کے قدموں میں آ گرتے ہیں۔

فاطمہ نے چہکتی ہوئی شیری کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"ارے بھئی' اب کیا دیکھ رہے ہو جاؤ انجوائے کرو۔ اب شہری' مما پپا کو سنبھال لے گی۔"

راحیل نے وارفتہ نظروں سے شہری کو دیکھا۔ ان کو تو خوشی ہو رہی تھی کہ شہری اپنا حق استعمال کر رہی تھی۔

"تھینک یو۔۔۔ تھینک یو سو مچ بھابی جان۔"

نبیل خوشی سے کھل اُٹھا۔۔۔۔ بہنوں کو نظر انداز کرتا ہوا شہری سے ہاتھ ملا کر بولا۔۔۔ تو وہ تینوں یوں بے وقعت سی ہو کر رہ گئیں گویا ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ آمنہ کا جی چاہ رہا تھا کہ وہاں سے اُٹھ جائے۔

امجد کی مخلص دوستی نے نبیل کا ہر آڑے وقت میں ساتھ دیا تھا۔ اسی کا تعاون تھا کہ وہ اپنی عزیز از جان دُلہن مہوش کے ساتھ ہنی مون منانے چلا گیا تھا۔

"بھئی' اس لڑکے کے اپنے ہی پروگرام ہوتے ہیں۔ ابھی کیا ضرورت تھی سیر سپاٹے کرنے کی۔ وہ سجاد صاحب کا اصرار ہے کہ جلد ہی شہرین اور راحیل کی شادی کی جائے۔ نبیل صاحب ہیں کہ ان کا گھر میں ٹکنا ہی محال ہے۔"

اُس روز بھی سجاد صاحب نے شہری اور راحیل کی شادی پر زور دیا تو فاروق صاحب جھنجلا گئے۔

"فاروق! اتنی سی بات کو سر پر سوار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ نبیل اب ایک ماہ سے قبل تو آنے سے رہا۔ امجد بتا رہا تھا کہ ان کے پورے گروپ کا لمبا چوڑا پروگرام ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ فی الحال منگنی کی رسم ادا کر دیتے ہیں' جیسے ہی نبیل لوٹے گا' شادی کی تاریخ رکھ دیں گے۔ کیوں بچو کیا خیال ہے تم لوگوں کا؟"

مسز فاروق نے تجویز پیش کر کے رائے کے لیے سب کی طرف دیکھا۔

''عدیل! فاطمہ' آمنہ میں نے کچھ پوچھا ہے؟''

ان کی خاموشی پر انہوں نے پھر پوچھا۔

''جی۔۔۔جی مماجان!! جیسے آپ لوگ مناسب سمجھیں۔ ویسے آپ نے ٹھیک کہا ہے کہ ابھی منگنی کر دیتے ہیں تاکہ لڑکی والوں کی تسلی ہو جائے۔''

فاطمہ نے جلدی سے اپنی رائے دے دی۔

''بے بی! تم بہت خاموش ہو' کیا خیال ہے۔ تمہاری تو بڑی خواہش تھی کہ ہمارے گھر میں بھی خوشی کے شادیانے گونجیں' ڈھولک بجے اور۔۔۔۔''

''جی مما! میں بے حد خوش ہوں کہ ہم بہن بھائیوں میں سے کسی کے ارمانوں کے پھول تو کھلنے ہی چاہئیں۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی سجل کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ وہ اپنے والدین کو سمجھ نہیں پائی تھی کہ انہوں نے بیٹیوں کی پرورش اور آرام و آسائش میں کبھی کمی نہیں آنے دی تھی' مگر پھر بھی ہر اہم موقع اور خوشی پر صرف اپنے بیٹوں کا حق جانا تھا۔

''بے بی! تمہارے لہجے میں خاصی کاٹ ہوتی ہے۔ ذرا دھیان سے بولا کرو۔''

عدیل نے چبھتی نظروں سے سجل کو دیکھا' مگر سجل۔۔۔ سنی ان سنی کرتے ہوئے پپا کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''پپا! میں اپنے کلاس فیلوز یا یونیورسٹی فیلوز کو بلا سکتی ہوں' بھائی کی منگنی پر؟'' زندگی میں پہلا موقع ہی تو آیا تھا خوشی کا کہ وہ بھی کسی کو بتا سکتی تھی کہ اس کے گھر میں بھی کسی کی منگنی یا شادی ہو رہی ہے۔ اور وہ تیمور' علی اور اپنے گروپ کے لوگوں کو بلانا چاہتی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے' کسی کو بلانے کی' میں جانتا ہوں' سب ایویں ہیں۔ تمہاری تو ہر بات ہی نرالی ہے۔ دوستیاں بھی اپنے اسٹینڈرڈ سے ہٹ کر کی ہیں' کوئی ضرورت نہیں کوڑا کرکٹ کو بلانے کی۔''

''بھائی پلیز! آپ کو کوئی حق نہیں میرے دوستوں کی توہین کرنے کا۔ وہ کوڑا کرکٹ آپ جیسے چھوٹی ذہنیت رکھنے والوں سے ہزار گنا بلند اسٹینڈرڈ رکھتے ہیں۔'' وہ جیسے پھٹ سی پڑی۔

''کول ڈاؤن بے بی!'' فاطمہ نے سجل کا ہاتھ دبایا۔

''کیوں۔۔۔ کیوں انہوں نے میرے دوستوں کی انسلٹ کی' کیا سمجھتے ہیں خود کو پپا' کیوں انسلٹ کی میرے دوستوں کی؟''

وہ فاروق احمد کے شانے سے لگ کر رو پڑی۔ اپنا لاڈلے اور چھوٹا ہونے کا فائدہ وہ ایسے ہی مواقع پر اٹھایا کرتی تھی۔ فاروق احمد کو بھی عدیل کی بات ناگوار گزری تھی۔ انہوں نے سجل کے آنسو صاف کرتے ہوئے تنبیہی نظروں سے عدیل کو دیکھا۔

''عدیل! بے بی درست کہہ رہی ہے۔ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کی توہین کرنے کا حق نہیں اور وہ بھی ہماری بیٹی کے دوستوں کی' بے بی! چاہو تو ساری یونیورسٹی کو انوائٹ کر لو' ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''تھینک یو پپا!'' اس نے نکھری مسکراہٹ کے ساتھ پپا کی پیشانی پر پیار کیا۔

''سجل بی بی! آپ کی سہیلی آئی ہیں۔''

''میری سہیلی کون ہو سکتی ہے۔'' سجل سوچتی ہوئی گیٹ تک آ گئی۔

'ارے حنا! تم میری جان! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ہو سکتی ہو۔''

حنا کو یوں اچانک اپنے گھر دیکھ کر حیرت اور خوشی سے سجل بے حال ہو کر اس سے لپٹ گئی۔

''آج۔۔۔آج کیسے راستہ بھول پڑیں؟'' وہ حنا کا ہاتھ پکڑے طویل لان عبور کر رہی تھی۔

''تم نے ہی مجبور کیا ہے' نہ یونیورسٹی آ رہی تھیں' نہ فون کیا' کیا آفت ٹوٹ پڑی تھی تم پر؟''

حنا چاروں طرف سجل کی زندگی پر پھیلی امارت آسائش کو دیکھ رہی تھی۔

''بس کیا بتاؤں حنا' ایک ہفتے سے بے حد مصروف ہوں۔''

''ہوں' لگتا ہے' کوئی خوشگوار تبدیلی رونما ہونے والی ہے' ہے ناں؟''

حنا نے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے رُک کر سجل کو دیکھا۔

''ہاں' تم چلو تو سہی اندر۔''

بڑا سا۔۔۔دروازہ عبور کرتے ہوئے سجل' حنا کو لاؤنج میں لے آئی۔

''حنا! یہ میرے پپا ہیں' یہ مما اور یہ فاطمہ اور آمنہ باجی ہیں اور یہ حنا ہے اور میرے لیے کیا ہے آپ لوگ جانتے ہیں۔'' سجل نے سب سے حنا کا تعارف کرایا' مگر عدیل کا نہیں کرایا۔اسے اس پر غصہ جو تھا' اس لیے۔

''ہونہہ! دوست!!'' عدیل برا سا منہ بنا کر اُٹھ گیا۔

''آداب انکل۔۔۔آداب آنٹی!'' حنا نے محبت سے جھک کر دونوں کو آداب کیا۔

''جیتی رہو بیٹی' آؤ بیٹھو' بلکہ تم لوگ بیٹھو' ہم چلتے ہیں۔''

وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔

''ارے نہیں مما! آپ لوگ یہیں بیٹھے رہیں' میں حنا کو اپنے کمرے میں لے جا رہی ہوں۔''

''ہاں' میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر رہے گا بے بی! تم حنا کو لے جاؤ' ہم ابھی آتے ہیں۔''

سجل' حنا کو لے کر اندر آ گئی۔پھر آمنہ اور فاطمہ بھی چائے کے دوران شریک گفتگو ہو گئیں۔حنا بڑی معصوم اور سادہ سی لڑکی تھی۔ان دونوں کو بہت پسند آئی۔

''حنا! آپ لوگ کتنے بہن بھائی ہو؟''

''جی۔۔۔فاطمہ باجی' ہم چار بہنیں اور تین بھائی ہیں۔ایک بھائی اور تین بہنیں شادی شدہ ہیں۔اب میں اور چھوٹے بھائی ہیں۔''

تم جلدی جلدی آیا کرو حنا! اچھا لگتا ہے۔یہ لو کباب۔میں نے بنائے ہیں۔''

آمنہ کا موڈ صبح سے آف تھا۔ سجل نے خدا کا شکر ادا کیا کہ حنا کے ساتھ موڈ درست کر لیا تھا۔

''جی بہت لذیذ ہیں۔میں پہلے ہی دو لے چکی ہوں۔اب چائے پیوں گی۔''

حنا نے چائے کا سپ لیتے ہوئے ان دونوں لڑکیوں کو دیکھا' جو کافی خوش شکل تھیں' مگر نصیب اب تک نہیں کھلے تھے۔

''آمنہ' فاطمہ۔'' نیچے سے عدیل کی آوازیں آرہی تھیں۔

''چلو آمنہ! چلتے ہیں بھئی۔اب آپ دونوں دوست باتیں کریں۔ہم ذرا رات کے کھانے کی تیاری کر لیں۔'' وہ دونوں چلی گئیں تو حنا بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''کتنی پیاری ہیں دونوں' کاش کوئی ان کو سراہنے والا مل جاتا۔''

''چھوڑو حنا! میں تمہیں سب کچھ بتا چکی ہوں پھر کیا فائدہ ایسی لاحاصل باتوں سے۔''

سجل کے چہرے پر دُکھ کے سائے نمایاں ہو گئے۔اسے اپنی بہنوں کا بہت خیال رہتا تھا۔

''ہاں' ہیں تو اب یہ باتیں لاحاصل لیکن سجل! میں اکثر سوچتی ہوں کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جس کی وجہ سے تمہارے والدین نے ان دونوں کی شادیاں نہیں کیں۔بظاہر تو کسی چیز کی کمی نظر نہیں آتی۔کیوں ایسا ہوا؟''

نا کو بڑی کوفت ہوتی تھی یہ سوچتے ہوئے' کیونکہ ہمارے مذہب اور معاشرے میں لڑکیوں کو وقت پر رخصت کر دینا والدین اپنا فرض عین سمجھتے ہیں' پھر ان کے ساتھ ایسا کیا معاملہ ہوا کہ دونوں باپ کی دہلیز پر بالوں میں چاندی اُتار رہی ہیں۔

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہمارا گھرانہ ایب نارمل گھرانہ ہے۔یہاں کچھ بھی نارمل نہیں اور اس کیوں کا جواب تو سوالیہ نشان کی صورت میں اتنی بڑی دیوار بن کر کھڑا ہے کہ اس کو پاٹنا ہمارے اختیار ہی میں نہیں۔''

''تم نے کبھی پوچھا اپنی مما سے؟''

''ہونہہ! کیسی باتیں کرتی ہو حنا۔ہمارے والدین نے ہمارے اختیارات کی حد مقرر کر رکھی ہے اور ہمیں اس حد کو پار کرنے کی اجازت نہیں۔خیر چھوڑو۔اچھی خبر سنو۔راحیل بھائی کی منگنی ہو رہی ہے۔اسی ماہ کے وسط میں۔''

''ہیں واقعی مبارک ہو۔لڑکی کیسی ہے۔کس ایج میں ہے۔''

حنا نے چھوٹتے ہی کئی سوال داغ دیئے تو سجل گہرا سا سانس لے کر رہ گئی۔۔۔اور کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

''میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ ہمارا گھرانہ ابنارمل ہے۔یہاں کچھ بھی نارمل نہیں۔لڑکی مجھ سے بھی تین سال چھوٹی ہے یعنی اٹھارہ سال کی ہے۔''

"ہائے یہ تو زیادتی ہوگی اس کے ساتھ۔ تمہارے راحیل بھائی تو۔۔۔"

"کوئی زیادتی نہیں حنا بی بی! اس لیے ہماری دنیا ہی اور ہے۔ وہ بے حد خوش ہے۔ اتنی کہ بھائی سے زیادہ اسے شادی کی جلدی ہے۔" سجل نے بے دلی سے بتایا۔

"اچھا تو ہم بھی تمہاری اس خوشی میں شریک ہو سکتے ہیں کہ نہیں؟"

"واہ! کیوں نہیں' جس خوشی میں تم لوگ جیسے میرے دوست۔۔۔۔ شریک نہیں۔ وہ خوشی میرے لیے بے معنی ہے۔ سب لوگ آئیں گے۔"

"وہ لوگ بھی؟" حنا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"کون لوگ؟" سجل جان بوجھ کر بات گول کر گئی۔

"اللہ رے یہ بے نیازی۔ وہ نجانے عشق کی کون سی منزل پر ہے اور یہ فرما رہی ہیں کہ وہ کون۔ میں تیمور اور علی کی بات کر رہی ہوں۔"

"پلیز حنا! مت خواب دکھاؤ مجھے۔ میں تو اپنی بہنوں کے ٹوٹے خوابوں کی کرچیوں ہی سے زخم زخم ہو گئی ہوں۔ اپنے خواب ٹوٹ گئے تو مر ہی جاؤں گی۔ میں ایسا کوئی خواب دیکھنا نہیں چاہتی' کیونکہ میں جانتی ہوں کہ میرا انجام بھی میری بہنوں سے مختلف نہیں ہوگا۔"

خوابوں کے ٹوٹ جانے کے خیال سے ہی بہت مایوس اور بکھری ہوئی لگ رہی تھی۔

"خدا نہ کرے سجل! کہ تمہارا انجام بھی ویسا ہو' اللہ کی ذات بہت مہربان ہے۔ مجھے امید ہے۔ تمہارا انجام مختلف ہوگا۔ میرا وہم ہی نہیں مجھے یقین ہے کہ تیمور تمہیں پسند کرتا ہے بہت زیادہ۔"

تیمور کے نام پر بے ساختہ' سجل کا دل دھڑک اُٹھا۔ جب سے شکیل کی شادی پر تیمور سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بارہا تیمور کو سوچا تھا۔ سوچا کیا تھا۔ وہ خود بخود سوچوں کے دریچوں سے اپنی۔۔۔۔ پُروقار شخصیت کے ساتھ دھیمی سی مسکراہٹ زیرلب لیے لبوں پر خاموشی اور آنکھوں میں اَن کہی باتیں لیے چلا آتا تھا' تب اس کے پاس موقع نہیں ہوتا تھا کہ دل کے کواڑ بند کر لے یا پلکوں کی چلمن گرا دے۔ وہ تو بلا اجازت چلا آیا تھا اور وہ روک بھی نہیں سکی تھی۔

"یہ تم کن سوچوں میں کھو گئیں۔ ویسے تو ہر لحاظ سے بہت اچھا ہے۔ ہاں ذرا مار کھا رہا ہے تو اسٹینڈرڈ سے۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے اس کے بارے میں؟" حنا اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تو وہ نظریں چرا گئی۔

"حنا۔۔۔ حنا! میں بہت خوفزدہ ہوں۔ آنے والے وقت سے۔ مجھے بہت خوف آرہا ہے۔ میں بہت وحشت محسوس کر رہی ہوں۔" وہ اپنی دوست' اپنی ہمراز کے سامنے روہانسی ہو گئی۔

"کس سے خوفزدہ ہو' تیمور سے؟"

"نہیں حنا! خود اپنے آپ سے خوفزدہ ہوں۔ ان جذبوں سے خوفزدہ ہوں جو میرے دل کی پتھریلی زمین سے سر اُبھار رہے ہیں۔ میں خوفزدہ ہوں ان دھڑکنوں سے' جو تیمور کا نام لینے لگی ہیں۔ میں خوفزدہ ہوں ان خوابوں سے جو تیمور کے حوالے سے میری آنکھوں میں سجنے لگے ہیں۔ حنا۔۔۔ حنا ایسے

نہیں ہونا چاہئے' ورنہ بہت برا ہو گا۔"

سجل اپنے دل پر گزرتی واردات سے پریشان سی ہو گئی' گزشتہ دنوں اسے تیمور کا اتنا خیال آیا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا سجل اللہ پاک پر بھروسا رکھو انشاء اللہ۔ تم زندگی کی ساری خوشیاں دیکھو گی۔ اچھا یہ بتاؤ کل تو یونیورسٹی آؤ گی ناں؟" حنا اس کے دونوں ہاتھ تھامے پیار سے سمجھا رہی تھی۔

"نہیں حنا! کل تو نہیں۔ کل تو راحیل بھائی کی منگنی کی ڈیٹ رکھنے جائیں گے۔ پرسوں انشاء اللہ ضرور آؤں گی۔"

"اچھا تو پھر میں چلوں۔" حنا اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"رُکو' میں ڈرائیور سے کہتی ہوں' وہ تمہیں چھوڑ آئے۔"

"جی نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں اس کی۔ بی بی! ہم جیسے لوگ ڈرائیوروں کے رحم و کرم پر نہیں ہوتے کہ ڈرائیور ملے تو کہیں نکلنا ہے۔ یہاں سے سیدھی ویگن جاتی ہے اور ہمارے سٹاپ پر رُکتی ہے چلی جاؤں گی۔ بس تم۔۔۔ اپنا خیال رکھا کرو۔ میرے لیے اور۔۔۔" حنا شوخی سے مسکرائی۔

"اور۔۔۔" سجل نے گھورا۔

"اور۔۔۔ اور تیمور کے لیے۔"

"اچھا اب زیادہ پھیلو مت۔ تیمور کے لیے جان نہ پہچان میں تیرا مہمان۔"

کافی دنوں بعد سجل اپنے موڈ میں بولی اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ارے تم جا رہی۔۔۔ ہو حنا' رات کا کھانا کھا کر جاتیں۔ ڈرائیور چھوڑ آتا ناں۔" فاطمہ نے بڑی محبت سے کہا۔

"نہیں شکریہ باجی! بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"اچھا تو جلدی جلدی آیا کرو۔ بہت اچھا لگا تمہارا آنا۔"

آمنہ اور فاطمہ زیادہ بیٹھی نہیں تھیں' مگر پھر بھی کسی اور کا گھر میں آنا بہت اچھا لگا تھا۔

حنا کے ساتھ سجل کا کچھ وقت خوشگوار گزر گیا تھا۔ حنا سوچ کے نئے راستے کھول گئی۔ جذبوں کو ہوا دے گئی تھی وہ خوش کن خیالوں کی وادی میں کھو گئی۔

فاطمہ اور آمنہ ٹیرس پر ٹہلنے لگیں۔

"آمنہ! کیا سوچ رہی ہو۔ میں نے کتنی باتیں کی ہیں' مگر تم نے جواب ہی نہیں دیا۔" فاطمہ نے چلتے ہوئے کئی باتیں کہیں' مگر آمنہ جانے کن خیالوں میں تھی کہ جواب نہیں دیا تو وہ رُک کر پوچھنے لگی۔

"میں سوچ رہی ہوں باجی! کہ آئندہ ہمارا کیا مستقبل ہو گا؟"

آمنہ ٹیرس پر رکھی کین کی کرسی پر گر سی گئی۔

”کیوں کیا ہونے لگا ہمارے مستقبل کو؟ بس جیسا ہے ویسا ہی رہے گا۔“

”باجی! یا تو آپ واقعی بہت بڑے دل گردے کی مالک ہیں یا پھر واقعی حالات کی سنگینی کو نہیں سمجھتی ہیں۔ سوچا ہے آپ نے کہ اب بھائی کی شادی ہو جائے گی۔ ہمارا کیا مقام ہو گا گھر میں۔ ہر لڑکی کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے۔ شہرین اپنے شوہر کے گھر یہاں آجائے گی تو ہمارا وجود اسے کانٹے کی طرح چبھے گا۔ شہرین تو ہے بھی پٹاخہ۔ سچ باجی آج سے پہلے کبھی میں اپنے مستقبل کے لیے اتنا پریشان نہیں ہوئی جتنا اب ہونے لگی ہوں۔ کیا ہو گا ہمارا۔ تمام عمر ہم اسی طرح گزار دیں گے۔ اس گھر کی حفاظت اور اس کے مکینوں کی خدمت میں۔“ آمنہ کا شکستہ لہجہ حسرتوں سے ٹوٹ رہا تھا۔

”دیکھو آمنہ! میں انسان ہوں۔ پتھر نہیں ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں نے اپنی تقدیر سے سمجھوتہ کر لیا ہے اور یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ جن خوشیوں کے ہم لائق نہیں تھے۔ وہ ہمیں نصیب نہیں ہوئیں۔ تو جن کے مقدر میں ایسی خوشیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھے۔ یہ گھر بھی ہمارا ہے اور اس کے لیے اگر ہم کچھ کرتے ہیں تو کسی پر کیا احسان اور اس کے مکینوں کی اگر ہم خدمت کرتے ہیں تو یہ لوگ کوئی غیر تو نہیں ہمارے اپنے ہیں۔ اور رہا شہرین کا سوال تو خاصی تیز لڑکی ہے' لیکن ہمارا اس کا مقابلہ ہی کیا۔ جیسے رہے گی' ویسے ہم لوگ رہیں گے۔ بس ساری بات یہ ہے کہ انسان کو اپنی نیت درست رکھنی چاہئے۔ اللہ بہتر کرے گا۔ فکر مند کیوں ہوتی ہو۔“

فاطمہ نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں اسے سمجھایا' مگر آمنہ کے سامنے ان کا مستقبل ایک عبور نہ ہونے والی دیوار کی مانند تھا جس کے آگے پیچھے کچھ نہیں تھا۔

آج کتنے دن بعد وہ یونیورسٹی آئی تو فضا بہت نکھری ہوئی تھی۔ ہر شے پر بہار ہو رہی تھی۔ قطار در قطار پھولوں کی کیاریاں بہت دلکش لگ رہی تھیں۔ ہلکے ہلکے بادلوں کے ساتھ قدرے تیز ہوا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ ہر طرف قدرت کے نظارے بکھرے ہوئے آج اسے ہمیشہ سے زیادہ اچھے لگ رہے تھے۔ وہ ہر چیز میں نیا پن محسوس کر رہی تھی۔ واقعی کچھ بدل گیا تھا یا وہ اندر سے بدل گئی تھی۔ سوچوں کی کئی راہیں کھل گئی تھیں۔

”یہ ہماری یونیورسٹی بھی کتنی خوبصورت جگہ ہے حنا۔ سچ میرا بس چلے تو تمام عمر یہیں بسر کر دوں۔“ وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے لان میں گھاس پر بیٹھتے ہوئے گہرا سانس لے کر بولی۔

”یونیورسٹی کی دیوانی۔ صبح سے پیریڈ لے لے کر حشر خراب ہو گیا۔ کچھ کھانا پینا نہیں' جو یہاں پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی ہو۔ چلو اُٹھو۔“ حنا کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔ ویسے بھی صبح سے مسلسل پیریڈ ہو رہے تھے۔

”کہاں کی تیاری ہے بھئی؟“ آصف' حسن اور ماریہ بھی آ گئے۔

”جہنم میں۔ چلئے گا؟“ حنا کو اس وقت ان کی آمد زہر لگی۔

”جی نہیں! آپ جائیے وہاں اپنے رشتہ داروں کو میرا سلام کہئے گا۔ میں تو چلا اپنی جنت یعنی اردو ڈیپارٹمنٹ۔“ حسن نے بائیک کی چابی انگلی پر گھماتے ہوئے شوخی سے کہا' تو سجل اس کے قریب آ گئی۔

"بائی داوے اردو ڈیپارٹمنٹ کی ترقی کب ہوئی؟ جنت کب سے ہو گیا؟"

"بھئی جب سے وہاں حوریں آئی ہیں تب سے۔" حسن مستقل مسکرا رہا تھا۔

"یہ چکر کیا ہے۔" سجل کو کھد بد ہونے لگی۔ کیونکہ وہ حسن اور آصف کو اچھی طرح جانتی تھی۔ بہت اچھے اور سلجھے ہوئے لڑکے تھے۔ فلرٹ نہیں البتہ وہ کسی کے لیے سنجیدگی سے ضرور سوچ سکتے تھے۔ اور وہ یہ ہی معلوم کرنا چاہتی تھی۔

"چکر کیا ہونا ہے سجل۔ ایک روز ہم انگلش ڈیپارٹمنٹ جا رہے تھے۔ تمہیں پتا ہے راستے میں اردو بھی آتا ہے تو بس جی ہمارا گزر وہاں سے ہوا تو ڈاکا پڑ گیا۔ اس ڈاکے میں بے چارا حسن لٹ گیا۔"

"آپ تو بچ گئے ناں؟"

"ہاں خدا کا احسان ہے کہ میں پورے کا پورا بچ گیا۔"

"اچھا باتیں نہ بناؤ۔ یہ بتاؤ۔ چور کا تاریخ جغرافیہ کیا ہے۔ نام و نسب کیا ہے۔ کیا چور واقعی اس قابل ہے کہ اس کی خاطر مجنوں بنا جائے؟" تینوں لڑکیاں متوجہ ہو گئیں۔

"ہائے اللہ مجھ سے نہ پوچھو۔ مجھے تو لاج آئے جا رہی ہے۔ آصف تم ہی بتاؤ ناں۔"

حسن نے جیب سے رومال نکال کر اس کا کونا دانتوں میں دبایا۔

"بھئی لڑکیو! چور کا نام فائزہ شوکت ہے اور بلاشبہ حسین لڑکی ہے لیکن خاصی مغرور ہے۔ ان موصوف کو خاصی محنت کرنا پڑے گی۔" آصف نے مختصراً سب کچھ بتا دیا۔

"خیر حسن' اگر مغرور نہ ہو تو ادھورا رہتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے سچے جذبے اس کے غرور کا سر قلم کر دیں گے اور۔۔۔ وہ۔۔۔"

"حسن! تم صرف اس کی انا کی خودداری کو ختم کرنا چاہتے ہو یا واقعی اس کے لیے سیریس ہو؟" جانے کیوں سجل کو یہ خیال آیا کہ عام طور پر لڑکے کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں۔ اگر وہ لفٹ نہ کرائے تو اسے جھکانے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اور یہ بات اسے قطعی پسند نہیں تھی۔

"بہت افسوس ہوا سجل یہ سن کر۔ کیا تین سال کی دوستی میں تم ہمیں اس حد تک سمجھ سکی ہو۔ میں ان چھچھوری حرکتوں سے نفرت کرتا ہوں۔ کجا خود کروں گا میرے لیے عورت محترم ہے۔ خواہ وہ سجل ہو' حنا ہو یا فائزہ۔"

حسن کا اچھا خاصا موڈ آف ہو گیا۔ اسے واقعی افسوس ہوا تھا کہ سجل نے اس کے بارے میں اس انداز سے سوچا ہے۔

"آئی ایم سوری حسن! تم لوگوں کو کیا سمجھتی ہوں کیسا سمجھتی ہوں۔ کیا تم لوگوں سے میری دوستی اس بات کی دلیل نہیں کہ میرے دل میں تم لوگوں کا کیا مقام ہے۔ میں نے یونہی ازراہِ مذاق پوچھ لیا تھا۔ تمہیں برا لگا تو ویری سوری۔" سجل شرمندہ لہجے میں بولی۔

"ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ ہماری ایک بھابی کا انتخاب ہو چکا ہے۔ ہمیں دیدار کب کرائے جائیں گے۔" حنا اور سجل' حسن کا موڈ درست کر رہی تھیں۔

"فی الحال تو مشکل ہے۔ پتا ہے وہ محترمہ بہت اکھڑ ہیں۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتیں۔"

"تو نہ بیٹھنے دے مکھی کو۔ ہم مکھا بٹھادیں گے اس کی پیاری سی نکیا پر۔ کیوں حسن بھائی۔" سجل نے کچھ ایسے کہا کہ حسن ہنس پڑا۔

"اچھا بابا اپنے اپنے دھندوں پر لگو۔ جائو اپنی ہیروں کو منائو۔ میرے تو پیٹ میں چوہوں کا میچ ہو رہا ہے۔ آئو سجل چلیں اس سے قبل کہ کسی اور کا عشق نمودار ہو۔" حنا' سجل کا ہاتھ پکڑ کر بھاگی۔

"مس سجل۔ مس حنا۔ میری بات سنئے۔"

پیچھے سے علیم الدین کی آواز آئی تو دونوں مڑ کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"علیم الدین صاحب! آپ کو پتا ہے پیچھے اس طرح کون بھاگتا ہے اور زبان اندر کریں۔ بالکل وہی لگ رہے ہیں۔" حنا کو اس وقت علیم پر ٹوٹ کر غصہ آیا۔

"دیکھئے مس سجل! یہ مجھے کتا کہہ رہی ہیں۔"

علیم الدین نے پھولی سانسوں کے دوران سجل سے حنا کی شکایت کی۔

"جھوٹ مت بولیے۔ میں نے آپ کو ہر گز کتا نہیں کہا۔ ویسے بھی مجھے کتے سے کوئی دشمنی نہیں۔" بھوک کی لہر حنا کے دماغ میں چڑھ گئی تھی۔ وہ بولے گئی۔

"ویسے علیم الدین اس نے آپ کو کتا کہا تو نہیں۔" سجل نے بھی حنا کی تائید کی۔

"مس سجل! میں بہت ذہین ہوں۔ دیکھ لیجئے انہوں نے نام بھی نہیں لیا اور میں سمجھ گیا۔" علیم الدین اپنی ذہانت پر اِترائے۔

"یہی ذہانت اگر گزشتہ دس برسوں میں سے کسی ایک برس میں آپ نے استعمال کی ہوتی تو شاید یہ عذاب ہم پر نازل نہ ہوتا۔"

"آپ تو ناحق خفا ہوئی جارہی ہیں۔ میں تو ایک اچھی خبر سنانے آیا تھا آپ لوگوں کو۔"

"ارے اسے چھوڑیئے علیم الدین مجھے بتایئے۔ کیا خبر ہے؟" سجل کو ان کی اُتری ہوئی شکل پر ترس آ گیا۔

"وہ۔۔۔ وہ ناں میری بات کچی۔۔۔ لاحول ولا قوۃ۔۔۔ میرا مطلب ہے میری بات پکی ہوگئی ہے۔" علیم الدین کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"ذرا دھیان سے بدن کی ٹہنی چیخ نہ جائے۔ ویسے وہ بدنصیب ہے کون؟" حنا نے اس جلے بھنے انداز میں کہا۔

"وہ میری خالہ زاد ہوتی ہیں۔" وہ ایک بار پھر شرما گئے۔

"پھر تو ٹھیک ہے۔ اس قسم کی قربانیاں رشتے دار ہی دیا کرتے ہیں' پھر بھی بیچاری۔"

بھوک سے حنا کا برا حال تھا اور علیم الدین کمبل ہوئے جارہے تھے۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔ آپ ان کو دیکھیں گی تو مجھے بے چارا کہیں گی۔"

"ویسے تو آپ نے درست کہا۔۔۔۔ کہاں ہے ہماری ٹریٹ۔"

"یہ رہی۔ میں اسی لیے تو آپ لوگوں کے پیچھے آیا تھا کہ آپ دونوں کو ٹریٹ دے سکوں۔ یہ دیکھئے اس کا بندوبست بھی کر کے آیا ہوں۔"

علیم الدین نے جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر دکھایا تو حنا کی آنکھیں پھیل گئی۔

"اللہ جی! اتنا بڑا نوٹ جیب میں رکھ کر آپ فوت نہیں ہوئے۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا چلئے کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔ قسم سے اتنی بھوک لگی ہے کہ حد نہیں۔"

علیم الدین' سجل اور حنا لائبریری کے سامنے لان میں بیٹھ گئے۔

"یار علی! تم بھی وہی دیکھ رہے ہو' جو میں دیکھ رہا ہوں۔"

تیمور کی نگاہیں کاہی کلر کے سوٹ میں ملبوس سجل پر جمی تھیں۔ کتنے دنوں بعد دیکھا تھا اُسے۔

"ہاں یار! بڑی مظلوم مخلوق ہیں یہ گدھے بھی۔ دیکھو ناں کتنا مار رہا ہے اس کا مالک اسے۔" علی کی نظریں دُور جاتے گدھے گاڑی والے پر تھیں۔

"کبھی تو اپنی برادری پر سے نظریں ہٹا لیا کرو۔ وہ ادھر دیکھو۔" تیمور نے ہاتھ سے اس کا سر لان کی جانب کیا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ کتنا خیال ہے اپنی برادری کا۔ لیکن یہ مچھر تمہاری برادری میں کب سے شامل ہو گیا۔"

علی نے سجل کے پاس بیٹھے علیم الدین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"علیم الدین ہے۔ وہی' بھول گئے۔"

"نہیں یار! یاد آیا چلو آؤ ذرا تھوڑا سا شغل ہی ہو جائے۔"

علی کے شوخ ذہن میں ڈھیروں شرارتیں کلبلانے لگیں۔ دونوں مسکراتے ہوئے انکی طرف بڑھے۔

☆...☆...☆

طلال بیٹے! میں شرمندہ ہوں کہ تمہیں خود بلایا۔ حالانکہ یہ کام تمہارا تھا اور تمہیں خود یہ سوچنا چاہئے تھا' لیکن میں نے مجبور ہو کر اس لیے بلایا تاکہ بات آر پار ہو جائے۔"

سحر کی والدہ نے طلال کو بلا تو لیا تھا بات کرنے کے لیے' لیکن اب ان کو خود اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسی لیے انہیں تھوڑا سا غصہ آ گیا۔ طلال سر جھکائے نادم سا بیٹھا تھا۔

''میں آپ کی کیفیت کو خوب سمجھ رہا ہوں اور میں نادم ہوں کہ چاہنے کے باوجود میں پہل نہ کر سکا' لیکن میں آپ پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں سحر کے لیے بے حد سیریس ہوں۔''

''وہ بھی تمہارے لیے سیریس ہے بیٹا! اسی لیے تو میں چاہتی ہوں کہ کوئی فیصلہ ہو جائے۔ دراصل ہم ان والدین میں سے نہیں کہ جو اپنی خودداری اور بے جا انا پر اولاد کی خوشیاں قربان کر دیں۔ جبکہ اولاد بھی لائق اور فرمانبردار ہو۔ مجھے اس لیے بھی جلدی۔۔۔۔ ہے کہ سحر گھر میں بڑی ہے اور اس کے تایا اپنے بیٹے کے لیے خالہ ماموں اپنے بیٹوں کے لیے' بس بیٹا جس گھر میں جوان لڑکا ہے' ان کی خواہش ہے۔ ڈاکٹر لڑکی ان کی بہو بنے۔ اب یہ ایسے گھرانے ہیں کہ کسی ٹھوس وجہ کے بغیر انکار بھی نہیں کر سکتے اور سحر کیا چاہتی ہے۔ یہ بھی میں جانتی ہوں۔ اس لیے بیٹا مجھے جلد ہی کوئی نہ کوئی جواب چاہئے تاکہ میں ان لوگوں کو انکار کر سکوں۔''

بیگم زمان نے بڑے واضح الفاظ میں صورت حال واضح کر دی۔ وہ کیا کرتیں۔ وہ بھی تو مجبور تھیں۔ رشتے داری کا معاملہ تھا۔ کیسے بے وجہ انکار کرتیں۔ طلال بھی اچھا لڑکا تھا اور سب سے بڑھ کر سحر کی پسند تھا' اس لیے وہ ان کو موقع دینا چاہتی تھیں۔

''ٹھیک ہے آنٹی! میں انشاءاللہ جلد ہی آپ کو اس سلسلے میں جواب دوں گا' لیکن پلیز آپ جلدی مت کریں۔ میں انشاءاللہ جلد امی کو لے کر آؤں گا اور اللہ نے چاہا تو آپ کو اپنے رشتے داروں کے سامنے میرے سلسلے میں شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔''

طلال اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے نہیں بیٹا! ماشاءاللہ تم قابل جوان ہو۔ سعادت مند بیٹے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میری سحر کا انتخاب ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے ہم ہچکچائیں یا پچھتائیں۔ ہاں اگر میری کوئی بات ناگوار گزری ہو تو۔۔۔۔!''

طلال نے سحر کو دیکھا' جو اس تمام عرصے میں اب آئی تھی اندر۔ تمام راستہ طلال خود کو کوستا رہا۔ اب تک اس نے اس سلسلے میں ٹھوس قدم کیوں نہیں اٹھایا۔ واقعی پریشانی تو لڑکی اور لڑکی کے گھر والوں کو ہوتی ہے۔ اس نے آتے ہی سارا احوال رابعہ بیگم سے کہہ دیا۔

''لیکن بیٹا! تم نے اس سے قبل کبھی سحر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''لیکن امی میں نے کبھی فائزہ کے لیے بھی پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ ویسے بھی میری اور فائزہ کی سوچ میں ہم آہنگی نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ شادی صرف ذہنی ہم آہنگی سے کامیاب ہو سکتی ہے اور رہی بات سحر کے بارے میں بتانے کی۔ تو میں ایک تو جھجکتا رہا۔ دوسرا یہ بھی خیال تھا کہ دونوں پڑھ لیں۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں تو اس بات کو اوپن کیا جائے۔ اب جو صورتحال ہے' وہ میں نے آپ کو بتادی ہے کہ میں اور سحر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ ہم میں بہت ذہنی ہم آہنگی ہے۔ میں سحر ہی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

اس نے ہچکچاتے ہوئے سب کچھ کہہ دیا تو رابعہ بیگم چپ سی ہو گئیں۔ کیونکہ وہ آسیہ بیگم کا جھکاؤ جانتی تھیں کہ وہ فائزہ کے لیے طلال کا رشتہ چاہتی ہیں۔

''امی! آپ کو فائزہ بہت پسند ہے کیا؟''

طلال اُٹھ کر ان کے قریب آگیا۔ وہ ماں کو بھی ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"ہاں بیٹا! فائزہ مجھے بحیثیت بیٹی بہت پسند ہے' پیاری ہے مگر بحیثیت بہو نہیں' کیونکہ وہ اپنے آپ میں رہنے والی لڑکی ہے اور جو لڑکی خود پسند ہو' وہ گھر کا خیال کیسے رکھ سکتی ہے اور کچھ آسیہ بیگم نے اس کی تربیت اس طرح کی ہے۔ خیر چھوڑو جب کرنا ہی نہیں تو باتیں بنانے سے کیا فائدہ۔"

"پھر امی!" طلال ماں کے شانے دبانے لگا۔

"پھر یہ کہ میں انشاء اللہ جلد ہی سحر کے گھر جاؤں گی۔"

رابعہ بیگم نے پیار سے اپنے قابل بیٹے کو دیکھا۔

"اوہ تھینک یو امی جان! میں تو سمجھ رہا تھا کہ نجانے اس سلسلے میں مجھے کتنے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

طلال نے ہاتھ اُٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا' ورنہ وہ بہت دباؤ کا شکار ہو رہا تھا۔

☆...☆...☆

اس کی چوٹ کے بعد حالات بہت سنگین ہو گئے تھے۔ مشتاق احمد اور فیاض احمد کا حتمی فیصلہ تھا کہ اب ہم ایک ساتھ نہیں رہیں گے۔ شوکت صاحب خاموش ہو گئے اور بھائیوں کے مطالبے پر بزنس بھی الگ الگ کر دیا اور گھر جس میں برسوں سے ایک ساتھ رہ رہے تھے' مشتاق احمد کے اصرار پر بیچ دیا۔ سب نے اپنے اپنے گھر الگ لے لیے تھے۔ اب مسئلہ نسیمہ بیگم اور ان کے بچوں کا تھا۔ شوکت احمد کے بس میں ہوتا تو وہ تمام عمر اُن کو اپنے پاس رکھتے' مگر آسیہ بیگم ساتھ رکھنے کی روادار نہیں تھیں۔

"تو پھر یہ ہی ہو سکتا ہے کہ نسیمہ بیگم اور بچے ایک ایک یا دو دو ماہ ہر کسی کے ہاں رہیں۔" یہ تجویز شوکت صاحب کی تھی۔

"ہرگز نہیں! ہمارے پاس اتنا فالتو پیسہ نہیں کہ لٹاتے رہیں۔ ایک نہ دو اکٹھے پانچ لوگ ہیں۔ ہم سے تو یہ ذمہ داری نہیں نبھ سکتی۔" زاہدہ بیگم انتہائی سفاکی سے بول رہی تھیں۔

"تو پھر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے۔ اب جوان لڑکیوں کے ساتھ باجی کو تنہا بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

وقت نے نسیمہ بیگم کو دوسروں کے سروں پر اس طرح مسلط کر دیا تھا کہ لوگ ان سے بیزار ہو گئے تھے۔ نسیمہ بیگم گھر میں ہونے والی تبدیلیوں اور اپنے بارے میں ہونے والی باتوں' بے زاریوں سے بھی آگاہ تھیں' مگر کیا کرتیں۔ خاموشی کا قفل لبوں پر لگائے فیصلے کی منتظر تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ اس بوجھ کو بانٹ لیا جائے' تا کہ کسی پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔"

"یعنی!" سب تجویز کنندہ زاہدہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"یعنی یہ کہ سب ایک دو افراد کو اپنے پاس رکھ لیں۔ اسی طرح توازن رہ سکتا ہے۔"

"ویسے یہ بھی مناسب بات ہے۔ ٹھیک ہے۔ ایسا ہے تو شذرا اور نسیمہ بیگم میرے ساتھ رہیں گی۔"

شوکت صاحب نہیں چاہتے تھے کہ شنذرا ان دونوں میں سے کسی کے پاس رہے۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو شنذرا کو ایک پل بھی ساتھ رکھنے کو تیار نہیں۔''

آسیہ بیگم نے شنذرا کو رکھنے سے صاف انکار کر دیا۔

''شنذرا اور فرخ ہمارے ساتھ رہیں گے۔''

اس آواز پر سب دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☆...☆...☆

اس آواز پر مڑ کر سب نے دیکھا تو اسد اپنے فیصلے کی سختیاں چہرے پر لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ مشتاق صاحب اور زاہدہ بیگم کو بیٹے کی یہ بات قطعی پسند نہیں آئی۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو اسد بیٹا! میں اسی سے تو چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ ڈائن ہے پوری' اور میری جان کے پیچھے تو ہر وقت پڑی رہتی ہے' نہیں چندا! میں اس چیز کو رکھنے پر تیار نہیں' ہاں کہو تو صدف یا زیب کو رکھ لیتے ہیں۔ یہ لوگ پھر قابو میں آجاتی ہیں' لیکن شنذرا نہیں۔''

زاہدہ نے یوں کہا جیسے وہ تینوں بے جان چیزیں ہوں' جن کو وہ اپنی پسند یا مرضی سے رکھ لیں یا دھتکار دیں۔

''اسد تمہاری امی درست کہہ رہی ہیں' ہم اس جیلس لڑکی کو ہرگز نہیں رکھیں گے۔ یہ شوکت بھیا کی لاڈلی ہے۔ ان ہی کے پاس رہے۔''

مشتاق صاحب نے بھی بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی' مگر اسد اڑا رہا۔

''امی' ابو! آپ لوگوں نے ہمیشہ میری ضد پوری کی ہے اور یہ بھی میری ایک ضد ہے' آپ لوگوں کو پوری کرنا پڑے گی۔ بس شنذرا یہیں ہمارے پاس رہے گی' اور فرخ بھی۔''

اسد نے بچپن والے اٹل اور ضدی لہجے میں کہا تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے' کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اپنی ضد کا کتنا پکا ہے' چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی دونوں کو اسد کے اس فیصلے پر راضی ہونا پڑا۔

''چلئے جی فیصلہ۔۔۔ ہوا کہ شنذرا اور فرخ ہمارے پاس رہیں گے۔ زیب اور نسیمہ باجی شوکت بھیا کے پاس اور فیاض کے پاس صدف رہے گی۔''

اعلانیہ انداز میں بولتے ہوئے مشتاق صاحب نے یوں بٹوارا کیا گویا نیلامی میں پسندیدہ من چاہا سامان اٹھایا جاتا ہے' اس طرح نسیمہ بیگم اور ان کے جگر گوشوں کی تقسیم ہو رہی تھی۔

''ہاں۔۔۔ میرے خیال میں یہ انتہائی مناسب ہے' اس طرح ہم تینوں میں سے کسی پر زیادہ بوجھ بھی نہیں پڑے گا اور فرض کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔''

فیاض کو یہ تقسیم بہت پسند آئی تھی' ویسے بھی صدف کی ٹھنڈی طبیعت کی وجہ سے سب ہی اسے پسند کرتے تھے اور عمرانہ کو بھی صدف پسند تھی' اس

لیے وہ صدف کی ذمے داری قبول کرنے پر خوشی سے رضامند ہو گئے۔

''تو پھر ایسا کریں نسیمہ باجی کو بلا کر صورتحال سے آگاہ کر دیں۔''

فیاض' نسیمہ بیگم کو بلانے کے لیے اُٹھے' مگر شوکت صاحب' جن کو اس ساری صورتحال نے بہت مایوس اور بددل کر دیا تھا' وہ تو اس گھر میں سب کے ساتھ رہنا چاہتے تھے' مگر حالات نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ ان کو باپ کی نشانی یہ گھر بیچنا پڑا۔ بیوہ بہن کی بربادی پر وہ سب سے زیادہ دلبرداشتہ تھے اور اب تو مزید ہو گئے تھے۔

''رہنے دو اس بدنصیب کو کیا بتانا ہے۔ اس نے کیا انکار کرنا ہے' بس اسے اس کی اولاد کی تقسیم کے بارے میں بتا دو۔ اس کی کیا مجال کہ کچھ کہہ سکے۔ تم لوگوں کے فیصلے سے انحراف کر سکے۔'' شوکت صاحب غصے میں اُٹھ کر باہر چلے گئے۔ ان کی بات پر سب کا منہ بن گیا۔

''ہونہہ! شوکت بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دشمن ہیں باجی کے اور ان کے بچوں کے' وہ ہم سب کی ذمہ داری ہیں اور ہم سب نے ان کا خیال رکھا ہے ہمیشہ۔'' مشتاق صاحب کو شوکت صاحب کی بات بہت بری لگی۔

''بھاڑ میں جائیں ایسی ذمہ داریاں' جو بوجھ بن جائیں' ناگوار بوجھ۔''

زاہدہ بیگم نے نفرت سے انتہائی برا سا منہ بنا کر کہا۔ ان کو تو اس بات پر غصہ تھا کہ اسد نے شذرا اور فرخ کو اپنے پاس رکھا ہے۔ نسیمہ بیگم کو بھی اس فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ وہ دل تھام کر بے بسی سے بس بھائیوں اور بھابیوں کو دیکھ کر رہ گئیں کہ وقت نے آج یہ دن دکھایا کہ ان کی اولاد جیتے جی بانٹی جا رہی تھی۔ گوشت کو ناخنوں سے جدا کیا جا رہا تھا۔

''کاش مراد! میں بھی آپ کے ساتھ ہی مر گئی ہوتی' تو آج یوں میری آنکھوں کے سامنے میرے بچے مجھ سے جدا نہ ہوتے۔ یااللہ! یہ میں نے ایسی کون سی خطا کی تھی' جس کی اتنی کڑی سزا مل رہی ہے مجھے۔''

ممتا کتنی ہی صابر اور ضبط کیوں نہ رکھتی ہو' اولاد کی جدائی اس کے لیے سوہانِ رُوح ہوتی ہے اور وہ تو شروع سے حرماں نصیب رہی تھیں۔ پہلے شوہر کی جدائی' پھر بیٹے کی' جو اگر اب ہوتا تو وہ یوں بیٹیوں کے ساتھ بھائیوں پر بوجھ نہ بنتیں۔ آج وہ بہت دلگیر سی ہو رہی تھیں۔ زیب ان کے قریب آ گئی۔

''امی! یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔ خود ہی تو کہا کرتی ہیں کہ یہ ہمارا امتحان ہے۔ آزمائش کا دور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے' تو اب خود کیوں بے حوصلہ ہو رہی ہیں۔''

''کیسے بے حوصلہ نہ ہوں میں' میرے بچے محض روٹی کے ٹکڑے اور چھت کے سائے کی خاطر مجھ سے چھینے جا رہے ہیں۔ بٹوارا ہو رہا ہے میری اولاد کا۔ کیا کوئی ماں اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو یوں بکھرا ہوا دیکھ سکتی ہے؟''

''خدا کے لیے امی! اس طرح مت کریں۔ ہم لوگ تو زندہ ہی آپ۔۔۔۔۔۔۔ کے حوصلے پر ہیں۔ اگر آپ نے بھی ہمت ہار دی تو۔۔۔ اور پھر ظاہر ہے ہم لوگ اتنے سارے ہیں۔ کوئی ایک تو ہمارا بوجھ اٹھانے سے رہا۔ بوجھ بانٹ لیا جائے تو زندگی آسان ہو جاتی ہے اور پھر ہم پر پابندی تھوڑی ہو گی کہ ہم مل نہیں سکیں گے۔ ہم روز ملا کریں گے' صدف تو چھوٹے ماموں کے پاس رہے گی۔ ان کا گھر تو بڑے ماموں کے قریب ہی ہے' اب رہا شذرا اور فرخ کا

سوال تو دونوں بہن بھائی آجایا کریں گے' بس میں بیٹھ کر۔"
امی کا سر ساتھ لگائے زیب ان کو تسلیاں دے رہی تھی' مگر خود اپنے آنسو بڑی خاموشی سے پی رہی تھی۔اُسی وقت دروازہ دھماکے سے کھلا اور شذرا آندھی طوفان کی طرح اندر آئی۔
"ہرگز نہیں! قطعی نہیں!! میں مر جائوں گی مگر امی میں مشتاق ماموں کے گھر نہیں رہوں گی' یہ اسد۔۔۔۔میں جانتی ہوں اس نے یہ فیصلہ کیوں کیا ہے۔صرف مجھے جلانے کے لیے۔ہر وقت ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ دے کر اپنے آپ کو خوش کرنا چاہتا ہے' نہیں امی میں نہیں رہوں گی ان کے ہاں۔"
شذرا جنونی انداز میں چیخ رہی تھی۔
"پھر کہاں رہو گی میری بچی؟ یہ ذلت تو ہمارے مقدر میں لکھی گئی ہے۔" ایک عرصہ بعد نسیمہ بیگم نے شذرا کو ساتھ لگا کر پیار کیا۔
"امی! ہم بڑے ہو گئے ہیں۔ہم الگ رہیں گے۔اپنا گھر لے کر۔ہم سب جاب کر لیں گے' مگر ان کے ساتھ نہیں رہیں گے۔۔۔پلیز۔۔۔" شذرا نے بھیگی پلکوں سے ماں

کا تر چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔
"شذرا! ہم سب کہاں یہ چاہتے ہیں' مگر میری جان یہ بھی ممکن نہیں جو تم کہہ رہی ہو۔پتا ہے ہمارے پاس نہ اچھی تعلیم ہے نہ ٹھکانا۔تمہارا کیا خیال ہے کہ جاب کا مل جانا آسان ہے' ارے آج کل تو اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو جاب نہیں ملتی' کون دے گا جاب۔اور پھر ہماری ماں میں اتنی ہمت نہیں کہ مرد کے بغیر ہمیں لے کر الگ رہیں اور لوگوں کی باتوں کے طوفان سے محفوظ رکھیں۔ہمیں یہ زہر ہر حال میں پینا ہے شذرا۔ہر حال میں۔"
زیب کی باتوں سے شذرا خاموش ہو گئی' مگر اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔اس نے سختی سے اپنے آنسو صاف کیے اور کھڑی ہو گئی۔
"ٹھیک ہے باجی! یہ زہر پینا ہی ہمارا مقدر ہے تو پھر ٹھیک ہے' میں بھی ہر قسم کے حالات کے ساتھ مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔"
شذرا کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور لہجے میں عجیب سی پختگی اور سختی تھی۔انداز بڑے جارحانہ تھے۔اس سے قبل کہ زیب یا نسیمہ بیگم اسے کچھ سمجھاتیں' وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔شام کو جب سب الگ الگ سمتوں کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو سب ہی خاموش تھے۔شوکت صاحب بہت افسردہ نظر آ رہے تھے۔البتہ ان سب کی بیگمات از حد خوش تھیں' جو ایک عرصے سے چاہ رہی تھیں' وہ یوں اچانک ہو گیا۔نسیمہ بیگم کا دل تو درد سے پھٹا جا رہا تھا۔انہوں نے دو روز سے کچھ نہیں کھایا تھا۔اب قدم اُٹھانا محال ہو رہا تھا۔صدف اور فرخ ماں سے لپٹ کر رو دیئے' مگر شذرا قریب نہیں گئی اور نہ ہی اس نے امی کی طرف دیکھا۔وہ چہرے پر سختی لیے مضبوطی سے کھڑی تھی۔وہ ان کھوکھلے لوگوں پر خاص کر اسد پر اپنی کوئی کمزوری ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔
"شذرا میری جان' تو اپنی امی سے نہیں ملے گی۔خیال رکھنا بیٹے! اصل امتحان تو اب شروع ہوا ہے ہمارا۔"
نسیمہ بیگم خود شذرا کی طرف بڑھیں اور اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے اسے ساتھ لگا لیا۔شذرا کے اندر ایک طوفان سا اُٹھا' اس کا جی چاہا پھٹ پڑے'

آتش فشاں کی طرح بپھر جائے اور اس لاوے میں یہ کم ظرف لوگ بھی بہہ جائیں' مگر اس کی کوئی بھی جنونی سوچ پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

"ارے باجی! آپ تو یوں رو رہی ہیں' گویا ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہی ہوں۔"

"خدا نہ کرے زاہدہ! کہ کسی ماں کے بچے ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہوں۔" زاہدہ بیگم نے زہر خند لہجے میں کہا تو نسیمہ بیگم تڑپ اٹھیں۔ شذرا نے آہستگی سے ماں کو الگ کیا۔

"جی امی! ہم لوگ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ ہمیشہ کے لیے تو۔"

شذرا نے ایک نظر زاہدہ اور ساتھ کھڑے اسد پر ڈالی' جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے لاپروائی سے چیونگم چباتا ہوا اسے زہر لگ رہا تھا۔ پھر اس نے ماں کے ہاتھ چومے۔ زیب کو دیکھا' جو صبر و ضبط کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ شذرا ڈگمگانے لگی' مگر اس نے فرخ کا ہاتھ پکڑا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ زیب نسیمہ بیگم کو پکڑ کر دوسری گاڑی کی طرف لے آئی۔

"سیدھا اپنے گھر چلنا ہے ناں؟" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر شعیب نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ زیب نے فوراً منہ دوسری طرف کر لیا۔ وہ مسکرا پڑا۔

"نہیں بیٹا! رابعہ بھابی نے کھانا بنایا ہوگا' وہاں چلنا ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پہلے زیب اور پھپھو کو گھر چھوڑ دیتے ہیں۔ اتنا سامان پھیلا ہوا ہے کچھ تو جگہ بنائیں گی بیٹھنے کھڑے ہونے کے لیے۔" دراصل شعیب نہیں چاہتا تھا کہ زیب ظہیر انکل کے گھر جائے' جہاں بلال پہلے سے اس کا منتظر ہوگا۔

"ہرگز نہیں! زیب اور نسیمہ بھی ہمارے ساتھ ہی جائیں گی اور واپس بھی ساتھ آئیں گی۔ شوکت صاحب کے لہجے میں اتنی قطعیت تھی کہ شعیب سمیت کوئی بھی کچھ نہ کہہ سکا۔

"بلال سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

لان عبور کرتے ہوئے شعیب دانستہ پیچھے رہ کر زیب کو بلال سے بات کرنے سے منع کر رہا تھا۔ وہ صرف اسے دُھندلائی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

"زیب۔۔۔ ان کے ساتھ۔۔۔ ہوں تو شعیب نے زیب کو دانستہ اپنے ساتھ رکھا ہوگا۔ رُعب جمانے کے لیے۔ ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ دینے کے لیے۔ لیکن شعیب جس دن زیب میری ہوگئی' اس روز میں اس کا نام بھی تمہاری زبان پر آنے نہیں دوں گا۔"

اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے بلال نے زیب کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے کتنا کچھ سوچ ڈالا' پھر اُٹھ کر باہر آ گیا۔

ظہیر صاحب اور رابعہ بیگم کو بھائیوں کی یوں تقسیم پسند تو نہ آئی تھی' مگر وہ اس معاملے میں بولنا فضول سمجھتے تھے' کیونکہ خود ان کی بہن کا کیا دھرا تھا یہ سب۔ اس لیے خاصی خاموش فضا تھی۔ بلال دانستہ کترا رہا تھا۔ حالانکہ زیب سے بات کرنے کو دل مچل رہا تھا۔ وہ اس کے سارے دُکھ جو اس کے چہرے پر چھائی خاموشی اور آنکھوں کی گہرائی سے عیاں تھے' سننا چاہتا تھا۔ مگر شعیب نے تو اس پر یوں قبضہ جما رکھا تھا' جیسے وہ اس کی جائیداد ہو اور کوئی اسے چھین لینا چاہتا ہو۔ کھانے کے بعد وہ دانستہ طور پر بائیک لے کر باہر نکل آیا۔

''ندا! میری بات سنو۔''

''جی بھائی!'' ندا جلدی سے بھاگ آئی۔

''دیکھو ندا! مجھے زیب سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔ تم ایسا کرو کہ زیب کو لے کر چھت پر آ جائو۔ میں بائیک دوسری طرف کھڑی کر کے آتا ہوں۔''

بلال بائیک لے کر نکل گیا تو شعیب مطمئن ہو گیا کہ وہ گھر سے چلا گیا ہے' اسے تھکان ہو رہی تھی' طلال کے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ ندا زیب کو چھت پر لے آئی۔ تھوڑی دیر بعد بلال بھی دوسری طرف سے آ گیا۔ پورے چاند کی اُداس فضا میں زیب بلال کو دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ وہی تو تھا جو اس بھری دنیا میں ان کا سچا دوست اور ہمدرد تھا۔ جس کو دیکھ کر ارادے مضبوط ہونے لگتے تھے' جس کی ہمت افزا باتیں مخالفتوں کے طوفان کے آگے بند بن جایا کرتی تھیں۔ آج اتنی بڑی زیادتی پر دل پانی ہو گیا۔۔۔۔۔ بلال بھی خاموش نظروں سے اس عزیز ہستی کو روتا دیکھتا رہا۔

''زیب باجی! پلیز خاموش ہو جائیں۔ کاش! ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا۔ ہم تو ذرا آپ لوگوں کی حمایت میں بولتے ہیں تو ان سب کو ناگوار گزرتا ہے۔ پلیز اب مت روئیں۔''

ندا کی آواز بھی بھرا گئی۔ اس نے اپنے دوپٹے سے زیب کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو بلال نے اسے پانی لانے کو کہا۔

''زیب! بس کرو اب۔ میں اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا تمہارے آنسو۔'' بلال کو بہت دُکھ ہو رہا تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا۔

''بلال۔۔۔ بلال! میرا دل پھٹ رہا ہے۔ ان خود غرض لوگوں نے اپنے اپنے مفادات کی خاطر ہم سب کو جدا کر دیا ہے۔ صدف چھوٹے ماموں اور شذرا اور فرخ مشتاق ماموں کے ہاں رہیں گے اور ہمیں آسیہ ممانی نے اپنی خدمت کے لیے رکھ لیا ہے۔ پتا ہے آپ کو' اتنا اچھا کھانا ہونے کے باوجود امی نے ایک نوالہ نہیں لیا کہ میرے بچوں نے کھایا ہو گا کہ نہیں۔ اس سے بہتر تھا کہ ہم کسی یتیم خانے میں ہوتے' نہ ٹکڑوں پر پلنے کے طعنے ملتے اور نہ۔''

اتنے دنوں سے ضبط کیا ہوا لاوا اب بہہ نکلا۔

''زیب! میں نے فائنل ایگزام دے دیا ہے۔ انشاءاللہ جاب بھی جلد ہی مل جائے گی پھر۔۔۔۔ پھر زیب ہم زندگی کی اس دوڑ میں ہم قدم ہوں گے۔ میرے گھر والے تو تمہارے لیے تیار ہیں اور تمہارے ماموئوں کی مجھے پروا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی ہمت عطا کی ہے کہ تمہارا ساتھی بن کر تمہارے سارے دُکھ' ساری ذمہ داریاں اپنا سکتا ہوں۔ میں پہلے خود پھپھو سے بات کروں گا' پھر باقاعدہ ابو کو بھیجوں گا تمہارے ماموئوں کے پاس۔ پھر زیب کسی دُکھ کی کوئی پرچھائیں تمہارے قریب نہیں پھٹکنے دوں گا۔ تمہیں پتا ہے تمہارے میرے علاوہ بھی بہت سے چاہنے والے ہیں۔''

بلال کی گمبھیر آواز میں چمکتے جگنو فضا کو خوبصورت بنانے لگے۔ اداس چاندنی مسکرانے لگی۔ کتنا سکون تھا۔ کتنا تحفظ تھا بلال کی رفاقت میں۔ زیب بلال کے ساتھ خوابوں کی راہ گزر پر بہت دُور نکل گئی۔ چونکی اس وقت جب ندا بولتی ہوئی آئی کہ شعیب اس کا پوچھ رہا ہے۔

''ہائے اللہ ندا! کہیں ان کو کچھ پتا تو نہیں چل گیا۔'' وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''تو چل جائے پتا' میں بھی دیکھ لوں گا۔اسے کیا حق ہے تم سے ایسی بکواس کرنے کا۔'' بلال کو ایک دَم غصہ آگیا' زیب کے گھبرانے پر۔

''بلال! آپ کو خبر تو ہے کہ وہ انتہائی پستی میں اُتر جاتے ہیں اور پھر۔۔۔۔''

''آپ گھبرایئے نہیں زیب باجی! رِدا نے کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ چھت پر ٹہل رہی ہیں۔پھر انہوں نے بلال بھیا کا پوچھا تو اس نے کہہ دیا کہ آپ کے سامنے تو گئے ہیں' دوست کے پاس۔۔۔۔۔تب کہنے لگے زیب کو بلائو۔اب گھر چلنا ہے۔''

''ہونہہ! پتا نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے خبیث آدمی۔'' بلال نے غصے سے دیوار پر مکا مارا۔زیب خاموشی سے نیچے آگئی۔

☆...☆...☆

تیمور اور علی سیدھے لان میں سجل اور حنا کے پاس آگئے۔علیم الدین بھی سنبھل گئے۔ان کو دیکھتے ہی علی کی آنکھوں میں شرارت چمکنے لگی۔

''ہیلو مس سجل! ہیلو مس حنا!! آداب انکل! ارے آج آپ لوگ اپنے انکل کو بھی ساتھ لے آئیں۔۔۔۔آداب انکل!''

علی نے مسکرا کر لڑکیوں کو ہیلو کہا اور شوخ انداز سے علیم الدین کو انکل کہہ کر آداب کیا۔مگر وہ لاپرائی سے بیٹھے رہے' وہ دونوں مسکرا پڑیں۔

'' ہیلو انکل! میں نے آداب کہا ہے۔''

''آپ کے بھی تو رشتے دار ہوں گے ہی' لہٰذا آپ کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔''

علیم الدین نے جانے یہ بات کیسے کہہ دی کہ سیدھی علی کے دل پر لگی۔تیمور' سجل اور حنا ہنسنے لگے۔علی ان کو گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''جی ہاں۔۔۔۔لیکن آپ جائیے گا مت۔۔۔۔۔اب میں آپ کو آپ کی منگنی کی خوشی میں ٹریٹ دوں گا۔'' علی اُٹھ کر جوس کارنر کی طرف بڑھ گیا۔

''الٰہی خیر!'' سجل نے مسکرا کر حنا اور تیمور کی طرف دیکھا۔علی جب لوٹا تو اس کے ہاتھ میں سب کے لیے ٹیم کی بوتلیں تھیں' سب نے شکر کیا۔

''لیجئے علیم الدین صاحب! یہ آپ کے لیے۔''

علی نے اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑی ٹیم علیم الدین کی طرف بڑھائی۔پیاس لگی تھی' انہوں نے جھٹ منہ سے لگالی' مگر پھر فوراً بُرا سا منہ بنالیا۔

''علی صاحب! یہ تو بے ذائقہ ہے' بالکل سادہ پانی کی طرح لگ رہی ہے۔''

''ارے نہیں علیم الدین صاحب! یہ کوئز بوتل ہے' ذائقہ آپ کو تلاش کرنا ہے۔اصل میں نئی کمپنی نکلی ہے۔انہوں نے ابھی اپنی اس نئی پروڈکٹ کا نام نہیں رکھا' فیصلہ عوام پر چھوڑا ہے کہ جو اس میں سے ذائقہ تلاش کر کے نام رکھے گا' اسی کو انعام ملے گا کیا خبر کہ انعام کے حقدار آپ ہی ہوں۔چلئے' جلدی سے چڑھا جایئے او چھوٹے صاحب کے لیے نلکا کمپنی کی چار بوتلیں اور لے آئو۔''

علی نے وہیں سے ہانک لگائی تو سب کے ساتھ علیم الدین بھی سمجھ گئے کہ ان کو نلکے کا سادہ پانی پلایا گیا ہے' وہ تپ کر رہ گئے' ابھی وہ اپنے غصے کا اظہار کر نہیں پائے تھے کہ پٹ سے سر پر کوئی چیز گری۔پتا چلا کہ چڑا کے گھونسلے سے دو تین انڈے ان کے سر پر گر کر ٹوٹ چکے تھے اور انڈے بہتے ہوئے ان کے چہرے اور کانوں کی طرف بڑھنے لگے۔

"مس سجل اور حنا! آپ لوگوں کو ٹریٹ پھر کسی دن دوں گا۔۔۔میں۔۔۔میں آپ کو سمجھ لوں گا اچھی طرح۔" علیم الدین علی کو گھورتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"ارے بابا! انڈے میرے نہیں چڑیا کے ہیں' اس سے سمجھئے' جو ابھی گاتی آئے گی کہ "دکھ جھیلیں بی چڑیا اور کوا انڈے توڑے۔"

"ہونہہ! ذرا گزریئے ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے سے۔"

علیم الدین بہتے ہوئے انڈے کو۔۔۔۔۔۔ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے' علی کتنی ہی دیر ہنستا رہا۔

"چلو بس کرو اب' اس طرح کسی کو بیوقوف نہیں بنایا کرو۔"

"یار تیمور! خوفِ خدا کرو میں کسی کو کچھ کہاں بنا سکتا ہوں۔ بابا یہ تو خدائی کام ہیں' اور خدائی کاموں میں مداخلت' استغفار ناممکن ہے۔"

علی نے دونوں کان کھینچتے ہوئے کہا۔

"آپ نے ہمارا ٹریٹ کا اچھا خاصا چانس مس کر دیا۔" حنا علی کو گھور رہی تھی۔

"ویسے اگر آج آپ لوگ نہ آتے تو ہم آپ کے ڈیپارٹمنٹ آنے والے تھے۔"

"واقعی۔۔۔" تیمور نے چونک کر بے یقینی سے سجل کو دیکھا۔ انجانی خوشیوں کا عکس اسکے خوبصورت چہرے پر مسکرا رہا تھا۔

"اپنے نصیب۔۔۔وہ بنیں ہمارے مہمان۔۔۔اللہ اللہ۔۔۔چلو یار تیمور! اپنے ڈیپارٹمنٹ چلتے ہیں۔ تم جھاڑو لگانا' پھول لگانا' میں کچرا۔۔۔ صاف۔۔۔اونہوں ایک تو زبان کے بل ذلیل کرتے ہیں۔ ہاں میں کلیاں چنوں گا۔ تم کہکشاں بکھیرنا اور گانا۔

"گھر آنے والا ہے' ایک انجانا

دیکھا نہ بھالا ہے' ماہی بے گانہ

چوڑی کھنکنے لگی' پائل چھنکنے لگی

ہائے مینوں کی ہو گیا۔۔۔"

علی نے ترنگ میں گاتے ہوئے چہرا اوپر کیا' تو چڑیا کا گھونسلہ شاید ٹوٹ چکا تھا۔ کئی انڈے علی کے چہرے پر آکر گرے۔ ان تینوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

"دیکھ لو' اللہ نے علیم الدین کا بدلہ لیا ہے' یہ لو رومال۔"

تیمور نے مسکراتے ہوئے جیب سے رومال نکال کر علی کی طرف بڑھایا۔

"دیکھ لوں گا تمہیں احسان فراموش۔" علی نے رومال جھپٹتے ہوئے تیمور کو گھورا۔

"علی صاحب! انڈے چڑیا کے ہیں تیمور کے نہیں' جو ابھی گانا گاتی آئے گی۔"

"چپ رہیے۔" ہنستی ہوئی حنا علی کو زہر لگی۔

''چھوڑیئے ان کو۔۔۔ تیمور۔۔۔۔ ہم نے آپ لوگوں کو انوائٹ کرنے آنا تھا۔۔۔ اصل میں۔۔۔ منگنی ہے سجل۔۔۔۔'' حنا نے شوخ نظروں سے سجل کو پھر تیمور کو دیکھتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا' علی کے تیزی سے چلتے ہاتھ رُک گئے۔

''خدانخواستہ کہیں سجل آپ کی تو نہیں؟'' علی نے تیمور کی طرف دیکھا' جس کے چہرے پر ویرانی اور سنجیدگی چھا گئی تھی۔ ایک دم وہ گھاس پر رکھی بوتلوں کو دیکھنے لگا۔

''جی نہیں! بڑے بھائی ہیں ناں راحیل۔۔۔ ان کی منگنی ہے۔''

''اوہ خدا کا شکر ہے۔'' علی نے رکا ہوا سانس بحال کرتے ہوئے کہا۔ تیمور کے چہرے کا تناؤ بھی ختم ہو گیا اور یہ واضح اظہار تھا اس کے اندر چھپے احساسات کا' جو وہ سجل کے لیے دل میں رکھتا تھا۔ مگر اظہار نہیں کرتا تھا۔ اس ایک لمحے نے سجل کو خوشیوں کے کتنے نئے احساس بخشے تھے۔ ان سے شاید تیمور بے خبر تھا۔ ایک عجیب طرح کا نشاط آگیں احساس رگ وپے میں سرایت کر گیا۔

''آپ دونوں ضرور آیئے گا۔'' حنا نے ضرور پر زیادہ زور دیتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ اتنی شوخ کیوں ہو رہی ہیں' منگنی سجل کے بڑ۔م کی ہے' آپ کے بڑ۔۔۔۔ بڑ۔۔۔'' علی کو احساس ہو گیا کہ وہ غلط کہہ گیا ہے' وہ دونوں سمجھ نہ سکیں۔

☆...☆...☆

''فاروق! بیگم سجاد نے بڑی عجیب بات پوچھی ہے مجھ سے۔''

صوفیہ بیگم چائے کا کپ لے کر شوہر کے پاس آگئیں' تو وہ اخبار ایک طرف رکھ کر ان کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''کیا؟''

''کہہ رہی تھیں کہ میرے رشتے دار پوچھتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ شہرین کی نندوں کی شادیاں نہیں ہوئیں۔'' صوفیہ بیگم نے چور نظروں سے شوہر کو دیکھا' تو ان کا چہرا ایک دم تن گیا۔

''کیا بکواس ہے یہ۔۔۔۔ لوگوں کو اس بات سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔ یہ ہمارا پرسنل معاملہ ہے' کریں نہ کریں۔ ہم کوئی جواب دہی کے پابند نہیں کہ بتاتے پھریں کہ ہم نے بیٹیوں کی شادیاں کیوں نہیں کیں۔ بھئی مرضی ہماری نہیں کیں۔''

فاروق صاحب ایک دم جلال میں آگئے۔

''فطرت سے ہٹ کر جو بات ہو گی' وہ تنقید کا نشانہ تو بنے گی۔''

صوفیہ بیگم بھی لوگوں کی باتیں سن سن کر تنگ آگئی تھیں۔

''ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ خود لڑکھڑانے لگی ہیں' کیا چاہتی ہو تم؟''

فاروق صاحب کی رگیں تن گئیں' چہرا سرخ ہو گیا۔ صوفیہ بیگم گھبرا گئیں۔

''میں کچھ نہیں چاہتی فاروق' کچھ نہیں۔۔۔۔ آپ ریلیکس ہو جائیں پلیز۔ اچھا بتائیں منگنی پر کیا کرنا ہے' دو دن تو رہ گئے ہیں۔'' صوفیہ بیگم جلدی سے خوشگوار موضوع کی طرف آ گئیں۔ مگر باہر کھڑی فاطمہ اور آمنہ جنہوں نے تمام باتیں سن لی تھیں' دل میں اٹھتی ٹیسوں کو دبائے وہاں سے ہٹ گئیں۔

''دیکھ لیا ناں فاطمہ یہ۔۔۔۔ یہ ماں باپ ہیں ہمارے' جن کو ہماری خوشیوں سے چڑ ہے' نفرت ہے ہمارے موضوع پر سیخ پا ہو جاتے ہیں اور بیٹوں کی خوشیوں پر۔''

آمنہ بولتی رہی' آگ اگلتی رہی' مگر فاطمہ خاموشی سے آنسو پیتی رہی۔ راحیل کی منگنی تھی' سب خوش تھے۔ پپا' ممی دل کھول کر ارمان نکال رہے تھے۔ راحیل تو ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔ سجل نے اس دن کے لیے بہت خوبصورت جوڑا بنوایا تھا۔ اسے اپنے سب دوستوں کو بلانے کی اجازت مل گئی تھی' ورنہ شاید وہ کچھ نہ کرتی اور ویسے بھی تیمور کا خیال' اس کی خاموشی کی زبان' بولتی نظریں' بار بار دل کے ساز کو مضطرب کر دیتی تھیں۔ ریسپشن پر کھڑی وہ مسکرا مسکرا کر سب کا استقبال کر رہی تھی۔ مگر نظریں بے تابی سے تیمور اور علی کی منتظر تھیں۔

''ہیلو۔۔۔۔ ہیلو کہاں ہو؟'' حنا نے اس کی سوچتی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

'اوہ شکر ہے تم آ گئیں' بجو! اب آپ بیٹھ جایئے۔ میں اور حنا مہمانوں کو ریسیو کر لیتے ہیں۔'' سجل جھلملاتا ہوا دوپٹہ سنبھالتے ہوئے بولی تو فاطمہ مما کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

''حنا! وہ لوگ تو ابھی تک آئے نہیں۔ خدا خیر کرے۔'' سجل پریشان ہو گئی۔

''اوہو' یہ بے قراری۔۔۔۔ آ جاتے ہیں گھبرانے کی کیا ضرورت۔ لیجیے مبارک ہو' تھا جس کا انتظار۔''

''چپ رہو' حنا! خدا کے لیے۔''

حنا ابھی بات کر ہی رہی تھی کہ تیمور اور علی آ گئے۔ دل دھڑک اٹھا۔ تیمور کی نظریں بھی اس پر ٹھہر ہی گئیں۔

''گرنا ہو تو مجھے بتا دینا۔'' علی نے تیمور کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے سرگوشی کی تو وہ جھینپ کر سیدھا ہو گیا۔

''ویسے تیمور بھائی! یہ زیادتی ہے' اتنی دیر کر دی آپ نے کہ ہمیں منگنی کی رسم لیٹ کرنا پڑی۔''

''مان لیا مس حنا کہ جھوٹ بولنے میں ہمارے بھی استاد موجود ہیں' ویسے مس سجل ایک مقتول تو میرے پہلو میں ہے اور کتنوں کے قتل کا ارادہ ہے؟'' علی سجل کے قریب آ کر آہستگی سے بولا۔

''آپ کو قتل کرنا ہے صرف۔'' سجل اس کی بات پر جھینپی' مگر شوخی سے اسے ڈانٹتی آگے بڑھ گئی' پھر سارا وقت وہ مہمانوں میں لگی رہی۔ تیمور اور علی کی ٹیبل کو دانستہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتی۔ حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے قریب بیٹھ جائے۔ اس سے ڈھیر ساری باتیں کرے' مگر یہ اس کے دل کا ہی تو چور تھا کہ وہ اس کے قریب نہیں جا رہی تھی۔

''صرف دیکھنے سے کام نہیں چلے گا' یہاں کچھ کرنا بھی ہو گا۔'' علی نے تیمور کو ٹوکا' جس کی نظریں دور کھڑی سجل پر تھیں۔

''کیا کرنا ہو گا؟'' وہ گہری سی سانس لے کر بولا۔

"دیکھو! ان ٹھنڈی سانسوں سے مجھے منجمد کرنے کی ضرورت نہیں۔ کچھ سوچو کہ آئندہ کیا کرنا ہے' اب خیالی عشق سے تو آپ کو منزل ملنے سے رہی۔'
"جو منزل میری دسترس سے بہت دُور ہو' میں اسے کیونکر پا سکتا ہوں؟" تیمور نے خالی گلاس میں پانی بھرا' اور ہونٹوں سے لگا کر سجل کی طرف دیکھا۔
"میرے یار! ہر منزل انسان کی دسترس سے دُور ہوتی ہے' اس کو بہت کوشش کرنا پڑتی ہے اس منزل تک پہنچنے کے لیے۔"
"یار علی! مت کیا کرو ایسی باتیں' تم میرے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو' میں تمام عمر کوشش کر کے بھی ان کے اسٹینڈرڈ تک نہیں پہنچ سکتا۔"
"یار! اللہ کی ذات پر بھروسا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی پاک ذات مہربان ہو جائے۔"
"ہاں۔۔۔ یہی تو دین ایمان ہے کہ اللہ کی پاک ذات مہربان ہو جائے تو کچھ بھی معجزہ ہو سکتا ہے۔ وہ دیکھو تمہاری آنٹی ہی ہیں ناں۔"
تیمور کی نظریں اس ٹیبل پر پہنچ گئیں' جہاں شکیل کی وہی آنٹی اپنی فیملی کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ علی کی آنکھوں میں شوخی ناچنے لگی۔ اور پھر تیمور روکتا ہی رہ گیا۔ مگر علی سر پر ہاتھ پھیرتا ان کے عین سامنے والی ٹیبل پر جا بیٹھا۔
"لوگ اکیلے ہیں' جاؤ کمپنی دو جا کر۔"
حنا نے تیمور کو اکیلے دیکھ کر سجل سے کہا کہ وہ جا کر بیٹھے۔ مگر وہ ہچکچا کر رہ گئی۔ مگر حنا اس کا ہاتھ پکڑ کر لے آئی۔
"ارے تیمور بھائی! آپ اکیلے بیٹھے ہیں۔" دونوں بیٹھ گئیں۔
"جی ہاں۔ علی کی پرانی واقف کار مل گئی ہیں۔ ان سے ہائے ہیلو کرنے گیا ہے۔" تیمور نے کھوئی ہوئی سی سجل کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"اچھا۔ آپ لوگ باتیں کریں میں ذرا فاطمہ باجی کے پاس جا رہی ہوں۔"
تیمور تو نہیں جانتا تھا' مگر سجل کو پتا تھا' یہ حنا کی بچی دانستہ طور پر اسے بٹھا کر چلی گئی ہے' اب دونوں کے بیچ خاموش لمحات سفر کر رہے تھے۔ لفظوں کی بلاغت ان دونوں کے درمیان موجود خاموشی کے سامنے بے وقعت تھی۔ حالانکہ سجل وہ لڑکی تھی' جو ہر احساس کا چیخ کر اعلان کر دیا کرتی تھی۔ مگر اب لفظ بے وقعت ہو گئے تھے اور تیمور کے اظہار کے سامنے بے شمار مصلحتوں اور مجبوریوں کی کھائی تھی' جس کو وہ عبور نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا خاموشی کی بکل مارے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ جو آج اتنے اہتمام سے صرف اس کے لیے تیار ہوئی تھی۔ اس کے سامنے موجود تھی' اور وہ اس کے بارے میں ایک لفظ بھی کہنے کا متحمل نہیں تھا۔
"آپ کے بھائی بہت خوش ہیں اور بھابی بھی۔ ویسے زندگی بھر ساتھ رہنے والے دونوں ساتھیوں کی پسند اور رائے ایک ہو تو اچھی بات ہوتی ہے۔ آپ کے بھائی کی شادی کو لو میرج بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیا خیال ہے آپ کا؟" بالآخر تیمور نے ایک غیر ضروری بات سے خاموشی کے پردے کو چاک کیا۔ تو وہ گھنیری پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔
"جی' کہہ نہیں سکتے۔ ہے ہی لو میرج۔ جذبے بھی تو اندھے ہوتے ہیں۔ اب دیکھئے ناں کتنا فرق ہے بھائی اور شہرین کی عمروں میں' مگر کتنی خوش ہے شیری۔ ظاہر ہے محبت ہے تو خوش ہے ناں۔" وہ ناخن سے میز پر دائرے بناتے ہوئے بولی۔

"درست کہا آپ نے' مگر سجل! محبت وہاں پر آ کر اس موڑ پر پہنچ کر بے دم اور بے بس ہو جاتی ہے' جہاں سے دولت اسٹیٹس اور اسٹینڈرڈ کی دوڑ شروع ہوتی ہے۔ فرض کریں شہرین ایک غریب اور متوسط طبقے کی لڑکی ہوتی تو کیا آپ کے بھائی اور گھر والے پھر بھی اسے قبول کر لیتے۔ اسی طرح خوشی سے اسے اپنا لیتے۔ بولیں پھر بھی ایسا ممکن ہوتا جواب ہو رہا ہے؟"

وہ اپنے اس سوال کی آڑ میں نجانے کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔ شاید یہ کہ اسے آگے بڑھنے کا کوئی راستہ نظر آئے۔ وہ اس کے جواب کا منتظر اسے دیکھتا رہا۔ سجل نے پلکیں اٹھائیں' پھر اس کی بولتی' سوال کرتی' آنکھوں میں زیادہ دیر نہ دیکھ سکی۔

"نہیں' سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تیمور صاحب! ہماری دنیا مادیت پرستی سے گندھی ہے' ہماری دنیا میں ہر کوئی اپنی اپنی ذات کے گنبد میں مقید تو رہ سکتا ہے' تمام عمر مگر کھوکھلی دیواروں کو نہیں پاٹ سکتا۔" اپنی رو میں بولتی سجل سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ لفظوں کے طوفان میں وہ جو پہلے ہی ڈر ڈر کر اس کی طرف بڑھ رہا تھا' اسے کتنی دُور کر دیا ہے اس سے' تیمور نے ایک زخمی سی نظر اس پر ڈالی۔ وہ جو انجانی دھند میں دھندلا گئی تھی۔

"ارے مس سجل' آپ تو اداس ہو گئیں۔ میں نے تو یوں ہی آپ کی رائے لی تھی۔ خیر یہ ضروری بھی نہیں کہ جسے چاہا جائے' اسے پایا بھی جائے۔ تب ہی زندگی خوشگوار گزر سکتی ہے۔ بعض اوقات تو انسان نارسائی کے احساس کے ساتھ بھی مطمئن رہ سکتا ہے۔"

تیمور نے دُکھ کے احساس کے ساتھ گمبھیر لہجے میں کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں اگر نارسائی کا زہر ایک بار پینا پڑے' تب لیکن جن کی زندگی ہی محرومیوں' نارسائیوں سے عبارت ہو' وہ کیا کریں۔۔۔" سجل کی آواز بھیگ گئی۔

"آپ تو ایسی باتیں نہ کریں۔ محرومیوں اور نارسائیوں سے بھلا آپ کا کیا ناتا؟"

تیمور کی بات پر سجل کی آنکھیں دھندلا گئیں' مگر وہ کمال ضبط سے خود پر کنٹرول کر گئی۔

"آپ تو چمکتی چیز کو سونا نہ سمجھیں۔" سجل نے آہستگی سے کہا اور اٹھ کر دوسری طرف چلی گئی اور تیمور کے دل میں اداس سی شام اتر آئی۔ اس کا دل چاہا۔ رنگ و خوشبو برساتی محفل سے دُور چلا جائے۔ عجیب سی کیفیت ہونے لگی تھی۔ اس نے تھک کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ جانے وہ کب تک کرب کے احساس سے دوچار رہتا کہ نظریں علی پر پڑیں' جو شکیل کی خالہ سے لگا ہوا تھا۔

"ہیلو آنٹی!" علی یوں شکیل کی آنٹی کی طرف بڑھا۔ گویا بڑے اچھے مراسم ہوں۔

"ہیلو بیٹا! یہ تم کہیں وہی تو نہیں۔" آنٹی نے اپنے پرس سے عینک نکال کر علی کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں آنٹی' میں وہ نہیں۔ تھوڑا مختلف ہوں۔ وہ آپ کی بہنیں نہیں آئیں۔ ویسے آج تو ماشاءاللہ آپ غضب ڈھا رہی ہیں۔ ویسے کتنا وزن ہوگا۔" علی آنٹی کو الجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کس کا وزن؟" آنٹی نے برہمی سے پوچھا۔

"ارے آپ خفا نہ ہوں آنٹی' میں نے آپ کا وزن تو نہیں پوچھا' آپ کا تو معلوم ہے' بارہ من سے تو کیا کم ہوگا۔ میں میک اپ کا وزن پوچھ رہا ہوں' جو

آپ نے تھوپ رکھا ہے۔ میں یہاں بیٹھ جاؤں۔۔۔۔'' علی آنٹی کی بیٹی کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تم۔۔۔ تم وہی اسٹوپڈ بوائے۔۔۔ بیرا۔۔۔ بیرا۔''

آنٹی نے ایک جھٹکے سے اسے کھڑا کر دیا اور بیرے کو بلانے لگیں تاکہ علی کی خدمت خاطر کروائی جائے۔

''ارے آنٹی! یہ ہوٹل تو بہت بڑا ہے' مگر انتظام انتہائی خراب ہے۔ دیکھئے ناں اتنے ڈھیر سارے بیرے مگر سب کے سب بہرے' کوئی آپ کی بات سن ہی نہیں سکتا۔ ٹھہریں میں بلاتا ہوں۔ بیرا! آنٹی کے لیے ایک گلاس ٹھنڈا پانی لے کر آئو۔''

علی نے قریب آتے ہوئے بیرے کو روک کر کہا' تو وہ یس سر کہہ کر چلا گیا۔ آنٹی تلملا کر رہ گئیں۔

''ممی! یہ وہی اسٹوپڈ ہے' اسے زور زور سے گدگدیاں کریں۔'' بیٹی کے مشورہ دینے کی دیر تھی' آنٹی نے اسے گدگدی کرنا شروع کی اور وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا اور اسی

وقت بیرا ابھی پانی لے کر آگیا اور علی کا ہاتھ لگنے سے پانی کا جگ آنٹی اور بیٹی پر گر گیا۔ پہلی ملاقات والا سین دوبارہ ہو گیا۔ وہ لوگ اپنا میک اپ درست کرنے میں لگ گئیں وہ دُم دبا کر تیمور کے پاس آگیا۔



رابعہ بیگم کو خود بھی فائزہ' طلال کے لیے پسند نہیں تھیں' اس لیے وہ وہاں کرنا چاہتی تھیں' جہاں خود طلال کی مرضی تھی اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ظہیر صاحب سے اس سلسلے میں بات کر لی۔

''رابعہ! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ آسیہ فائزہ کے لیے۔''

میں تو سب کچھ جانتی ہوں ظہیر' مگر آپ کو کچھ خبر نہیں فائزہ قطعی طور پر بھی ہماری طرف مائل نہیں۔ آسیہ کو بس اپنی بات منوانے کی عادت ہے' جو بات منہ سے نکل گئی۔ سو پوری کرنی ضروری ہے' لیکن ظہیر! میں اپنے بچوں کے مستقبل برباد نہیں کروں گی۔ سب بچوں کی شادیاں وہاں کروں گی' جہاں وہ لوگ چاہیں گے۔ اس لیے کہ شادی ایک دو دن کا کھیل تو ہوتا نہیں کہ جس کے ساتھ چاہو اٹھا کر کر دو۔ یہ عمر بھر کا بندھن ہوتا ہے' اور بندھن میں دونوں فریقین کی خوشی اور رضا شامل ہونی چاہئے اور پھر ماشاء اللہ میرے بچے سمجھدار ہیں' طلال ڈاکٹر ہے' ڈاکٹر سحر اس کی کلاس فیلو ہے' دونوں ''پسند کرتے ہیں ایک دوسرے کو' کم از کم اس معاملے میں۔ سوری میں آپ کی ہم خیال نہیں ہو سکتی۔

رابعہ بیگم پڑھی لکھی خاتون تھیں اور بہت اچھے گھرانے سے تعلق تھا۔۔۔ جس احسن طریقے سے انہوں نے زندگی کا ساتھی بن کر ان کی خوشیاں اور غم شیئر کیے تھے' جس طرح انہوں نے ظہیر صاحب کی کمزوریاں برداشت کی تھیں' بیوی کی حیثیت سے جو کچھ برداشت کیا تھا۔ اس نے ظہیر صاحب کو بیوی کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ کچھ رابعہ بیگم کے دلائل کی وجہ سے اور کچھ وہ خود بھی حقیقت پسندی سے سوچ رہے تھے۔

ٹھیک ہے رابعہ! مگر ہمیں آسیہ کو بتا دینا چاہئے۔'' ان کو پھر بھی بہن کا خیال آرہا تھا۔''

ظہیر! وہ آپ کی بہن ہے تو اس کی خوشی کا کتنا خیال ہے آپ کو۔ اور طلال میرا بیٹا ہے' میرا لخت جگر ہے' اور یہ اس کی خوشی کا خیال ہے' عمر بھر کی خوشی کا۔ میں اسے کیونکر ناخوش دیکھ سکتی ہوں اور پھر جب طلال' فائزہ کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ سحر اس کی اوّلین پسند ہے۔ والدین کے لیے ان کی اولاد کی خوشی ہی سب کچھ ہونی چاہئے' اور ویسے بھی آسیہ اور ہمارے درمیان کبھی اس رشتے پر نہ تو باضابطہ بات ہوئی اور نہ کوئی اقرار ہوا' اس لیے ہم پابند نہیں ہیں۔"

رابعہ بیگم نے ظہیر صاحب کو اچھی طرح قائل کر لیا تو وہ سحر کے گھر جانے کو تیار ہو گئے اور پھر نہ صرف ان کو سحر بے حد پسند آئی' بلکہ سب گھر والے بھی بے حد پسند آئے' سادہ سے پر خلوص سے لوگ دونوں کو بہت پسند آئے۔

بیگم ظہیر! میں اس بات پر نادم ہوں کہ میں نے خود طلال کو کہا کہ گھر والوں کو لے کر آئے۔ اصل میں آج کل ہمارے بچے ہم سے زیادہ سمجھدار ہیں۔" میں اپنی بیٹی کی پسند کو بھی جانتی تھی اور طلال بیٹا یوں بھی ہم لوگوں کو پسند آیا تھا۔ لیکن میری اصل مجبوری یہ ہے کہ سحر ہے ڈاکٹر اور ہر آنے والے کی نظر میری کسی اور بیٹی پر جاتی ہی نہیں۔ سب ڈاکٹر پر نظر گاڑ لیتے ہیں۔ خواہ ان کا بیٹا اس قابل ہو یا نہ ہو' غیروں کو تو میں جواب دے دیتی ہوں' مگر میں رشتے داروں کی باتوں سے بچنا چاہتی ہوں' اس لیے میری خواہش ہے کہ جلد ہی کوئی بات طے ہو جائے' تاکہ میں آنے والوں کا منہ بند کر سکوں۔ آخر مجھے اور بھی بیٹیوں کے رشتے کرنے ہیں۔"

سحر کی والدہ نے بڑے اچھے طریقے سے اپنی بات کی وضاحت کی اور صاف لفظوں میں بتا دیا کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔

آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں۔ میں آپ کی مجبوری کو سمجھتی ہوں' مگر کیا کریں۔ ہمارے ہاں مادیت پرستی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اس نے انسان کی وقعت ہی ختم کر ڈالی ہے۔ لیکن یہ محض اتفاق ہے کہ میرا بیٹا بھی ڈاکٹر ہے اور آپ کی بیٹی بھی ڈاکٹر ہے' تو ہم سحر کے لیے آئے ہیں۔ لیکن اگر میرے بیٹے کی کوئی اور لڑکی پسند ہوتی' خواہ وہ کچھ بھی نہ ہوتی' کم تعلیم یافتہ بھی ہوتی تو میں اپنے بیٹے کی خوشی ضرور پوری کرتی۔ بہرحال ہمیں سحر بیٹی دے دیں۔ میں اسے بہو بنا کر نہیں' بیٹی بنا کر رکھوں گی۔ اور یہ وقت ثابت کرے گا کہ میں نے ٹھیک کہا ہے یا غلط۔"

سحر کے والد اور والدہ نے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر سحر کے والد نے مٹھائی کی پلیٹ ظہیر صاحب کی طرف بڑھائی۔

بیٹیوں کو اچھے گھر مل جائیں' یہ ہی والدین کے لیے سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے ظہیر صاحب! ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اسے۔۔۔۔۔" اور مضبوطی فرمائے' مبارک ہو آپکو۔" اور پھر مبارک سلامت کے شور میں طلال اور ڈاکٹر سحر جیون ساتھی چن لیے گئے' مگر اس بات کو فی الحال رشتے داروں سے راز میں رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا۔

فائزہ اور صائمہ کی ملاقات اب یونیورسٹی ہی میں ہوتی تھی۔ صائمہ ویسے بھی بڑی چالاک قسم کی لڑکی تھی۔ جبکہ فائزہ اپنے آپ میں رہتی' اس کی خوبصورتی اور منفرد سٹائل کی وجہ سے کئی ہاتھ اس کی جانب بڑھے' مگر وہ نظرانداز کرتی آگے بڑھ جاتی۔ لیکن حسن کی شخصیت میں کچھ ایسی بات ضرور تھی کہ وہ ایک نگاہ ضرور ڈالتی اس پر۔۔۔۔ حسن اور آصف یوں تو بہت بولڈ اور شوخ تھے' مگر ایسے معاملے میں نہیں تھے' یہ ہی وجہ تھی کہ فائزہ کو اتنا پسند آنے کے باوجود حسن آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔

"تم نے منہ میں اسی طرح گھنگھنیاں ڈالے رکھیں تو محترمہ ایم اے کر کے چلی جائیں گی اور تم رہ جانا ڈنڈے بجاتے۔" سیمینار میں بیٹھے آصف نے حسن کو ڈانٹا' جس کے سامنے فائزہ کتاب کھولے فائل پر کچھ لکھ رہی تھی' صائمہ بھی ساتھ ہی تھی اور وہ ان دونوں کو مشکوک نظروں سے گھور چکی تھی۔

"کیا کروں یار! مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ جھاڑ ہی نہ دے۔۔۔ اور یوں بھی اگر میرے جذبوں میں صداقت ہو گی تو خود ہی مائل بہ کرم ہو جائے گی ان شاء اللہ۔"

وہ دونوں کھسر پھسر کر رہے تھے کہ صائمہ ان کے قریب آ گئی۔

"ایکسکیوزمی' آپ لوگ اسی ڈیپارٹمنٹ کے ہیں؟"

"جی نہیں!" آصف نے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"تو پھر ہر روز کیا کرنے آتے ہیں یہاں؟" صائمہ تفتیش کے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ گویا وہ ہی مالک ہو۔

"دیکھئے محترمہ! ایک تو یہ کہ ہم یہاں اپنے دوست سے ملنے آئے ہیں۔ اتفاق سے وہ آج نہیں آیا۔ دوسری بات یہ کہ یونیورسٹی والوں نے کسی پر یہ پابندی عائد نہیں کی کہ وہ ایک ڈیپارٹمنٹ سے دوسرے ڈیپارٹمنٹ نہیں جا سکتے۔" آصف نے بھی بڑے کٹیلے انداز میں جواب دیا' تو وہ ان کو گھورنے لگی۔

"ہونہہ! مجھے سب پتا ہے' تاڑنے آتے ہیں لڑکیوں کو۔" صائمہ خاصی بدتمیز ہو گئی۔

"محترمہ! اگر ایسا بھی ہو تو آپ کو کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے' ہم آپ کو تاڑنے نہیں آتے۔"

"صائمہ! کیا بات ہے۔ تم ادھر آئو۔ ہمیں کیا کوئی کچھ بھی کرتا پھرے۔"

فائزہ نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اسے بلایا تو وہ ہونہہ کر کے آگے بڑھ گئی۔

"فائزہ! آج ہم انکل ظہیر کے ہاں نہ چلیں؟" صائمہ ہر دوسرے روز انکل ظہیر کے ہاں جانے کو مچل جاتی۔

"نہیں صائمہ! ابھی پرسوں تو گئے تھے' مجھے اچھا نہیں لگتا روز روز جانا۔ فضول میں جا کر کرنا بھی کیا ہے۔" فائزہ اکتائے ہوئے لہجے میں کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہارے تو وہ سگے ماموں ہیں اور پھر عنقریب سسرال بھی بن جائے گا وہ گھر۔"

صائمہ نے بھونڈے انداز میں اسے چھیڑا' مگر فائزہ نے منہ بنا لیا۔

"مت کیا کرو ایسی باتیں۔ مجھے نہیں پسند۔"

"اچھا نہ سہی۔ آج چلو تو سہی۔" صائمہ جانے کیوں مصر تھی۔ انکل ظہیر کے گھر جانے پر۔

"نہیں بھئی۔ میرا تو قطعی موڈ نہیں۔ تم جانا چاہو تو چلی جائو۔ پوائنٹ چلنے والے ہیں' چلو جائو۔"

"میں بھی نہیں جاتی۔ جس دن تم چلو گی' اسی دن چلیں گے' اچھا خدا حافظ۔"

صائمہ اپنا بیگ شانے سے لٹکائے۔۔۔ تیزی سے سیڑھیاں اترتی ٹرمینل کی طرف جانے لگی۔ گھر آئی تو زیب آئی ہوئی تھی۔ اس نے برا سامنہ

بنالیا۔۔۔وہ خواہ مخواہ ہی زیب کو اپنا رقیب سمجھنے لگی تھی' حالانکہ اچھی طرح جانتی تھی کہ محبوب بھی اس کا نہیں۔

''اوہو زیب صاحبہ! آئی ہیں۔ بلال کے ساتھ آئی ہوگی' کیونکہ دنیا میں وہی ایک تو ہمدرد ہے تم لوگوں کا' باقی سب تو دشمن ہیں۔''

نہ سلام نہ دعا نہ حال احوال پوچھا۔ چھوٹتے ہی طنز کرنے لگی۔ اس سے قبل کہ زیب۔۔۔ کوئی جواب دیتی شعیب وہاں آگیا۔

''ہیلو سڑیل! یہ بلال کے ساتھ نہیں میرے ساتھ آئی ہے' کہو قرار آگیا جیلس دل کو۔'' شعیب صائمہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا تمسخرانہ سی مسکراہٹ لبوں پر لیے ہوئے بولا۔ زیب کچن میں چلی آئی۔

''تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ اس میں صرف میرا ہی مفاد نہیں تمہارا بھی ہے۔ زیب تم کو پسند ہے کہ نہیں اور پھر کیسے مرد ہو کہ جس لڑکی کو چاہتے ہو۔ اس پر کسی دوسرے مرد کو مہربان دیکھ کر بھی کچھ نہیں کر رہے۔''

صائمہ اسے کسی بھی اقدام پر اکسانے والے انداز میں بولی۔

''مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں میڈم! زیب میرے اختیار میں ہے۔ جب چاہوں نئے رشتے کی زنجیر میں جکڑ سکتا ہوں۔'' شعیب اپنے اختیارات کے زعم میں بولا تو وہ مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

''وہ تمہارے گھر میں ضرور ہے شعیب صاحب! مگر تمہارے اختیار میں نہیں۔'' وہ اسے چڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''امی کیسی ہیں باجی؟ ان کو دیکھے کتنے دن ہو گئے ہیں۔ صدف جانے کیسی ہو گئی ہے' کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم سب زندگی ہی میں یوں بچھڑ جائیں گے۔ ایک شہر میں رہ کر ایک دوسرے کی شکلوں کو ترس جائیں گے۔ زندگی ہم سے کیا کیا خراج وصول کر رہی ہے۔ یہ آزمائش' یہ امتحان کبھی ختم ہوگا بھی کہ نہیں۔''

تقریباً ایک ماہ بعد بہنیں ملیں' تو دل کا درد آنسو بن کر آنکھوں سے چھلک پڑا۔ شذرا زیب کے ساتھ لگی روتی رہی۔

''شذو میری جان! تم تو بہت بہادر ہو' دیکھنا اللہ پاک ہمیں کتنا اچھا انعام دیں گے' ان آزمائشوں کا کہ ہم تمام عمر اللہ تعالیٰ کا شکرانہ ادا کرتے ہوئے یہ سب کچھ بھول جائیں گے۔'' زیب نے محبت سے شذو کے بال سنوارے۔ کتنی کملا گئی تھی۔

''فرخ کہاں ہے۔ آنکھیں ترس گئی ہیں اس کے لیے؟''

''ہونہہ' آپ لوگوں کی تو وہ نظروں سے دُور ہے ہی' میرے پاس ہوتے ہوئے نہیں ملتا۔ جو منحوس مارا اسد ہے ناں۔ ہر وقت فرخ کو ساتھ رکھتا ہے۔ میں نے تو محسوس کیا ہے کہ وہ فرخ کو کسی غلط کام پر لگا رہا ہے' فرخ بھی تو بہت بدلتا جا رہا ہے' میری بات تو سنتا ہی نہیں۔ پرسوں پتا ہے یہ اس ذلیل کے ساتھ ایک بجے آیا تھا واپس' میں نے پوچھا تو ٹال گیا۔''

''ارے پرسوں تو اسد اور فرخ ادھر آئے ہوئے تھے۔ فرخ کو امی نے روک لیا تھا۔ کھانے کے بعد بھی آنے نہیں دے رہی تھیں' پھر مجبوراً اسد اٹھ گیا تو امی خاموش ہو گئیں۔''

"دیکھا باجی! کتنا ذلیل ہو گیا ہے فرخ' میں اتنے دن سے آپ کے لیے اور امی کے لیے تڑپ رہی تھی اور کہہ رہی تھی لے چلے' مگر یہ اس منحوس کے ساتھ چلا گیا۔"

شذرا کو ایک دم سے غصہ آ گیا۔

"غصے میں مت آیا کرو شذو! یہ غصہ عقل کا دشمن ہوتا ہے اور جب عقل ہی کام نہ کرے تو انسان سے اچھے کام نہیں ہو سکتے۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ آزمائش میں صبر اور نماز سے مدد لینی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی کرم فرماتا ہے' خوشخبری سناؤں؟" زیب نے اس کا تر چہرا تھامتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"خوشخبری اور ہمارے لیے ناممکن۔ بہر حال بتایئے کیا بات ہے؟"

"وہ بلال ہیں ناں۔" زیب رُک کر شرما گئی۔

"جی کیا کیا بلال بھائی نے؟" شذرا سب کچھ بھول کر ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ جلد ہی وہ امی سے بات کر کے ماموں لوگوں سے بات کریں گے اور پھر۔۔۔۔ پھر ہم الگ رہیں گے اپنے گھر میں' اپنی شناخت کے ساتھ۔ ہمارا اپنا گھر ہو گا' اپنی حکومت ہو گی ان شاءاللہ دیکھنا شذو کتنے اچھے دن آئیں گے۔"

زیب کی آواز کے جگنو شذرا کی ویران آنکھوں میں چمکنے لگے۔ مستقبل کے خوش آیند خوابوں کے دلوں کی روشنی سے دونوں بہنوں کے چہرے روشن ہو گئے تھے۔ مگر وہ لوگ نہیں جانتی تھیں کہ ان کی خوشیوں پر مستقل دشمن نقیب لگائے بیٹھا ہے۔ صائمہ جو شذرا کو چائے بنانے کا کہنے آئی تھی۔ بلال کے نام پر دروازے کے باہر ہی رُک کر سننے لگی۔

"ہوں تو یہ سلسلہ ہے بلال صاحب! میں دیکھ لوں گی تم کیسے زیب کے ساتھ شادی کرتے ہو' تم اگر میرے نہیں ہو سکتے تو زیب کے بھی نہیں ہو سکتے۔"

صائمہ کے تن بدن میں آگ بھڑک گئی تھی۔ وہ سیدھی شعیب کے پاس آئی۔ شعیب نے اخبار ایک طرف رکھا اور اسے دیکھنے لگا۔

"کیوں کوئی نیا فتنہ جاگا ہے ذہن میں۔۔۔۔ یہ تمہاری سوچیں تمہیں کبھی قرار سے نہیں بیٹھنے دیں گی۔" شعیب اس کی فطرت کو اچھی طرح جانتا تھا۔

"مجھے قرار آئے نہ آئے۔ سکون تمہیں بھی نہیں مل سکتا اور اس روز میں تم سے پوچھوں گی' جب تمہارے گھر سے زیب رخصت ہو کر بلال کی دلہن بن کر اس کے ساتھ چلی جائے گی۔" صائمہ نے الفاظ چبائے تو شعیب کھڑا ہو گیا۔

"کیا بکواس ہے یہ۔۔۔؟"

"یہ ہی بکواس میں ابھی زیب صاحبہ کے منہ سے سن کر آ رہی ہوں کہ بلال صاحب زیب کو باقاعدہ پرپوز کرنے والے ہیں۔ میں نے کہا تھا ناں۔ زیب تمہارے گھر میں ضرور رہتی ہے' مگر تمہارے اختیار میں نہیں۔ اب دیکھتے رہ جانا۔"

صائمہ کا انداز صاف چڑانے والا تھا۔

''ہونہہ ! میں تمہیں بتائوں گا کہ میرے کیا اختیارات ہیں۔''

شعیب کو ایک تو اس خبر ہی سے شاک لگا تھا۔ دوسرے وہ اسے بے اختیاری کا طعنہ دے رہی تھی وہ بھنا اٹھا۔

''اگر ان اختیارات کا استعمال بلال کے پرپوز کرنے سے قبل ہو جائے تو زیادہ مناسب ہے ورنہ۔۔۔''

''تم اپنی چونچ بند رکھو۔'' شعیب طیش میں آ گیا۔

''چلو دیکھیں گے' کیا تیر مارتے ہو تم۔''

صائمہ کو اس کے چہرے کے تاثرات سے اپنی کامیابی صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ دیر تک مسکراتی رہی۔ اسے یقین تھا کہ اب شعیب ہنگامہ ضرور کرے گا اور وہی ہوا۔ شعیب نے پہلے بات شوکت صاحب سے کرنے کی ٹھانی' کیونکہ آسیہ بیگم سے اس سلسلے میں بات کرنا فضول تھا۔

''ابو وہ۔۔۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''

''خیریت ہے ! ایسی کون سی بات ہے جو تم کہتے ہوئے ہچکچا رہے ہو۔ ورنہ تمہاری والدہ کی تربیت نے تو تم لوگوں کو اس حد تک بے باک کر دیا ہے کہ۔۔۔''

شوکت صاحب سب کچھ جانتے تھے کہ آسیہ بیگم کا روّیہ ان کی بیوہ بہن اور بچوں کے ساتھ کیسا ہے اور شعیب بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر چلتا رہا ہے' اس لیے وہ اس سے خائف ہی رہتے تھے۔

''ابو ! میں جانتا ہوں۔ آپ مجھ سے خفا ہیں۔ لیکن یہ ایسی بات ہے کہ میں صرف آپ ہی سے کر سکتا ہوں' امی سے نہیں۔'' وہ ابو کے روّیے سے خوفزدہ سا ہو گیا۔

''اچھا کیا میری بھی کوئی حیثیت ہے کسی کی نظروں میں۔''

شوکت صاحب گزرنے والے حالات اور بیوہ بہن کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی وجہ سے بہت بددل ہو گئے تھے۔

''ابو ! آپ تو بہت خفا ہیں۔ ٹھیک ہے۔ میں بات ہی نہیں کرتا۔'' شعیب کی طبیعت کا اکھڑ پن عود آیا۔

''نہیں کہو۔'' شوکت صاحب نرم پڑتے ہوئے بولے۔

''ابو وہ۔۔۔ وہ میں زیب سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا۔۔۔'' شوکت صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

''تم اپنے حواسوں میں تو ہو' یا پھر ماں بیٹے نے کوئی نئی چال چلی ہے۔''

شوکت صاحب نے مشکوک نظروں سے بیٹے کو گھورا۔ تو وہ نظریں چرا کر رہ گیا۔ ٹھیک ہے ' وہ زیب کو چاہتا ضرور تھا۔ مگر اب اسے اتنی اہمیت بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ تو صائمہ کی بھڑکائی ہوئی آگ تھی۔

''آپ کو یہ بات پسند نہیں ابو۔۔۔۔'' الٹا اس نے سوال داغ دیا۔

''نہیں۔۔۔۔'' شوکت صاحب نے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور لحاظ کے انکار کر دیا۔

''اس لیے شعیب کہ میں نہیں چاہتا کہ وہ معصوم بچیاں تمام عمر آگ میں ' نفرتوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے گزار دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان لڑکیوں کی شادیاں ایسے گھرانوں میں کروں ' جہاں سے ان کو عزت اور محبت ملے ' تمہارے ساتھ کر کے تو تمام عمر کے لیے اس کو غلام بنانے والی بات ہو گئی اور یہ مجھے گوارا نہیں۔''

شوکت صاحب کے انکار کے بعد شعیب تلملا کر رہ گیا۔ صائمہ کی مکروہ ہنسی اسے قریب ہی سنائی دینے لگی۔ ساتھ ہی بلال اور زیب کی شادی کا منظر اسے بے کل کر گیا۔ یہ تو وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ زیب بلال کی ہو جائے ' چنانچہ اس نے پینترا بدلا۔

''ٹھیک ہے ابو! آپ میرے گزشتہ روّیے کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں ' تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں زیب کو خوش رکھوں گا۔ اپنی پچھلی تمام خطائوں کا ازالہ کر دوں گا۔ آپ کے سامنے ہو گا ' جو بھی ہو گا۔ جہاں آپ مجھے غلط پائیں ٹوک دیں۔ دیکھیں ابو! زیب مجھے بہت پسند ہے اور میں نے سنا ہے کہ وہ بھی۔۔۔۔''

وہ جھوٹ بولتے بولتے ایک دم چپ ہو گیا۔ مگر شوکت صاحب سوچ میں ضرور پڑ گئے تھے۔ اگر واقعی شعیب راضی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں اور پھر اطمینان کی بات تو یہ تھی کہ زیب سامنے رہے گی۔ تب وہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گے۔ وہ اندر ہی اندر بہت کچھ سوچ کر فیصلہ کر چکے تھے۔ تاہم وہ شعیب کو اتنی جلدی ہاں میں جواب دینا

نہیں چاہتے تھے۔

''ٹھیک ہے ' اتنے بڑے فیصلے اتنی جلدی اور آسانی سے نہیں ہو جاتے۔ میں خود بھی سوچ لوں۔ پھر بات کروں گا نسیمہ سے۔ اگر وہ دونوں تیار ہوئیں تو تب یہ بات آگے بڑھے گی ' اگر نسیمہ کو یہ بات پسند نہ ہوئی تو پھر اس سلسلے کو ختم سمجھنا۔''

شوکت صاحب نے ساری بات نسیمہ بیگم کی پسند و ناپسند پر ڈال کر اسے اور پریشان کر دیا تھا ' مگر پھر کچھ سوچ کر وہ مسکرا دیا۔

☆...☆...☆

مہوش سے شادی کرتے وقت نبیل کو مشکلات کا اندازہ تو تھا ' مگر اتنی مشکلات کا نہیں تھا۔ وہ ہنی مون منا کر واپس آ گیا تھا۔ مہوش کو ذاتی فلیٹ خرید کر دیا تھا۔ مگر مہوش کا تقاضا تھا کہ وہ گھر میں سب کے ساتھ رہے گی اور یہ کہ وہ اس شادی کو منظر عام پر لائے۔

''وِشی! تم اب میری جیون ساتھی ہو۔ تمہیں ہر بات کو سنبھالنا چاہئے۔ ابھی وقت نہیں آیا کہ میں تمہیں منظر عام پر لائوں۔''

''نبیل! میں نے تم سے شادی کی ہے۔ کوئی گناہ نہیں کیا کہ ہم یوں چوروں کی طرح چھپتے چھپاتے تمام عمر گزار دیں۔ تقریباً ایک ماہ ہو گیا ہے ہمیں وہاں سے واپس آئے۔ آپ بتائیں کبھی ڈھنگ سے آپ میرے ساتھ رہے ہیں۔ آتے ہیں مہمانوں کی طرح تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ آخر میرا کیا قصور ہے کہ یہ تنہائیاں میرا مقدر بنا دی جائیں۔'' مہوش روتی چلی گئی۔ نبیل کچھ دیر اسے روتا دیکھتا رہا۔

''دیکھو' مجھے اندازہ ہے تمہاری تکلیف کا۔ تنہائی کا' مگر تم میرے گھر کے ماحول اور گھر والوں کو نہیں جانتیں۔۔۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ اس شادی کو ظاہر کر دیا گیا' تو کتنی بڑی قیامت آئے گی۔''

''اگر اپنے گھر والوں کا اتنا ہی خیال تھا تو کیا ضرورت تھی مجھے برباد کرنے کی۔ شادی کرنے کی۔ اپنی جھوٹی محبت کی زنجیروں میں جکڑنے کی۔''

''نبیل! میں کچھ نہیں جانتی مجھے میری شناخت چاہئے' گھر چاہئے' آزادی چاہئے کہ میں تمہاری بیوی ہوں' اس بڑی فیملی کی بہو ہوں' جس کا معاشرے میں بہت بلند مقام ہے' حیثیت ہے۔'' مہوش اس کی مجبوریوں کو سمجھنے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی۔

''اوکے وِشی! جہاں اتنا عرصہ انتظار کیا ہے' وہاں چند روز اور انتظار کر لو۔ راحیل بھائی کی شادی ہو جائے تو میں خود تمہیں سب کے سامنے لے جاؤں گا۔ مما' پپا سے کہوں گا۔ شہرین کی طرح یہ بھی آپ کی بہو ہے' اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا شہرین کا۔'' نبیل نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے تسلی دی' مگر وہ مطمئن نہ ہوئی اور ہاتھ چھڑا کر کھڑی ہو گئی۔

''اور آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ کے گھر والے مجھے شہرین والی حیثیت سے قبول کر لیں گے' جس کو انہوں نے خود پسند کیا۔ جو ان کے اسٹینڈرڈ کے لوگوں کی بیٹی ہے۔ اس کے مقابلے میں میری کیا حیثیت ہو گی۔ ہرگز نہیں۔۔۔ کوئی حیثیت نہیں دیں گے وہ لوگ مجھے۔ وہ تو شاید ملازمہ کی حیثیت سے بھی قبول نہ کریں۔''

''نہیں وِشی! ایسی بات نہیں۔ ٹھیک ہے' مما' پپا سخت ہیں اور زندگی کے انہوں نے کچھ اصول بھی بنا رکھے ہیں' جس پر وہ سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں۔ مگر بہنیں فاطمہ' آمنہ باجی بہت اچھی ہیں۔ سجل تو بالکل دوستوں کی طرح ہے' میری بہنیں بہت اچھی ہیں۔''

''ہاں۔۔۔ اچھی ہیں تو اب تک بیٹھی ہوئی ہیں ناں' ورنہ ایسے والدین اولاد کو ہونہہ۔''

''وِشی! خدا پر بھروسا رکھو وہ۔۔۔ بہتر کرنے والا ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں' راحیل بھائی کی شادی کی وجہ سے بہت مصروفیت ہے' فکر نہ کرنا' خدا حافظ۔''

نبیل اسے تسلیاں دیتا باہر نکل گیا' اسی وقت بیگم جان آ گئیں۔

''کوئی بات بنی؟''

''نہیں ممی! وہ کہہ رہے تھے کہ راحیل کی شادی ہو جائے تو پھر کوئی حتمی فیصلہ کریں گے۔''

''بی بی! اگر تم اس کی باتوں میں یوں ہی آتی رہیں ناں تو ہو چکیں کامیاب۔ وہ اسی طرح گولیاں فٹ کرتا رہے گا اور تم بس اس کی چاہتوں کے دیپ ہی جلاتی رہنا' اپنے ارمانوں کی قبر پر۔'' بیگم جان نے عیار نظروں سے اسے دیکھا۔

''پھر کیا کروں ممی۔۔۔؟'' وہ روہانسی ہوگئی۔وہ چونکہ نبیل کو چاہتی تھیں' اس لیے بیگم جان کی ہدایات کے باوجود نبیل کی بات مان لینے پر مجبور تھی۔

''اب تم نے کچھ نہیں کرنا۔ میں نے کرنا ہے۔'' بیگم جان نے پختہ لہجے میں کہا۔

''لیکن ممی! جو کچھ بھی کرنا ہے' راحیل کی شادی کے بعد کرنا ہے۔میں نہیں چاہتی کہ رنگ میں بھنگ پڑ جائے اور نبیل مجھ سے متنفر ہو جائے۔''

''ہونہہ! کتنا خیال ہے تمہیں اس شریف زادے کا۔ لیکن چلو' تمہاری خاطر راحیل کی شادی کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائیں گے ہم۔''

نبیل تو ڈرتا ہی رہا' مگر شکر ادا کیا اس نے اس وقت جب راحیل کی شادی خیریت کے ساتھ ہوگئی۔اور کوئی بدمزگی نہیں ہوئی۔اس بات نے اس کے دل میں مہوش کی قدر بڑھادی۔شادی کے بعد راحیل اور شہرین ہنی مون کے لیے ملک سے باہر جا چکے تھے۔اس روز فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی۔کوئی بھی نہیں تھا۔صوفیہ بیگم کو خود ہی آنا پڑا۔

''ہیلو۔۔۔!''

''ہیلو جی۔۔۔آپ نبیل کی مما بات کر رہی ہیں۔۔۔؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''جی ہاں!'' صوفیہ بیگم نے حیرت سے کہا۔

''آپ کون بات کر رہی ہیں؟''

''جی میں نبیل کی ساس بات کر رہی ہوں۔''

''جی۔۔۔!!''

☆...☆...☆

''واٹ نان سینس کون ہو تم اور یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟''

صوفیہ بیگم جھٹکے سے کھڑی ہو گئیں۔ان کے کانوں میں گویا پگھلا سیسہ انڈیل دیا تھا اس آواز نے۔

''یہ مانا بیگم صاحبہ کہ آپ بہت پڑھی لکھی اونچے گھر کی بیگم صاحبہ ہیں اور اتنی حیثیت والی ہیں کہ منٹوں میں کسی کو بے حیثیت کر سکتی ہیں لیکن اتنی جاہل اور بے حیثیت تو میں بھی نہیں۔آپ کی اس بات کے جواب میں شٹ اپ تو میں بھی کہہ سکتی ہوں۔آپ کو مگر کیا کروں مجبور ہوں۔بیٹی کی ماں ہوں ناں۔اور لڑکی والوں کو یوں بھی جھک کر رہنا پڑتا ہے۔آپ میری بیٹی مہوش کی ساس ہیں اور آپ کی عزت میرا فرض ہے۔''

طیش اور غصے میں آنے کے بجائے بیگم جان بے انتہا تحمل سے کام لیتے ہوئے سرد اور نرم لہجے میں بات کر رہی تھی جبکہ صوفیہ بیگم مارے غصے کے کانپ رہی تھیں۔

''مماجان! کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے ناں؟ کس کا فون ہے۔''

فاطمہ نے ماں کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھا اور کانپتے ہاتھوں سے ریسیور کریڈل پر رکھ کر ماں کو بٹھا کر پانی پلایا جن کے کانوں میں بیگم جان کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ان کی سانس تیز تیز چلنے لگی۔ بھلا یہ کوئی معمولی بات تھی کہ ایک نامعلوم عورت خود کو ان کے بیٹے کی ساس کہہ رہی تھی اور اپنی بٹی کو ان کی بہو قرار دے رہی تھی۔ بھلا ایسے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

''نہیں وہ... وہ بکواس کر رہی تھی۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔''

صوفیہ بیگم جیسے خود سے بڑبڑائیں۔ فاطمہ پریشان ہو گئی۔

''مما پلیز' کچھ بتائیں۔ کون کیا کہہ رہی تھی؟''

فاطمہ نے ماں کی پیشانی سے پسینے کو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ... وہ اسٹوپڈ عورت نجانے کون تھی۔ کہہ رہی تھی کہ میں تمہارے بیٹے کی ساس بات کر رہی ہوں' نبیل کی ساس۔''

صوفیہ بیگم نے بڑے خوفزدہ انداز میں فاطمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی مما! یہ کہا اس عورت نے۔''

فاطمہ کو خطرے کی گھنٹیاں قریب سنائی دیں مگر وہ اپنا کوئی خدشہ ظاہر کر کے ان کو مزید پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''ہاں... فاطمہ! اس نے یہ ہی کہا تھا کہ میں نبیل کی ساس بول رہی ہوں۔''

''اوہ نو مما! ایسا نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے رانگ نمبر ہو۔ میں آپ کو بتاؤں کہ ایک روز ہماری بیل ہوئی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو کوئی خاتون تھیں۔ کہنے لگیں بیٹی تم حیدر آباد کب جا رہی ہو۔ میں پریشان ہو کر بولی۔ آپ کون ہیں اور کس نمبر پر رنگ کیا ہے تو انہوں نے نمبر بتایا جو نمبر ہمارا نہیں تھا۔ بس یوں ہی لائن مل گئی تھی۔''

فاطمہ نے رانگ نمبر کی آڑ لے کر ماں کو مطمئن کرنا چاہا۔

''نہیں فاطمہ بیٹے! میرا دل خوفزدہ ہے۔ کوئی بات ہے ضرور ورنہ وہ اتنے پراعتماد لہجے میں کیوں کہتی کہ میں نبیل کی ساس بول رہی ہوں۔ یہ رانگ نمبر نہیں ہو سکتا۔''

وہ ماں تھیں اور ماں کے دل کو خدشات نے گھیر لیا تھا۔

''مما! کیا نبیل صرف ہمارے ہی نبیل کا نام ہے۔ بے شمار لڑکوں کے نام نبیل ہیں۔ آپ سمجھ بیٹھی ہیں کہ یہ ہمارے ہی نبیل کا ذکر ہے۔ آپ خود سوچئے

کہ بھلا ایسا ممکن ہے کہ... بس آپ ریلیکس ہو جائیں۔ آپ کو معلوم ہے ناں' ڈاکٹر نے آپ کو ٹینشن لینے سے منع کیا ہے۔ پلیز مما! آپ اس کو رانگ نمبر سمجھ کر بھول جائیں۔ میں آپ کی تسلی کرادوں گی۔ ذرا نبیل آ تو جائے۔ چلئے پلیز' آپ اپنے کمرے میں چلئے۔" فاطمہ الجھی الجھی سی صوفیہ بیگم کو ان کے کمرے میں لے آئی۔

"مما! اے سی آن کر دوں یا۔" اس نے اے سی کی طرف بڑھتے ہوئے مڑ کر پوچھا۔

"نو بیٹا! ایک کپ چائے اچھی سی بنا لاؤ۔ دماغ پھٹ رہا ہے درد سے۔ جانے کیوں..." صوفیہ بیگم بہت ڈپریس ہو رہی تھیں۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ فاطمہ خود پریشان ہو رہی تھی۔ اسے مما کی بہت فکر ہو رہی تھی۔ ایک تو وہ ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ پپا کی طرح اور دوسرے ان کو ایک بار ہارٹ اٹیک بھی ہو چکا تھا اور بقول ڈاکٹر معمولی سا ڈپریشن بھی ان کیلئے خطرناک ہو سکتا تھا۔

"مما پلیز' آپ ریلیکس ہو جایئے میں ابھی نبیل کو آفس سے فون کر کے آپ کے سامنے بات کرتی ہوں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ مما! ڈونٹ وری پلیز۔" فاطمہ ہر صورت میں ان کو پر سکون کرنا چاہ رہی تھی۔

"فاطمہ! اگر یہ سچ ہوا تو... تو تمہارے پپا... تمہارے پپا مجھے جو باتیں سنائیں گے میری تربیت پر جو حرف آئے گا اس سے قبل میں۔ میں جان دے دوں گی۔"

صوفیہ بیگم کے دماغ کی رگیں پھٹ رہی تھیں۔

"خدا نہ کرے مما! جو ایسا ہو۔ بس آپ آرام سے لیٹ جائیں۔ میں ابھی چائے لے کر آئی۔"

فاطمہ متفکر چہرہ لئے مما کو لٹا کر باہر آ گئی۔ آمنہ کچن میں تھی۔ فاطمہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر جلدی جلدی چائے بنانے لگی۔ آمنہ نے بغور بہن کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"خیریت! کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟"

فاطمہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔ مگ میں چائے انڈیلی اور باہر کی طرف آ کر پھر پلٹی۔

"ہاں' بہت خاص۔ تم اپنے کمرے میں چلو میں آتی ہوں اور سنو بے بی کو کچھ خبر نہ ہو کہ کوئی خاص بات ہے۔"

آمنہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے رشید کو ہدایات دے کر کمرے میں آ کر فاطمہ کا انتظار کرنے لگی جو مما کو چائے پلا کر ٹیبلٹ دے کر خاموشی سے آئی۔

"فاطمہ! آپ بتائیں ناں۔ آخر بات کیا ہے؟" آمنہ نے پھر بے چینی سے پوچھا۔

اندر آ کر فاطمہ کا کمرے کو اچھی طرح لاک کرنا اور اس کا خاموش' پریشان چہرہ آمنہ کو پریشان کر گیا۔

"یہاں بیٹھو آمنہ اور تحمل سے میری بات سنو۔"

اور پھر فاطمہ نے اسے قریب بٹھا کر ساری بات سنا دی تو کچھ دیر کیلئے آمنہ کے چہرے کا رنگ بدلا پھر وہ نارمل ہو گئی۔

"نہیں' یہ نہیں ہو سکتا۔ میں یقین نہیں کر سکتی۔" آمنہ نے سخت لہجے میں کہا۔

''ہاں آمنہ! میں نے بھی مما سے یہ ہی کہا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ مان لینے والی بات ہے کوئی۔''

''دیکھو باجی! میں اس لئے اس بات کو نہیں مان سکتی کہ قیدی جب قید میں ہوتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے۔ جیل کے قواعد کی خلاف ورزی کرنے کی' فرار ہونے کی کیا سزا ہو سکتی ہے۔ سزا حد سے تجاوز کر جائے تو موت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور زندگی تو سب کو پیاری ہوتی ہے اور میرا خیال ہے کہ انسان زندگی پر فرار کو فوقیت نہیں دے سکتا۔''

آمنہ کا لہجہ اور انداز انتہائی بے گانہ اور تلخ تھا۔ فاطمہ کو غصہ آ گیا۔

''آمنہ! تم نہ جانے کیوں اتنی تلخ رہتی ہو۔ معلوم بھی ہے کہ مما کتنی ڈپریس ہیں۔''

''مما نے کبھی دوسروں کی ڈپریشن کا خیال کیا ہوتا تو آج یوں ایک فون پر اتنی ڈپریس نہ ہوتیں بجو۔''

''آمنہ۔'' فاطمہ نے اسے ڈانٹا۔

''کیا آمنہ۔ آمنہ لگا رکھی ہے آپ نے۔ اول تو نبیل ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر کر بیٹھا ہے تو وہ حق بجانب ہے۔ شادی انسان کا حق ہے۔ جب۔''

''آئی ایم سوری آمنہ! مجھے تم سے بات کرنا ہی نہیں چاہئے تھی۔ تمہیں احساس ہی نہیں کہ اگر یہ بات سچ ہوئی تو کتنی بڑی قیامت آئے گی' کیا کیا تباہیاں ہوں گی۔''

''تو مجھ پر خفا کیوں ہو رہی ہیں۔ میں نے تو جیل کے قواعد کی خلاف ورزی نہیں کی جس نے کی ہے اسے پکڑیں۔''

''آمنہ!'' فاطمہ' آمنہ کو کچھ کہنا چاہتی تھی مگر پھر نیچے آ گئی۔ مما کے کمرے میں جھانکا وہ سو رہی تھیں۔ اس نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور لاؤنج میں آ گئی۔ میگزین پکڑے وہ خالی نگاہوں سے کھڑکی سے باہر لان کا منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے صرف نبیل کا انتظار تھا۔ وہ ساری باتوں پر غور کر رہی تھی کہ ایک عرصے سے امجد کے ساتھ اس کی دوستی بہت گہری ہو گئی تھی اور پھر رات رات بھر باہر رہنا عجیب پر اسرار سا ہو گیا تھا۔ نبیل کی گزشتہ باتوں کے حوالے سے آج کے فون کا کوئی نتیجہ حاصل کرنا چاہ رہی تھی کہ نبیل جو عام طور پر شام کو آیا کرتا تھا۔ انگلی پر گاڑی کی چابی گھماتا آ گیا۔

''نبیل!''

''جی!'' وہ جو تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا مڑ کر فاطمہ کو دیکھنے لگا۔ فاطمہ بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''یہاں آؤ اور اطمینان سے میری بات سنو اور جواب دو۔''

''خیریت باجی! آج آپ کچھ زیادہ سیریس نہیں ہو رہیں۔''

وہ ٹھنکا ضرور تھا لیکن اصل بات کیا ہے' یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

''آج ایک فون آیا تھا اور مما نے ریسیو کیا تھا۔''

اور پھر فاطمہ نے ساری بات بتادی تو نبیل کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ مارے گھبراہٹ کے ہاتھوں اور پیشانی پر پسینہ آگیا۔ اسے بیگم جان کی اس حرکت پر تاؤ آگیا تھا۔ ابھی تو اس نے ذہنی طور پر خود کو تیار بھی نہیں کیا تھا کہ وہ گھر میں بات کرے۔ فاطمہ بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''نبیل! چپ کیوں ہو؟ دیکھو' کوئی دھاکہ مت کرنا۔ مما کی حالت تو یہ سنتے ہی خراب ہو گئی ہے اگر کوئی۔''

''ڈیم اٹ باجی! ایک رانگ کال کو آپ لوگوں نے اتنا اہم ایشو بنالیا کہ۔ کیا دنیا میں صرف میرا نام نبیل ہے اچھا اور کیا کہا اس عورت نے؟''

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والا حساب کیا تھا نبیل نے۔ فاطمہ کو اس کے یوں طیش میں آجانے سے تسلی ہوئی۔

''تو... تو نبیل ایسی کوئی بات ہے تو نہیں ناں۔ میں... مما کو یقین دلادوں کہ وہ کوئی رانگ کال تھی۔ ہو سکتا ہے کسی نے ہمارے ساتھ شرارت کی ہو۔''

''جی... جی بالکل آپ ان کو مطمئن کر دیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اوکے میں آفس واپس جارہا ہوں اور ہو سکتا ہے' آج دیر ہو جائے۔ آپ کو معلوم تو ہے کہ فیکٹری کا سٹارٹ ابھی نیا ہے تو بہت کام ہے۔ میں لیٹ آئوں گا۔''

وہ نظریں چراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا کہ فاطمہ کو اس کی بات پر اعتبار آیا بھی ہے کہ نہیں۔ اس نے گاڑی فل سپیڈ پر چھوڑ دی۔ بیگم جان پر تو غصہ اس قدر آرہا تھا کہ جی چاہتا تھا اس مکار ہوس پرست عورت کا گلا دبا دے۔

''کہاں ہیں تمہاری چہیتی می؟'' وہ آتے ہی مہوش پر برس پڑا۔

''تحمل سے نبیل! کیا ہو گیا ہے آخر؟ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟''

مہوش نے آج پہلی بار اسے یوں غصے میں دیکھا تھا۔

''کیا خاک تحمل سے کام لوں۔ کیا تمہیں یا تمہاری می کو میری وفائوں پہ شبہ تھا یا ہے۔'' نبیل بری طرح آگ بگولہ ہو رہا تھا۔

''نہیں... نہیں نبیل! کیا بات ہوئی ہے؟ آپ کی وفائوں پر ہمیں کیوں شبہ ہونے لگا۔''

''تو پھر تمہاری می نے میرے گھر فون کیوں کیا۔ کچھ پتا بھی ہے میری مما ہارٹ پیشنٹ بھی ہیں اور ان کا بلڈ پریشر معمولی سی پریشانی پر ہائی ہو جاتا ہے اور پپا کا بھی یہ ہی حال ہے۔ وہ تو غنیمت ہے کہ فاطمہ باجی نے معاملہ سنبھال لیا ورنہ۔''

''ورنہ... ورنہ کیا ہو جاتا تمہاری می کو ہارٹ اٹیک ہو جاتا یا تمہارے پپا کو؟''

''بیگم جان اسٹاپ اٹ۔'' نبیل زور سے دھاڑا تو بیگم جان جو بڑے غصے میں تھیں مگر وہ اپنے غصے کو اور ہی انداز میں اتارنے کی قائل تھیں وہ آگے بڑھیں۔ جلتا ہوا سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا اور نبیل کو غور سے دیکھنے لگیں۔

''تو تمہیں بولنا بھی آتا ہے' وہ بھی اتنی بلند آواز میں... میرے سامنے۔''

''می پلیز آرام سے دونوں بیٹھ کر بات کریں۔ نبیل بخدا مجھے نہیں معلوم کہ می نے آپ کے گھر فون کیا ہے ورنہ۔'' مہوش نہیں چاہتی تھی کہ کوئی ہنگامہ

ہو۔

"ورنہ کیا تم مجھے روک دیتیں۔ لڑکی میں تمہارے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہوں۔ وقت کی لگام آہستہ آہستہ ہمارے ہاتھ سے کھسک رہی ہے۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں' یہ صاحبزادے صرف زبانی باتیں کرتے ہیں۔ ایک وہ بہو شہرین ہے اس گھر کی۔ ہنی مون منانے ورلڈ ٹور پر نکلی ہوئی ہے۔ وہ اس گھر کی باعزت ہے جو تمہاری جوتی کے برابر بھی نہیں اور ایک بہو تم ہو' اس گھر کی کہ گمنامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو۔ سال ہونے والا ہے ناں تمہاری شادی کو؟ اس نے کیا کیا ہے؟ تمہارے لئے کتنی جگہ بنائی ہے گھر میں؟ اور دیکھ لینا تم کبھی شہرین والی حیثیت نہیں اختیار کر سکتیں۔ بالآخر یہ صاحب والدین کی پسند کی شادی کر لیں گے اور تم۔"

"پلیز بیگم جان! میرے بارے میں اتنا غلط مت سوچیں۔ آپ تھوڑا سا تعاون کریں میرے ساتھ۔ میں نے اب تک کون سا آپ لوگوں سے جھوٹا وعدہ کیا ہے جو آپ لوگ بے اعتبار ہو رہی ہیں۔ دیکھ لیجئے میں شہرین والی حیثیت دلا کر رہوں گا مہوش کو گھر میں۔"

"ہونہہ! کب تک' ان ہی بہلاووں میں عمر بیت جائے گی میری نازوں پلی بیٹی کی۔"

"ممی درست کہہ رہی ہیں۔ مجھے تو خود یقین ہے کہ آپ کچھ نہیں کریں گے اور میں یہیں زنداں میں زندگی گزار دوں گی۔"

مہوش نے بھی ممی کے خیالی مفروضے پر اپنی یقین دہانی کی مہر ثبت کر دی تو وہ سر تھام کر رہ گیا۔

"وشی! خدا کیلئے تم تو میری جیون ساتھی ہو' تم تو ایسی باتیں نہ کرو۔"

نبیل نے بے چارگی سے مہوش کو دیکھا تو دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

"ٹھیک ہے ہم تمہیں چند ماہ کی مہلت اور دے رہے ہیں' اس کے بعد میں خود وشی کو تمہاری بیوی کی حیثیت سے تمہارے گھر چھوڑ کر آئوں گی۔"

بیگم جان نے فیصلہ کن لہجے میں مہوش کو یقین دلایا اور نبیل کو یقین تھا کہ اگر اب تاخیر کی گئی تو یہ دونوں وہ کچھ کر گزریں گی جو کہتی ہیں۔

"نہیں آنٹی! اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ میں خود وشی کو اپنی بیوی کی حیثیت سے لے کر گھر جائوں گا۔"

"ٹھیک ہے نبیل! اب کی بار ہم اعتبار کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے بدعہدی کی تو ممی پھر کچھ بھی کارروائی کرنے میں حق بجانب ہوں گی۔ سوچ لیں آپ۔' کبھی کبھی تو مہوش بھی بالکل بیگم جان والے انداز میں بات کرتی جو کہ نبیل کو بہت برا لگتا مگر اس نے بھی بہت کچھ سوچ رکھا تھا گھر میں جگہ بنانے کے بعد وہ بیگم جان سے مستقل چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ فی الحال تو وہ ان کی ہر شرط مان لینے کا پابند تھا۔

☆...☆...☆

"یار! یہ فرسٹ پراف تو لگتا ہے جان لے کر رہے گا۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کتابوں کو اٹھا کر باہر پھینک دوں۔ یہ ڈاکٹری کا شوق بھی بس میرے ابو کو ہے ورنہ میں تو..." اسد کے دوست شہزاد نے جو پڑھتے پڑھتے اکتا گیا تھا کتابوں کو گھورا اور حقیقت بھی یہ ہی تھی کہ وہ ڈاکٹر بننا ہی نہیں چاہتا تھا' مگر ابو کا اصرار تھا کیونکہ اس کی امی کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کے ابو کہتے تھے کہ اگر اس وقت گھر میں کوئی ڈاکٹر ہوتا تو شاید بیماری کا جلدی پتا چل جاتا۔ اسی لئے وہ شہزاد کو ہر صورت میں ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے۔ ان کا یہ فلسفہ تھا کہ بے شک ڈاکٹر خدا کی بخشی ہوئی زندگی کو کم یا زیادہ تو نہیں کر سکتے مگر بروقت دیکھ کر' دوا

دے کر تکلیف تو کم کر سکتے ہیں اور آج کل چونکہ ان کا فرسٹ پراف ہونے والا تھا اس لئے وہ اسد کے ساتھ مل کر اس کے گھر میں کمبائن سٹڈی کرنے آجا کرتا تھا۔

"معاشرے میں باعزت مقام حاصل کرنے کیلئے محنت تو کرنا پڑتی ہی ہے شہزاد صاحب! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم انجینئرنگ کرتے یا سی ایس ایس کرتے تو جواب میں کوئی شہزادی آن کر ان کی ڈگری تھما جاتی۔ جناب عزت محنت مانگتی ہے۔ محنت کرو پھر عزت پاؤ۔ لگتا ہے فلاسک میں چائے ختم ہو گئی ہے جب ہی دماغ خراب ہو رہا ہے۔ لاؤ ادھر اور بنوا لاتا ہوں۔"

اسد نے فلاسک اٹھائی کیونکہ اسے معلوم تھا شیراز چائے کے بغیر پڑھ ہی نہیں سکتا تھا۔

"چھوڑو یار! ایک بج رہا ہے۔ سب سو چکے ہوں گے کیوں ڈسٹرب کرتے ہو۔"

"تمہیں کسی کی فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں چائے مل جائے گی خواہ خود بنا کر لاؤں۔"

اسد فلاسک اٹھا کر کچن کی طرف آگیا مگر کچن کے دروازے کے باہر ہی قدم جم گئے۔ شذرا تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد کچن کے فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی

تھی۔ بند آنکھوں سے گرم پانی کا چشمہ ابل رہا تھا اور ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے تھے۔

"اے خدائے لاشریک ہمیں معاف کر دے ہم بہت کمزور اور کم ظرف ہیں۔ ایسی آزمائش کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اے ہمارے خالق ہم کہاں تک برداشت کریں۔ باپ کو تیری پاک ذات نے پہلے بلا لیا۔ بھائی لاپتا ہے اور ماں بہنیں جدا ہیں۔ ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی مل نہیں پاتے۔ یہ کیسی آزمائش ہے ہمارے ضبط کی' ہمارے صبر کی۔"

اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔ الفاظ اس کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے لیکن اتنا ضرور تھا کہ اس کی آنکھوں سے بہتے نمکین پانی کا نمک اسد کو اپنے دل کی سخت پتھریلی چٹان کاٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ کتنی دکھی' کتنی تنہا لگ رہی تھی وہ' مگر دوسرے ہی پل اس سے ازلی بیر اور چڑ جاگ اٹھی۔

اس نے ٹرے پٹخنے کے سے انداز سے رکھی۔ شذرا شور سے ایک دم سیدھی ہو گئی۔ سامنے اسد کو دیکھ کر اس نے دوپٹے سے سختی سے چہرہ رگڑ ڈالا۔

"یہ اس وقت ٹسوے بہا کر کسے دکھا رہی تھیں؟" وہ زہر خند لہجے میں بولا۔

"ہونہہ! جسے دکھا رہی تھی۔ اس کی پاک ذات نے دیکھ بھی لیا ہے اور سن بھی لیا ہے۔"

وہ اسی طرح تڑ سے بولی تو وہ کھسیانا سا ہو گیا۔

"اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ اور چائے بناؤ اور چائے بنا کر دروازے پر دستک دے دینا' خود نہ اندر آجانا۔" وہ جلدی سے بولتا نکل گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا نہیں' اسے معلوم تھا شذرا کا مارے غصے کے برا حال ہو گا اور شدرہ کو اتنا غصہ چائے بنانے کے آرڈر پر نہیں آیا تھا' جتنا غصہ اندر نہ آجانا کہنے پر آیا تھا۔

''ذلیل کمینہ' اللہ میاں جی! آپ اس ذلیل انسان کو بہت کڑی سزا دیں' ہر پل رلاتا ہے مجھے۔''

جی تو یہ چاہ رہا تھا کہ سب کچھ توڑ دے۔ خاص کر گرم گرم چائے اسد پر انڈیل دے' مگر اسے بڑے ماموں کی باتیں یاد آ گئیں۔ اس نے دروازے پر دستک بھی نہیں دی۔ ٹرے دروازے کے قریب رکھ کر آ گئی۔ چائے کا کہے کافی دیر ہو گئی تھی۔ شہزاد دو بار پوچھ چکا تھا۔ اسد اس کی دستک کا منتظر تھا' مگر جب دستک نہیں ہوئی تو وہ خود اٹھا' دروازہ کھولا تو ٹرے موجود تھی۔ وہ کچھ جھنجھلایا' کچھ غصہ آیا اور کچھ نادم بھی ہوا۔

''احمق لڑکی نہ جانے کب سے رکھ کر گئی ہے اور بتایا بھی نہیں۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا چائے اٹھا لایا۔

''یار بڑی اچھی بہنیں ہیں' اتنی رات گئے چائے بنا کر دے دی اور تم پھر بھی بڑبڑا رہے ہو۔''

شہزاد ایک دم چائے دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

''بہنیں کہاں یار! وہ تو سب سو رہی ہیں۔''

''تو چائے کسی پری نے بنا کر دی ہے؟'' شہزاد ہنسا۔

''نہیں یار! کزن ہے۔''

''کزن! اوہو جب ہی۔'' شہزاد شوخ ہوا' مگر اسد اسے گھورنے لگا۔

''بکومت! چائے ٹھونسو اور کتاب کھولو۔''

جانے کیوں اسد کو شہزاد کا یوں بات کرنا اچھا نہیں لگا۔

☆...☆...☆

''امی... امی جان! صائمہ باجی! کہاں ہیں آپ سب؟''

''اسد! کیا ہو گیا ہے؟ کیوں ہنگامہ مچا رہے ہو' توبہ ہے' اتنی اچھی نیند آ گئی تھی۔''

صائمہ یونیورسٹی سے آ کر لیٹ گئی تو پتا ہی نہیں چلا کب گہری نیند کے حوالے ہو گئی۔ اسد کے شور پر آنکھیں ملتی باہر آ گئی' جہاں اسد ہاتھ میں شرٹ لئے کھڑا تھا جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔

''باجی! آپ کو تو بس دن رات سونے سے فرصت نہیں۔ یہ دیکھئے' میری نئی شرٹ صرف ایک بار پہنی ہے میں نے اور یہ حشر ہو گیا ہے اس کا۔''

اسد نے شرٹ غصے سے زمین پر پٹخی' جو وہ چند روز قبل لایا تھا' قیمتی بھی تھی اور اسے پسند بھی۔

''ہاں واقعی! یہ تو نئی شرٹ تھی' مگر یہ اس طرح کیسے پھٹ گئی؟''

صائمہ نے ہاتھ سے جمائی روکتے ہوئے شرٹ زمین پر سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس شور میں زاہدہ بیگم بھی آ گئیں۔

"کیا ہوا؟ کیسا شور ہے؟"

"یہ دیکھئے' نئی شرٹ کا حال' نہ جانے کیسے کپڑے دھوتی ہیں آپ لوگ۔"

اسد کو بے حد غصہ آرہا تھا سب پر' اتنی اچھی شرٹ خراب کر دی تھی۔

"ہائے اللہ یہ ابھی چند روز پہلے تو تم لائے تھے' کپڑے تو ہمیشہ شنذرا دھوتی ہے۔ ٹھہرو ابھی خبر لیتی ہوں اس کی۔ شنذرہ... شنذرہ... ! فرخ! کہاں ہے یہ شنذرہ؟"

زاہدہ بیگم بولتی ہوئی کوریڈور میں آگئیں جہاں فرخ مل گیا۔

"امی! وہ تو لیٹی ہوئی ہیں۔" فرخ سہم گیا کہ اب ہنگامہ ہوا۔

"جاؤ بلا کر لاؤ' مہارانی پڑی سو رہی ہیں۔"

"جی اچھا۔"

اور پھر کچھ ہی دیر بعد شنذرا عدالت میں کھڑی تھی' مگر چہرے پر نہ کسی خطرے کی جھلک تھی اور نہ ہی کردہ یا ناکردہ جرم کی سزا پانے یا ملنے کا خوف۔

"جی!" وہ لٹھ مار انداز میں بولی۔

"یہ اس شرٹ کا کیا حشر کیا ہے پتا بھی ہے کتنی قیمتی شرٹ ہے میرے بچے کی' اسے پہننی بھی نصیب نہیں ہوئی چار دن۔"

زاہدہ بیگم نے شرٹ اس کی طرف اچھال دی۔

"کئی بار تو آپ کو بتا چکی ہوں کہ واشنگ مشین خراب ہے' کئی کپڑے خراب ہو چکے ہیں۔"

اس نے کمال ڈھٹائی اور اعتماد سے جھوٹ بولا۔

"مگر یہ مشین سے پھٹی ہوئی نہیں۔ باقاعدہ قینچی سے کترا گیا ہے اسے۔"

اسد شرٹ لے کر اس کی طرف خونخوار انداز میں بڑھا مگر وہ متاثر نہیں ہوئی۔ وہ دوسرے کمرے میں گئی اور فرخ کی وہ شرٹ لے آئی جو اس روز مشین میں آکر پھٹی تھی۔

"یہ دیکھئے ماموں جان! یہ فرخ کی شرٹ ہے' جو اس روز مشین میں آگئی تھی' آپ ہی بتائیں' دونوں میں کیا فرق ہے؟"

شنذرا نے خاموش کھڑے مشتاق احمد کو منصف کے عہدے پر فائز کرتے ہوئے دونوں شرٹس ان کے سامنے رکھ دیں' تو وہ حیران نظروں سے دیکھنے لگے۔ دونوں ایک ہی طرح کی کٹی تھیں۔ انہوں نے خیال کیا چونکہ شنذرا اور اسد کی بنتی نہیں' اس لئے اسد اس پر قینچی سے کاٹنے کا الزام لگا رہا ہے۔

"اوہو! کیا بچوں والی باتیں کر رہے ہو تم دونوں۔ شرٹ ہی ہے ناں' پھٹ گئی' آگئی ہوگی مشین میں۔ شنذرا! لے جاؤ یہ شرٹ اور اسد بیٹے! تم اور لے آنا ایسی کئی شرٹس۔"

اور یوں شرٹ والا معاملہ جلد ہی نمٹ گیا' لیکن اسد کو یقین تھا کہ شنذرا جھوٹ بول رہی ہے۔ شرٹ اس نے دانستہ کاٹی ہے اور حقیقت بھی کچھ یہ ہی

تھی۔

اس رات جب اسد نے اسے ڈانٹا اور چائے بنانے کو کہا تھا اور اگلے روز جب وہ کپڑے دھو رہی تھی اور اسد نے یہ شرٹ بطور خاص احتیاط سے دھونے کی تاکید کی تھی۔ مامی تو کسی مہمان کے جانے سے ہٹ گئیں اس نے دانستہ طور پر اس کی شرٹ مشین کے چکر میں پھنسا کر بٹن آن کر دیا تھا۔ اس وقت تک خالی مشین چلائے رکھی' جب تک شرٹ کا حشر نشر نہیں ہو گیا اور جب شرٹ خراب ہو گئی تو کتنی خوشی ہوئی تھی اسے' کتنا سکون ملا تھا اور اب بھی وہ فاتحانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر آ گئی۔ اسد پائوں پٹخ کر رہ گیا۔

☆...☆...☆

شذرا کا امی سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا اور کئی دن سے وہ کافی پریشان تھی کیونکہ اسے امی کے بارے میں پریشان کر دینے والے خواب بھی آ رہے تھے۔ اس روز بھی اس نے امی کے بارے میں خواب دیکھا تو صبح ہی زاہدہ بیگم سے کہہ دیا۔

''مامی! آج میں بڑے ماموں کی طرف چلی جائوں؟''

ناشتے کے برتن سمیٹتے ہوئے شذرا نے کہا تو زاہدہ بیگم چائے کا کپ رکھ کر اسے گھورنے لگیں۔

یہ لڑکی تو ایک آنکھ بھی نہیں بھاتی تھی ان کو' مگر اسد کی ضد کی وجہ سے برداشت کرنا پڑ رہی تھی۔

''چلی جانا' میں نے کوئی بیڑیاں تو نہیں ڈالی ہوئیں پیروں میں۔''

شذرا نے جلدی جلدی کام نمٹائے اور تیار ہو کر آ گئی۔

''فرخ! چلو آج امی سے ملنے جانا ہے۔''

''شذرا باجی! آج جانا کیا ضروری ہے؟'' فرخ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''ہاں' بہت ضروری ہے' اتنا دل چاہ رہا ہے امی سے ملنے کو۔ خود تو تم ہو آتے ہو۔ قیدی تو میں ہوں کہ خود نہ نکل سکتی ہوں اور نہ جا سکتی ہوں' مگر تمہیں انکار کیوں ہے؟'' شذرا نے تیکھی نظروں سے فرخ کو دیکھا تو وہ جز بز ہو گیا۔

''وہ شذرا باجی! ذرا اسد بھیا!''

''بکومت! یہ اسد تم پر بھوت کی طرح سوار ہو گیا ہے۔ ہر کام اس کی پسند سے کرتے ہو۔ زر خرید غلاموں کی طرح۔ وہ تو یہ ہی چاہتا ہے۔ تمہارا مستقبل برباد کر دے اور میں سب سمجھتی ہوں کہ کھلا پلا دیتا ہو گا' اپنے کام نکلوانے کیلئے اور سن لو' میں امی سے تمہاری شکایت کروں گی۔''

اسد کا نام آتے ہی اس نے فرخ کو بے نقط سنا ڈالیں اور وہ سنتا رہا' کھولتا رہا' مگر اسد کی طرف سے سختی سے ہدایت تھی کہ اصل صورت حال جس دن تم

نے بتادی' اسی روز وہ دوستی والا رشتہ ختم ہو جائے گا۔ اب اتنی کڑی شرط وہ نہیں توڑ سکتا تھا' لہٰذا شذرا کی باتوں کے باوجود وہ خاموش رہتا۔ اس وقت بھی سو باتیں سن کر وہ خاموش کھڑا تھا کہ اسد تیار ہو کر آ گیا۔

"ہاں بھئی فرخ! تیار ہو جاؤ' جلدی کرو' ایک تو تم سست بہت ہو۔"

شذرا کے سامنے اسد' فرخ کے ساتھ خواہ مخواہ ہی سخت لہجے میں بات کرتا۔

"فرخ کہیں نہیں جائے گا۔" شذرا نے فرخ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔

"کیوں فرخ کے پیروں میں مہندی لگ گئی ہے کیا؟" اسد اسے چڑانے والے انداز میں بولا۔

"اس لئے کہ یہ میرے ساتھ جا رہا ہے امی سے ملنے۔" شذرا نے اسی طرح سخت لہجے میں کہا۔

"کیوں؟" اسد نے عجیب سا سوال کیا تو اسے تاؤ آ گیا۔

"ماؤں سے کیوں ملا جاتا ہے' اس لئے کہ ان سے ملنے کو دل چاہتا ہے۔"

وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔

وہ بائیک کے آئینے میں بال سیٹ کرتے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

"لڑکی! اپنے دل پر کنٹرول کرنا سیکھو۔ دل کنٹرول سے باہر ہو جائے تو ذلیل کر دیتا ہے زمانے بھر میں' چلو فرخ دیر ہو رہی ہے۔"

وہ اسے تپاتا ہوا' اس کی کسی بات کو خاطر میں لائے بغیر بولا تو وہ سلگ اٹھی۔

"میں نے بتایا ہے ناں کہ فرخ میرے ساتھ جا رہا ہے۔" وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"ارے تو اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا بات ہے۔ پھپھو سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے ناں' میرا دل بھی چاہ رہا ہے پھپھو سے ملنے کو۔ چلو فرخ! تم آج گھر پر رہو آئو میں تمہیں پھپھو سے ملانے کیلئے لے جاتا ہوں۔"

وہ مستقل جلتی پر تیل ڈال رہا تھا۔ اس بات پر تو شذرا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"ہونہہ! میں اور تمہارے ساتھ' وہ بھی بائیک پر۔"

اس کی زبان سے گویا شعلے نکل رہے تھے۔

"مجبوری ہے کیونکہ اب میں تمہارے لئے اکارڈ تو لانے سے رہا' آئو بیٹھو فرخ! کافی دیر ہو گئی' اس جھک جھک میں۔"

اس نے تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ سیاہ چشمہ آنکھوں پر لگایا اور بائیک کو کک مار کر فرخ کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گیا۔

فرخ نے ڈرتے ڈرتے شذرا کی طرف دیکھا' جس کا چہرہ مارے غصے کے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بھی کیا کرتا مجبور تھا۔

"فرخ!" شذرا چلائی' مگر اسد بائیک اڑاتا ہوا لے گیا۔

''مر جائو اسد! خدا کرے تم...''

آخر میں اس کے پاس اسد کیلئے یہ ہی بددعا رہ جاتی۔

وہ پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ کتنی ہی دیر روتی رہی' اسد کو کوستی رہی... پھر کچھ سوچ کر اسد کے کمرے کی طرف بڑھی۔

اس وقت میدان صاف تھا۔ صائمہ یونیورسٹی گئی تھی' ہما' صبا کالج اور مامی کچن میں تھیں۔ اس نے احتیاط سے اسد کے جرنل جو اس نے بڑی محنت سے دن رات ایک کرنے کے بعد امتحانات کیلئے تیار کئے تھے' بے دردی سے پھاڑے اور ردی کے کاغذات میں ڈال دیئے۔

''ایسے تو ایسے ہی سہی۔''

شذرا نے مڑ کر کارنر پر رکھی اسد کی مسکراتی ہوئی تصویر کو حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ کتنا سکون ملا تھا اس حرکت کے بعد۔ راحت کا لطیف احساس لئے وہ کچن میں آگئی۔ اس نے اسد سے انتقام لے لیا تھا' امی سے نہ ملنے دینے کا۔

☆...☆...☆

''امی! پلیز کھانا کھالیں' ورنہ میں بھی نہیں کھائوں گی۔''

زیب تیسری بار کھانا گرم کر کے لائی تھی مگر آج نسیمہ بیگم بہت دکھی ہو رہی تھیں اور یوں بھی جب سے بچے بکھرے تھے' ان کا زندگی پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔ کھانا بھی زیب بڑی منتیں کر کے کھلاتی۔ اس وقت بھی زیب تیسری بار آئی تھی۔ کھانے کا کہنے' مگر نسیمہ بیگم کی آنکھوں میں ماضی گھوم رہا تھا' جب وہ شوہر کے گھر تھیں' پھر برباد ہو کر بھائیوں کے گھر آنا۔ شذرہ' صدف اور فرخ کے چہرے بار بار نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔ ان کو زیادہ تر خیال شذرا کا رہتا۔

''پتا نہیں زیب! میری شذرا نے کھانا کھایا ہوگا کہ نہیں۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولیں۔

''کھا لیا ہوگا امی! کیوں نہیں کھایا ہوگا۔'' زیب خود بھی دکھی تھی۔

''نہیں کھایا ہوگا۔ زیب تمہیں پتا تو ہے کہ وہ ذرا کسی سے خفا ہو جاتی ہے تو انتقام اپنے پیٹ کو بھوکا رکھ کر ہی لیا کرتی ہے۔ مجھے خبر ہے اسے اپنی زبان پر کنٹرول نہیں ہے اور جو اباً ڈانٹ پھٹکار کے بعد کھانا چھوڑ دیتی ہوگی... پھر کون اس کو کھانا دیتا ہوگا۔ منتیں کر کے کھلاتا ہوگا' کوئی بھی نہیں۔ وہ... وہ بھوکی رہتی ہوگی۔''

نسیمہ بیگم جواب تک بیوگی کی چادر اوڑھے بڑے صبر وضبط کا مظاہرہ کر رہی تھیں حتیٰ کہ عمیر کی گمشدگی کا دکھ بھی صبر کی سل تلے دبا رہا تھا۔ اب یوں بچوں کے بکھر جانے پر ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ ان کو سب سے زیادہ شذرا کا خیال آ رہا تھا' وہ اس کی عادات سے واقف تھیں۔ فرخ کی طرف سے وہ یوں بھی بے فکر تھیں کہ اسد اور اس کا دوست فرخ کا خیال رکھتے تھے اور عمرانہ مامی' صدف پر مہربان تھیں۔ یوں بھی شذرا کے سوا سب ہی بچے ان پر گئے تھے۔ صابر اور شاکر تھے' مگر شذرا کو برداشت چھو کر نہیں گزری تھی اور یہ ہی بات نسیمہ بیگم کو پریشان رکھتی تھی۔ سب سے زیادہ یہ بات کہ اگر کسی نے کچھ کہہ دیا تو

وہ کھانا نہیں کھاتی ہو گی۔

''امی جان! شذرا بدل گئی ہے۔ بہت ضبط کرتی ہے اور کھانا بھی کھاتی ہے' آپ فکر مت کیا کریں ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ آپ کی شوگر ٹینشن کی وجہ سے ہائی ہو جاتی ہے' چلئے اٹھئے کھانا کھا لیجئے۔ امی پلیز! میری خاطر' آپ اس طرح کیوں کرتی ہیں۔ کیا میرا دل نہیں دکھتا کہ میں آپ کے پاس ہوں تو آپ مجھے ان کی باتیں کر کے رلاتی ہیں اور جو اولاد سامنے نہیں' ان کو یاد کرتی ہیں' بتایئے میرا کیا قصور ہے اس میں؟''

زیب کا دل بھی بھرا ہوا تھا۔ وہ وہیں نیچے بیٹھ کر امی کے گھٹنوں پر سر رکھ کر رو پڑی۔ نسیمہ بیگم بے حسی سے اسے روتا ہوا دیکھتی رہیں۔

''یاالٰہی! میرے ضبط' میرے صبر کی یہ کون سی منزل ہے۔ زندگی کیسا خراج وصول کر رہی ہے مجھ سے کہ میرے اپنے بھائیوں ہی نے اپنے احسانات کا بدلہ مجھ سے یوں لیا کہ میرے گلشن میں انتشار برپا کر دیا۔ میرے بچوں کو مجھ سے یوں چھینا' گویا دکان سجی ہو اور جس کو جو کھلونا پسند آیا' اس نے اٹھا لیا۔''

نسیمہ بیگم دکھوں کے سیلاب میں بہہ گئیں تو زیب نے شاکی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

''اور جو کھلونا آپ کے پاس ہے' آپ اسے توڑ دینا چاہتی ہیں۔''

''زیب میری بچی! ایسا مت کہو' اپنی مجروح ماں کو طعنے نہ دو' میں بہت دکھی ہوں۔''

پھر کافی دیر دونوں دل کا غبار نکالتی رہیں۔ جب غبار چھٹ گیا تو دل ہلکے ہو گئے۔

''زیب! اٹھو بیٹا! کھانا نکالو' بہت بھوک لگی ہے۔''

زیب اپنے کمرے سے نکل کر کچن میں آئی تو معلوم ہوا کہ صائمہ یونیورسٹی سے سیدھی ادھر ہی آ گئی ہے۔ فائزہ تو واش روم میں تھی۔ البتہ صائمہ' شعیب کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھی۔

''یہ آج تم یہاں کیسے نظر آ رہی ہو؟'' شعیب نے غور سے اسے دیکھا۔

''یوں ہی سب سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا آ گئی' کوئی پابندی ہے کیا؟ خیر' یہ بتاؤ کہ تمہارا پروگرام کیا ہے؟ اگر تم نے کچھ نہ کیا تو محترمہ کسی اور کی بنا دی جائیں گی۔''

''کوئی اور تم سے بچ پائے گا تو زیب کا ہو گا ناں۔''

شعیب نے آس پاس جھانکا' پھر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

''میں بلال کی بات نہیں کر رہی۔ کسی اور سے مراد دوسرے رشتے سے ہے کیونکہ امی کہہ رہی تھیں کہ چونکہ یہ لڑکیاں ہماری ذمہ داری ہیں۔ لہٰذا وہ زیب کیلئے رشتہ تلاش کر رہی ہیں۔''

''ہونہہ! میں جانتا ہوں وہ کیسا رشتہ تلاش کریں گی۔ اس کیلئے لیکن اب اس کی نوبت نہیں آئے گی کیونکہ میں نے ابو سے بات کر لی ہے۔''

''رئیلی...!'' شعب کو چڑانے ہی کیلئے تو اس نے جھوٹ بولا تھا۔ اب اس اطلاع پر وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر شعیب کے قریب آ بیٹھی۔

"زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں میں نے ابو سے بات کرلی ہے' لیکن اس میں تمہیں خوش ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ بلال پھر بھی تمہارا نہیں ہو سکتا۔" شعیب کھڑا ہو گیا۔

"ہونہہ! دیکھ لینا کون کس کا ہوتا ہے اور ہیلو زیب کیسی ہو بھئی؟" شعیب کو جواب دے کر وہ زیب کو دیکھنے لگی' جو فرج سے پانی لینے آئی تھی۔

"ٹھیک ہوں تم کیسی ہو؟ ماموں ممانی کیسے ہیں؟ اور... اور شذرا فرخ کیسے ہیں؟" زیب پانی کی ٹھنڈی بوتل لئے قریب آ گئی۔

"باقی سب تو ٹھیک ہے البتہ شذرا اور فرخ کا کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

"کیوں کیا ہوا؟ شذرا اور فرخ کو۔" صائمہ نے منہ بنا کر کہا تو زیب پریشان ہو گئی کہ نجانے کیا بات ہو گئی ہے۔

"ہونا ہوانا کیا ہے اچھے بھلے ہیں۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"پھر تم نے ایسے کیوں کہا شذرا اور فرخ کا پتا نہیں۔"

"اس لئے کہ تمہیں اور پھپھو کو یہ ہی غم ہو گا کہ نجانے شذرا اور فرخ پر کتنے ظلم توڑے جا رہے ہیں۔" صائمہ بہت بدتمیزی سے بول رہی تھی۔

"نہیں صائمہ! میں نے یا امی نے کبھی ایسا نہیں سوچا۔ ظلم کون توڑے گا' سب ہی تو اپنے ہیں۔"

"امی... امی... زیب! یہ امی کہاں ہیں؟"

فائزہ تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے آ گئی۔

"میں یہاں ہوں بیٹا! کیا بات ہے؟" آسیہ بیگم بیٹی کی آواز پر فوراً اندر آ گئیں۔ زیب باہر نکل گئی۔

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ یہ پوچھ رہی ہوں کہ آج رابعہ آنٹی کا فون آیا تھا؟" فائزہ نے تولیہ کو تولیہ سٹینڈ پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں چندا! فون تو صبح سے خراب پڑا ہے' کیوں کوئی خاص بات؟"

"یہ صائمہ بتا رہی ہے کہ رات بلال ان کے ہاں گیا تھا۔ بتا رہا تھا کہ آج وہ لوگ ہمارے ہاں آئیں گے سب لوگ میں سمجھی کہ گھر پر فون آیا ہو گا۔"

اس اطلاع پر شعیب جاتے جاتے پلٹ آیا مگر ماں کی موجودگی کی وجہ سے کچھ بولا نہیں۔

"اچھا تو بلال یہاں کیوں نہیں آیا۔" آسیہ بیگم نے ناگواری سے صائمہ کو دیکھا۔

"پتا نہیں جی... شاید اس لئے کہ ہمارا گھر زیادہ قریب ہے ان کے گھر سے۔"

"اچھا خیر' تم لوگ باتیں کرو میں دیکھوں' زیب کیا کر رہی ہے۔ کھانا تیار کرنا ہے۔ ایک تو مصیبت ہے فون خراب ہو جائے تو گویا زندگی معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔"

آسیہ بیگم بولتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ فائزہ بھی اپنے کمرے میں آ گئی۔

"ہوں تو اب سمجھا کہ محترمہ آج ہمارے گھر تشریف کیوں لائی ہیں۔" شعیب اسے چبھتی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"خیر' ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں تو اس خیال سے آگئی کہ لوگ زیادہ ہوں گے۔ کام وغیرہ میں فائزہ کا اور تائی اماں کا ہاتھ بٹا دوں گی۔"

صائمہ ڈھٹائی سے بولی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سارا کام نسیمہ بیگم اور زیب کرتی ہیں۔"

"اچھا واقعی!" وہ ہنستا ہوا اس کے مقابل آکھڑا ہوا۔

"ایک بات تو بتاؤ کزن! کہ بلال نے کبھی گھاس بھی ڈالی ہے' یا ابھی تک خالی منہ ہی جگالی کر رہی ہو۔"

شعیب صائمہ کو بڑی اچھی طرح جانتا تھا۔ بڑی تیز اور بدتمیز لڑکی تھی۔ خود اس پر ایک زمانے میں فریفتہ رہی تھی۔ اس لئے اس سے وہ بڑی بدلحاظی سے بعض اوقات بات کر جاتا مگر وہ بھی کم نہ تھی۔

"ہاں اتنی ہی گھاس ڈالی ہے' جتنی شاید زیب تمہیں تمام عمر نہ ڈالے۔"

"زیب کی بات نہ کرو... زیب تو..."

"زیب کو اس روز میں تمہاری مانوں گی' جس روز اس کی انگلی میں تمہارے نام کی انگوٹھی دیکھوں گی۔" صائمہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھی' مگر شعیب سامنے آگیا۔

"یہ تو خیر تم انشاء اللہ دیکھ ہی لو گی مگر میں تمہیں تب مانوں گا جب تم بلال سے شادی کر لو گی۔"

جواباً صائمہ نے کچھ کہنے کیلئے لب کھولے ہی تھے کہ فائزہ آگئی۔ آسیہ بیگم بہت خوش تھیں' وہ شاید اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ وہ فائزہ اور طلال کے رشتے کی بات طے کرنے آرہے ہیں کیونکہ پچھلی بار وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں کہہ آئی تھیں اور رابعہ بیگم نے بھی کہا تھا کہ وہ ان سے کوئی بات کرنا چاہتی ہیں۔

"شوکت! میرا تو خیال ہے کہ آج بھائی یہ ہی بات کرنے آرہے ہیں۔ طلال تو مجھے بچپن ہی سے اچھا لگتا ہے۔ آپ بات شروع کیجئے گا۔"

آسیہ بیگم' نسیمہ بیگم اور زیب کو ہدایات دے کر اب شوہر کے پاس بیٹھی تھیں۔

"تمہارے خیال میں اگر وہ ایسی کسی بات کیلئے آرہے ہیں تو پھر مجھے بات شروع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لڑکے والے ہیں اور رشتہ ہمیشہ لڑکے والے مانگا کرتے ہیں۔"

شوکت صاحب نے ایک نظر بیگم پر ڈالی اور پھر مصروف مطالعہ ہو گئے کیونکہ وہ بھی سمجھدار آدمی تھے اور ان کو اندازہ تھا کہ ظہیر صاحب یا ان کی بیگم ان کی بیٹی کیلئے سنجیدہ نہیں۔ وہ بارہا آسیہ بیگم کو بھی سمجھا چکے تھے مگر ان کو ایک تو اپنے اکلوتے پن پر بہت گھمنڈ تھا کچھ اپنی اکلوتی بیٹی کے حسین ہونے کا زعم اور پھر طلال کو وہ بچپن ہی سے فائزہ کیلئے پسند کرتی تھیں اور اب یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ طلال سے دستبردار ہو جاتیں۔

"رہنے بھی دیں' شوکت! آج کل یہ سب کہاں دیکھا جاتا ہے بس لڑکا اچھا ہو تو لڑکی والوں کو خود بات کر لینی چاہئے۔ آج تو غیروں میں ایسے ہی ہو رہا ہے' تو یہ تو میرے اپنے ہیں۔ طلال ماشاء اللہ افسر ہے۔ خوبرو ہے اگر وہ لوگ پہل نہیں کرتے تو ہمیں کر لینی چاہئے۔ لوگ تو اپنی بیٹیوں کیلئے ایک سے بڑھ کر ایک لڑکا دیکھتے ہیں۔ جہاں اس طرح کا قابل رشتہ آگیا فوراً بات کر لی۔"

"ایک منٹ آسیہ بیگم۔" شوکت صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''ایک رشتہ تو آپ نے زیب کیلئے بھی پسند کیا تھا۔ میری عمر کا چار بچوں کا باپ' اس وقت آپ کو طلال کا یا بلال کا خیال کیوں نہیں آیا۔''

شوکت صاحب کو بڑا ملال تھا اس بات کا کہ آسیہ اور زاہدہ بیگم نے زیب کیلئے ایسا رشتہ تلاش کیا تھا جو کسی طور بھی موزوں نہیں تھا۔

''ہونہہ ! میں جانتی تھی کہ آپ ضرور ایسی بات کریں گے۔ آپ کے حواسوں پر تو بہن اور بھانجیاں ہی سوار رہتی ہیں۔''

''ہاں' اس لئے کہ میں نے کبھی فائزہ اور زیب میں فرق محسوس نہیں کیا۔ میرے لئے سب برابر ہیں۔ میری بیٹیاں ہیں۔''

''اچھا تو کر دیجئے زیب بیگم کا طلال کے ساتھ۔''

آسیہ بیگم جو فائزہ کے مقابلے میں زیب کے سائے کو بھی برداشت نہیں کرتی تھیں اس کے نام پر سلگ ہی تو اٹھیں۔

''طلال کے ساتھ تو نہیں' البتہ شعیب کے ساتھ۔''

''کیا... کیا آپ کو معلوم ہے' آپ کیا کہہ گئے ہیں کہ زیب اور شعیب کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ کم از کم میری زندگی میں تو یہ ممکن نہیں۔''

آسیہ بیگم ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ شعیب اور زیب کی شادی ہو سکتی ہے۔

''مجھے نہیں معلوم یہ کام تمہاری زندگی میں ہو سکتا ہے یا نہیں بہر حال یہ خواہش میری نہیں' تمہارے اپنے بیٹے شعیب کی ہے۔''

''کیا شعیب کی خواہش ؟'' آسیہ بیگم پر دوسرا حملہ ہوا کہ کہاں تو شعیب' زیب سے اتنی نفرت کرتا ہے اور کہاں شادی کیلئے تیار۔

''ہاں پوچھ لو جا کر... خود آیا تھا میرے پاس کہ میں زیب کو پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''اور آپ نے جھٹ ہاں کر دی ہو گی۔ من کی مراد جو بر آئی۔''

آسیہ بیگم نے بدگمان نظروں سے شوہر کو دیکھا تو وہ ان کو غصے سے گھورنے لگے۔

''قطعی نہیں... میں اتنا ظالم نہیں ہوں کہ تمام عمر جہنم میں جھونکنے کا کوئی فیصلہ کروں' اس معصوم لڑکی کو میں نے صاف انکار کر دیا تھا مگر موصوف سیریس ہو گئے۔ میں ہر گز ایسا نہیں چاہتا مگر وہ بضد ہے۔''

چند دن سوچنے کے بعد شوکت صاحب شعیب پر اعتبار نہ کر سکے تھے' اور نہ زیب سے اس کی شادی کا فیصلہ کر سکے تھے کیونکہ شعیب کا سابقہ ریکارڈ ایسا نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اس پر اعتبار کر لیتے۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرا بیٹا شعیب ایسی بات سوچ بھی سکتا ہے۔ شوکت صاحب آپ بھی سن رکھئے' اور بیٹے کو بھی سمجھا دیجئے کہ میں نسیمہ کی کسی بیٹی کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گی۔ مر کر بھی نہیں۔''

آسیہ بیگم نے قطعی اور حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''تو بیگم صاحبہ! اپنا یہ فیصلہ اپنے بیٹے کے گوش گزار کر دو لیکن میری بات بھی ذرا غور سے سن لو کہ اگر شعیب درست ہو گیا' اپنے اس فیصلے میں مخلص ہوا تو میں شعیب کی شادی زیب سے ضرور کروں گا۔ زیب کو بہو بنانا میری اولین خواہش ہے۔''

شوکت صاحب نے بھی حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا ڈالا۔

''ہوں' میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی۔ ورنہ یوں ہی شعیب نہیں مان گیا۔ جانے کیا کیا دھمکیاں دے کر میرے بچے کو اپنی طرف کر لیا ہے' مگر میں بھی دیکھ لوں گی۔'' آسیہ بیگم فائزہ والی بات تو بالکل ہی بھول گئیں۔

''آسیہ بیگم! میری طرف سے اجازت ہے تم بھی ایسی ہی دھمکیاں دے کر شعیب کو اپنی طرف کر لو۔ میں بھی اسے آزمائے بغیر' پرکھے بغیر زیب کا ہاتھ نہیں دوں گا۔ ان ہی باتوں سے اس کی آزمائش بھی ہو جائے گی کہ وہ کیا چاہتا ہے۔''

شوکت صاحب نے واپس پلٹتی آسیہ بیگم کو دیکھا جو ان کی بات پر واپس مڑیں' مگر نخوت سے ہونہہ کہہ کر باہر نکل گئیں۔ باہر آتے ہی انہوں نے زیب کو قہر آلود نظروں سے دیکھا جو سبزی بنا رہی تھی۔ آج سے قبل زیب ان کو اتنی بری نہیں لگی تھی' مگر آج تو وہ معصومیت کا لبادہ اوڑھے کوئی چڑیل لگی' جو ان سے ان کی مرضی کے خلاف ان کا بیٹا چھین لینا چاہتی تھی۔

''زیب...!'' وہ ہزار ضبط کے باوجود اپنا قہر غصہ دبا نہ سکیں۔

''جی مامی!'' زیب نے خوفزدہ نظروں سے آسیہ بیگم کو دیکھا۔ ان کا برہم سا انداز اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اب تو غصے والی کوئی بات نہیں تھی۔ دونوں ماں بیٹی نوکرانیوں کی طرح کام میں لگی رہتی تھیں۔

''یہ سب چھوڑو اور اپنے کمرے میں جاؤ۔ صائمہ اور فائزہ سنبھال لیں گی سب کچھ... صائمہ' فائزہ کہاں ہو تم دونوں؟'' آسیہ بیگم نے وہیں کھڑے کھڑے ہانک لگائی۔

''مامی! کیا بات ہے' مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی...'' زیب مامی کا یہ رویہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''نہیں بی بی! غلطی تو ہم سے ہوئی ہے اس دنیا میں آ کر' تم ماں بیٹیاں تو فرشتہ سمان ہو۔''

''مامی پلیز! آپ میری خطا بتائیں تو میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔''

زیب کو کوفت ہونے لگی کیونکہ اسے اپنی کوئی غلطی یاد نہیں آ رہی تھی کہ مامی اتنی سیخ پا ہوتیں۔

''یہ بھی بتا دوں گی' فی الحال جاؤ... میرا دماغ خراب ہو رہا ہے۔''

آسیہ بیگم انتہائی حقارت سے بولیں تو وہ خاموشی سے کمرے میں آ گئی۔ آج بلال کتنے عرصے بعد آ رہا تھا۔ وہ کتنی خوش تھی مگر مامی کو جانے کون سی بات ناگوار گزر گئی تھی کہ وہ اس کا وجود ہی گوارا نہیں کر رہی تھیں۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ کمرے کی لائٹ آف کر کے لیٹ گئی۔ نسیمہ بیگم کو اس نے یہ ہی بتایا کہ اس کے سر میں شدید درد ہے۔ مامی نے کہا تم

آرام کرو صائمہ اور فائزہ کام کر لیں گی۔

''امی! آپ جائیں ورنہ انکل ظہیر جانے کیا سمجھیں۔ آپ کو معلوم تو ہے وہ کتنا چاہتے ہیں ہمیں۔ آپ بھی نہ گئیں تو وہ کچھ مامی سے پوچھ نہ بیٹھیں اور مامی تو...''

اس نے بمشکل سسکی کو دبایا۔ نسیمہ بیگم باہر آ گئیں۔ فائزہ نے کیا کام کرنا تھا۔ اوپر اوپر کے دو چار کام کر کے کمرے میں آ گئی البتہ صائمہ بہت ایکٹو تھی۔ تمام کام اس نے کئے اور پھر خود بھی تیار ہو گئی۔ فائزہ کا لیمن کلر کا سوٹ اس پر خوب سج رہا تھا۔ تیکھے نقوش پر میک اپ بہت اچھا لگتا تھا۔

''پتا نہیں آخر یہ بلال چاہتا کیا ہے' زیب میں جانے کون سے سرخاب کے پر نظر آئے ہیں جو مجھ میں نہیں۔'' اچھا ہی ہوا کہ تائی جان نے اسے کمرے میں بھیج دیا۔''

آئینہ دیکھ کر صائمہ نے سوچا اس کے نزدیک محبت صورت سے ہوتی ہے' وہ جذبوں کو کبھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ سطحی سوچ رکھنے والی دوسروں کے سامنے خود کو پیش کر دینے والی کمزور سی لڑکی تھی' جس کی عزت نفس تھی ہی نہیں۔ شعیب نے ہری جھنڈی دکھائی تو نظر کرم بلال پر ٹھہر گئی۔

''میرے خیال میں وہ لوگ آ گئے ہیں۔''

باہر شور ہوا تو صائمہ ایک بار اور آئینے پر نظر ڈال کر باہر آ گئی۔ اتفاق سے سب سے پہلے بلال ہی سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔

''ہیلو بلال!'' وہ جلدی سے آگے بڑھی۔

''ہیلو کیسی ہو صائمہ؟'' بلال کی متلاشی نظریں اطراف میں جس کو تلاش کر رہی تھیں' وہ جانے کہاں تھی۔ پھر سارا وقت صائمہ ہی بچھتی رہی۔ آسیہ بیگم کا موڈ بھی شوکت صاحب کی باتوں کی وجہ سے آف ہو چکا تھا۔

''ندا! زیب کہاں ہے؟'' بلال نے آہستگی سے ندا سے پوچھا۔

''پتا نہیں بھیا! نظر تو نہیں آ رہیں۔ حالانکہ ہونا تو ان ہی کو چاہئے تھا کام کرنے کیلئے' مگر یہ صائمہ باجی نظر آ رہی ہیں' کہیں کوئی پھڈا نہ ہوا ہو۔''

ندا خود دو تین مرتبہ گھر کا چکر لگا چکی تھی مگر جانے کہاں تھی زیب۔

''جاؤ ندا اسے دیکھو' مجھے بھی کوئی گڑبڑ لگ رہی ہے۔ چھت پر دیکھو' یا پچھلی طرف دیکھو' وہیں ہو گی۔''

ندا اور بلال آپس میں باتیں کر رہے تھے مگر شعیب اور صائمہ کی نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں۔ کان گو آواز اور بات سننے سے قاصر تھے' مگر اندازے ہی ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔

''اور نسیمہ! تم ٹھیک تو رہتی ہو ناں۔ اپنی صحت کا خیال رکھا کرو۔ کمزور لگ رہی ہو۔'' رابعہ بیگم نے ایک کونے میں بیٹھی خاموش سی نسیمہ بیگم کو دیکھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں رابعہ بھابی! وہ بس۔''

''بھابی جان! یہ طلال پھر نہیں آیا۔ ہم سے تو اسے نفرت ہے۔ سب ہی آتے ہیں مگر وہ تو کبھی پلٹ کر خبر نہیں لیتا۔ جتنا مجھے اچھا لگتا ہے وہ ہم سے اتنا ہی دور رہتا ہے۔'' آسیہ بیگم نے بات کاٹ دی۔

''ارے نہیں آسیہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل آج ڈاکٹرز کی کوئی میٹنگ تھی' اسی میں مصروف تھا' ورنہ ایسی کیا بات ہے۔''

رابعہ بیگم کچھ کچھ شرمندہ بھی تھیں آسیہ بیگم سے' کیونکہ وہ ان کی نیت اچھی طرح جانتی تھیں مگر اب وہ محض ان کی خوشی کی خاطر اپنے بیٹے کی خوشی پامال نہیں کرسکتی تھیں۔ یوں بھی فائزہ ان کو اس لحاظ سے قطعی پسند نہیں تھی۔ وہ زبردستی کے سودے کرنے کی قائل ہی نہیں تھیں۔

''فائزہ! صائمہ بیٹے! کھانا لگاؤ اب۔''

وہ دونوں کھانا لگانے لگیں۔ اس تمام وقت میں صائمہ کی کوشش یہ رہی کہ وہ بلال اور رابعہ بیگم کی نگاہوں کے سامنے رہے اور ان کی توجہ کا مرکز بنی رہے لیکن بلال... شعیب کے ساتھ۔ یونیورسٹی اور ایگزام کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ ندا' زیب کی تلاش میں نکل گئی۔ لان میں گلاب کے تختوں کے قریب وہ گھاس پر گھٹنوں پر سر رکھے خالی نگاہوں سے جانے اداس کر دینے والی چاندنی میں کیا تلاش کررہی تھی۔ ندا آہستگی سے اس کی طرف بڑھی۔

''ارے زیب باجی! آپ یہاں ہیں۔ سارے گھر میں تلاش کیا ہے آپ کو' السلام علیکم۔''

ندا اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی' تو پھیکی سی مسکراہٹ زیب کے لبوں پر آگئی۔

''کیسی ہو ندا؟''

''بالکل ٹھیک... آپ کیسی ہیں...'' ندا بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔''

''کہاں ٹھیک ہیں آپ' اتنی کمزور لگ رہی ہیں اور لگتا ہے' بہت روئی ہیں آپ۔ کوئی خاص بات ہوئی ہے۔''

ندا نے اس کی سوجی آنکھوں کو دیکھا۔ اب وہ کیسے بتاتی کہ بے عزتی ان کا مقدر تو ہے مگر آج آسیہ مامی نے جس انداز سے اسے بے عزت کیا ہے وہ اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا لیکن وہ ندا سے کیا کہتی' شنذرا کے برابر تھی چھوٹی سی۔ اسے کیوں پریشان کرتی۔

''نہیں ندا! کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ ہماری زندگی میں کسی خاص بات کی گنجائش نہیں... سب روٹین ہے۔'' وہ گہرا سانس لے کر گھاس کے تنکے توڑتی رہی۔

''اچھا تو آج کچن میں نظر کیوں نہیں آرہیں۔ صائمہ باجی بڑی ایکٹو ہیں۔''

''شاید اس لئے ندا! کہ ہر خوشی پر فائزہ اور صائمہ کا حق ہے۔''

''ایسے ہی خواہ مخواہ میں۔ آپ خدا کی ذات پر بھروسہ رکھیں زیب باجی! ان لوگوں کی خوشیاں چندروزہ ہیں' اور آپ کو اللہ میاں جی دائمی خوشیاں عطا

کرے گا' انشاء اللہ۔"

"اچھا..." وہ صائمہ کی محبت پر اس کے گال تھپتھپا کر آہستگی سے بولی۔

"جی ہاں' پتا ہے آپ کو کہ بھیا کتنے پریشان ہیں آپ کیلئے۔"

"ندا! ان سے کہہ دو پلیز! ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ ہمارے لئے پریشان نہ ہوا کریں۔"

زیب ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ بلال یا ان لوگوں کی ہمدردیوں کی قیمت ان ماں بیٹیوں کو طعنوں تشنوں کی صورت میں ادا کرنا پڑتی تھی۔

"سوری ندا! میں اپنی پریشانیوں میں اپنے ہمدردوں کا دل بھی دکھا بیٹھی سوری۔"

زیب کو احساس ہوا کہ اس نے ندا کے خلوص کو یوں ٹھکرایا ہے تو خود ہی اس کے قریب آ کر پیار سے اس کے ہاتھ تھام کر معذرت کرنے لگی۔

"ارے نہیں زیب باجی لیکن آپ... اچھا خیر چھوڑیں۔"

ندا ابھی اور رکتی مگر اندر سے جمال کی آواز آئی' تو وہ تیزی سے اندر چلی گئی۔ زیب زرد زرد چاندنی میں کھو گئی۔ شعیب اور بلال کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے' مگر پھر شوبی کا کوئی دوست آ گیا تو وہ اس کے ساتھ ہی کہیں نکل گیا۔ ندا نے موقع ملتے ہی ساری بات بلال کو بتادی تو وہ اس سے ملنے کو بے چین ہو گیا۔ یقیناً کوئی بڑی بات ہوئی ہے کہ زیب اس حد تک تلخ ہو رہی ہے مگر اندیشہ تھا کہ کسی کو پتا نہ چل جائے' اس کیلئے اور مصیبت ہو جائے' صائمہ اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ وہ سب کی نظر بچا کر لان کی طرف آنے لگا تو صائمہ جھٹ سامنے آ گئی۔

"کھانا اندر لگ چکا ہے بلال صاحب!"

وہ اسے کوئی کرارا جواب دینا چاہتا تھا مگر اس کی بدتمیزی کا خیال کر کے خاموش رہا اور اندر چلا گیا۔

"نسیمہ! یہ آج زیب بیٹی نظر نہیں آ رہی کیا کہیں گئی ہوئی ہے۔"

ظہیر صاحب محسوس کر رہے تھے کہ ماحول خاصا کثیف ہو رہا ہے۔ زیب کی عدم موجودگی اور صائمہ' فائزہ کا کام کرنا معمولی بات نہیں تھی۔

"جی اس کی طبیعت صبح سے خراب ہے' بخار ہے۔ جبھی تو یہ بچیاں کام کر رہی ہیں ورنہ۔"

"ہونہہ گویا یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ سارے کام زیب ہی کرتی ہے۔" نسیمہ بیگم نے آہستگی سے کہا تو آسیہ بیگم ان کو گھورتے ہوئے سوچ کر رہ گئیں۔ کھانے کے بعد صائمہ اور ندا چائے بنانے لگیں۔ ندا نے صائمہ کو خاصا مصروف کر لیا۔ باتوں میں' بلال آہستگی سے باہر آ گیا۔ زیب ابھی تک لان میں تھی' خاموش اور اداس فضا ہی کا ایک حصہ لگ رہی تھی۔ بلال آہستگی سے اس کی طرف بڑھا۔ زیب کی نظر پڑ چکی تھی۔ اس نے جلدی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

"یہ سچ ہے کہ جب انسان کو اپنی اہمیت کا احساس ہو جاتا ہے تو اسی طرح چھپتا ہے تاکہ۔" بلال کو اس کی بات پر غصہ تو تھا مگر اس وقت وہ اتنی دکھی اور تنہا لگ رہی تھی کہ اس نے اس سے خفا ہونے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"جی ہاں... اس ساری دنیا میں ہم ہی تو اہم ہیں۔ ہماری ہی تو سب کو ضرورت ہے' اور..." آنسوؤں کا گولا حلق میں اٹک گیا تو بات ادھوری رہ گئی۔ زیب کو خود پر بہت کنٹرول تھا مگر جانے کیا بات تھی کہ جب بھی بلال سامنے آتا سارے زخم آپ ہی سسکنے لگتے' اور وہ کچھ بھی اس سے چھپا نہ پاتی۔

''اچھا اب زیادہ میرے سامنے تلخ ہونے یا اجنبی بننے کی ضرورت نہیں اور یہ کیا حرکت ہے' اپنے بھیا سے کہہ دو کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ ہمارے لئے پریشان نہ ہوا کریں کیوں کہا تھا ناں تم نے۔ اگر کہا تو یہ بتاؤ کہ کیا یہ اتنا ہی آسان ہے کہ جتنی آسانی سے تم نے کہہ دیا۔ زیب مراد! تم سے تو سانسوں کے تار جڑے ہیں' اگر یہ بات نہ بھی ہوتی تو میں یا میرے گھر والے سچائی اور حق کی بات ضرور کرتے۔ محترمہ آپ ہیں کن ہواؤں میں؟ یہ چند روز کی بات ہے پھر انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

زیب نے سب کچھ اسے بتا دیا۔

''ہوں یہ ہوئی ناں بات۔ اپنوں سے کچھ چھپایا نہیں کرتے کیونکہ اپنے ہی زخموں پر مرہم رکھتے ہیں تم سے تو اچھی شذرا ہے کہ جیسے ہی ملاقات ہوتی ہے سب کچھ بتا دیتی ہے۔ ایک تو ہو کہ ...''

بلال نے شاکی نظروں سے زیب کو دیکھا تو اسے اپنی کہی ہوئی بات کی بدصورتی کا احساس ہوا۔

''سوری بلال! پتا نہیں آج کیوں میرا دماغ اتنا خراب ہو گیا۔ مجھے مامی کا رویہ کبھی بھی اتنا ہتک آمیز نہیں لگا جتنا آج' جانے کیا بات تھی۔''

وہ ابھی تک آسیہ بیگم کے لہجے کی حقارت میں کھوئی ہوئی تھی۔ جس نے اسے رلا رلا دیا تھا۔

''کوئی جو کچھ بھی کرے' زیب کرنے دو' بالآخر فتح تو حق کی ہوتی ہے ناں۔ یہ سب دیکھتے رہ جائیں گے جب میں تمہیں یہاں سے اپنا بنا کر لے جاؤں گا۔''

زیب کے دکھوں کی شدت کو کم کرنے کیلئے بلال کو ایسی باتیں کرنی پڑتی تھیں۔ وہ اسے دکھوں کی وادی سے خوابوں کی راہ گزر پر ڈال کر خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

''ہوں تو یہ ہو رہا ہے... میں نے بھی قسم کھائی ہے بلال کہ' تم میرے نہ ہو سکے تو کوئی بات نہیں لیکن میں تمہیں زیب... کا ہونے نہیں دوں گی۔''

ندا کے ذریعے چائے اندر بھجوا کر صائمہ بلال کی ٹوہ میں دوسری طرف سے لان میں آ گئی اور آخری بات سنی جو سیدھی اس کے دل پر جا لگی تھی۔

''بلال! اب آپ جائیں کوئی آ نہ جائے' اور آپ کو پتا ہے کہ کس طرح افسانے تیار ہوتے ہیں یہاں پر۔'' زیب نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

''جاتا ہوں' ایک اور خبر سناؤں تمہیں۔''

''کون سی خبر؟'' زیب بلال کے ساتھ ہم قدم ہو کر چلتے ہوئے خود کو بہت محفوظ سمجھ رہی تھی۔ یوں جیسے اللہ تعالیٰ نے ابر رحمت کر دیا ہو۔

''خبر یہ ہے کہ طلال بھائی کی منگنی ہو رہی ہے۔ زیب لگتا ہے کوئی ہے۔'' بلال بات کرتے کرتے رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

☆...☆...☆

شہرین بہت تیز لڑکی تھی۔ اس نے گھر بھر کو اپنے کنٹرول میں کر لیا تھا۔ اسے ساس سسر اور شوہر کی حمایت حاصل تھی۔ اس لئے وہ اپنی من مانی کرتی' اس نے گھر کا سارا نظام اپنی مرضی کے مطابق سیٹل کیا تھا۔ آمنہ اور فاطمہ کو یوں ہدایات دیتی گویا وہ اس سے بہت چھوٹی ہوں۔ فاطمہ تو اپنی فطرت کے باعث برداشت کر جاتی مگر آمنہ کو یہ سب پسند تھا نہ گوارا کہ کل کی لڑکی اٹھ کر ان کے کاموں میں خامیاں نکالے۔

"آمنہ! دیکھو' ہمیں یہ سب برداشت کرنا ہے۔اگر تم بات بے بات شہری کی باتوں کو تنقید کا نشانہ بناؤ گی تو... تو بھائی کو' پپا کو یہ بات اچھی نہیں لگے گی۔اس لئے ڈیئر ہمیں سب برداشت کرنا ہے۔"

"کیوں برداشت کرنا ہے' ہم نے کیا گناہ کیا ہے۔ہمارا گھر ہے۔ہم اپنے سٹائل میں رہنے کے عادی ہیں۔ویسے ہی رہیں گے ہم کسی کے پابند نہیں ہیں۔"

آمنہ ہٹ دھرمی سے بولی۔یوں بھی اس کی طبیعت میں برداشت کم تھی۔

"اس لئے کہ یہ ہمارا گھر نہیں شہرین ہی کا گھر ہے۔اس کے شوہر کا ہے اور لڑکی کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے۔"

فاطمہ اسے ہر دلیل دے کر سمجھانا چاہتی تھی۔

"اچھا تو پھر باجی بتاؤ ہمارا اصل گھر کہاں ہے۔بیٹیوں کے اصل گھر ان کے والدین ہی بناتے ہیں ناں۔ہمارے والدین نے ہمارے لئے کون سے گھر بنائے ہیں' کہاں ہیں ہمارے گھر؟"

آمنہ کی آواز بہت بلند اور لہجہ بہت سخت تھا۔اچانک دروازہ کھلا اور دونوں کی نگاہیں دروازے پر جم گئیں۔

☆...☆...☆

آمنہ فاطمہ کی آنکھیں اور منہ کھلتے ہوئے دروازے کو دیکھ کر کھلے رہ گئے۔دل خوف سے بری طرح دھڑک اٹھے کہیں ممانہ ہوں۔اس خیال سے آمنہ کا دل بھی خوف سے

اچھل کر حلق میں آ گیا۔ماتھے پر بوندیں گرنے لگیں۔

"ارے... بے بی تت... تت تم ہو آؤ... آؤ۔ہم تو بس یوں ہی باتیں کر رہے تھے آؤ..." سجل کو دیکھ کر دونوں کی جان میں جان آ گئی۔فاطمہ نے اٹھ کر بیڈ پر اس کیلئے جگہ بنائی جو چہرے سے خاصی خوش اور فریش لگ رہی تھی۔

"باجی... کتنے بور ہو آپ لوگ باہر اتنا زبردست موسم ہو رہا ہے اور آپ لوگ کمرے میں گھسے بیٹھے ہو۔"

سجل نے آگے بڑھ کر کھڑکیاں کھول دیں تو آمنہ اور فاطمہ نے واقعی حیرت سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا پھر باہر دیکھا کراچی میں ایسا موسم تو قسمت سے ملتا ہے... سیاہ گھٹائیں گھر گھر کر آ رہی تھیں۔ٹھنڈی ہوا نے موسم کو اور خوبصورت بنا دیا تھا۔

"ارے... باجی ہم بھی کتنے احمق ہیں اتنا زبردست موسم ہو رہا ہے اور اندر بور ہو رہے ہیں۔چلیں ٹیرس پر چلتے ہیں۔"

آمنہ نے جلدی سے سلیپر گھسیٹے اور ٹیرس کی طرف بڑھی۔

"ٹھیک ہے آپ دونوں موسم کو انجوائے کرو۔"

"کیوں... زندگی کی کسی خوشی کسی انجوائے منٹ پر آپ کا حق نہیں۔" جاتے جاتے سجل نے فاطمہ کا ہاتھ پکڑ لیا تو فاطمہ نے اسے پیار کر لیا۔

"ہے... ہے کیوں نہیں مگر میری گڑیا ایسے موسم کو لذیذ سی چائے اور گرما گرم پکوڑے اور حسین بنا دیتے ہیں آپ لوگ چلو میں ابھی آتی ہوں... گو اینڈ

انجوائے۔"

مائوں کی سی ممتا رکھنے والی فاطمہ دونوں چھوٹی بہنوں کو ٹیرس پر چھوڑ کر نیچے چلی گئی۔

"پتہ ہے... باجی آج ناں یونیورسٹی میں بہت مزا آیا ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں کام ہو رہا تھا۔ مزدور لگے ہوئے تھے وہاں پتہ ہے سامان چھوڑنے گدھا گاڑی آئی تو... تو معلوم ہے میں نے اس پر سواری کی۔ سچ باجی بہت مزا آیا۔ موسم بھی اتنا حسین ہو رہا تھا سب نے بہت انجوائے کیا۔"

سجل دونوں بڑی بہنوں کو یونیورسٹی کے قصے سنایا کرتی پھر تینوں بہنیں چائے اور پکوڑوں کے ساتھ موسم کو انجوائے کرتی ہوئی نیچے آ گئیں۔

☆...☆...☆

شذرا فطرتاً بہت اچھی لڑکی تھی مگر وقت اور حالات کے گدھ نے اس کے اندر کی ساری اچھائیاں ختم کر دی تھیں۔ وہ مظلوم ماں کی بیٹی تھی جس کو غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی اولاد کا بٹوارا کرنا پڑا تھا۔ نسیمہ کے جگر گوشے تین گھروں میں بیٹے ہوئے تھے باقی سب تو ٹھیک ہی تھے مگر زاہدہ بیگم کے رویے اور اسد کی بدتمیزیوں نے شذرا کو بھی مقابلے پر مجبور کر کے تلوار اس کے ہاتھ میں تھمادی تھی تو وہ دل کی بھڑاس اسی طرح اسد کو ناصحن پہنچا کر نکال لیا کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اس کے قیمتی کاغذات پھاڑ کر ایک عجیب طرح کا سکون محسوس کر رہی تھی۔ جب اسد کا نقصان ہوتا وہ الجھتا پریشان ہوتا تو جیسے شذرا کے دل میں لگی آگ پر ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار پڑنے لگتی... وہ اچھی طرح جانتی تھی یہ فائلیں اسد کی دن رات کی محنت تھیں اور اسے امتحانات کی تیاری کرنا تھی اور یہ ہی بات تو اس کیلئے باعث سکون تھی وہ کتنا تڑپے گا سلگے گا۔

"مزا آجائے گا... اسد صاحب آپ کو بھی تو محرومی کا ذائقہ چکھنا چاہیے۔ پھر سے محنت کریں گے..."

وہ چشم تصور میں اسد کو پریشان اور دوبارہ محنت کرتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

"قید! ہی فرار کے رستوں کی ماں ہے اسد صاحب یہ بات آپ کی امی اور میری مامی کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔"

شذرا... شذرا باجی۔" وہ ان ہی خوش کن سوچوں میں مگن تھی کہ فرخ گھبرایا سا اندر آیا۔ وہ تڑپ کر اس کی طرف لپکی۔

"کیا ہوا فرخ خیریت تو ہے ناں امی... امی تو ٹھیک ہیں ناں ان کی شوگر تو ہائی نہیں ہو گئی ذرا بھی تو احتیاط نہیں کرتیں ان کو کچھ احساس بھی ہے کہ ان کے سوا ہم لوگوں کا کون ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں بولے جا رہی تھی۔

"اوہو! شذرا باجی امی خدا کے فضل سے ٹھیک ہیں یہ بتائیں آپ کو اسد بھائی کے جرنل کا پتہ ہے کہاں رکھے ہیں۔"

فرخ کی پریشانی کے آئینے میں شذرا کو اسد نظر آ رہا تھا۔ ڈھیر سارا سکون شذرا کے اندر تک اتر گیا۔

"جرنل اوہ تو یہ بات ہے۔" وہ چہرہ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

فرخ کو شک ہونے لگا تھا کہ کہیں اسد کی چڑ میں شذرا نے کوئی گڑبڑ نہ کر دی ہو۔

"شذرا باجی آپ کو معلوم ہے کہاں ہیں جرنل وہ جرنل ان کے بہت قیمتی تھے اور امتحان قریب ہیں دوبارہ بنانے کا وقت نہیں پلیز بتادیں اگر۔"

'فرخ! میں دیکھ رہی ہوں اسد کی صحبت میں رہ کر تمہاری سوچ بھی ویسی ہی ہوتی جا رہی ہے۔ بھلا مجھے اس ذلیل شخص کی کسی چیز سے کیا لینا دینا۔ بھاڑ میں جائے وہ اور اس کی چیزیں... اور تم بھی زیادہ اس کی صحبت میں مت رہا کرو امی اور ہم لوگ کوئی کم دکھی نہیں ہیں کہ تم اس کے ساتھ مل کر۔''

شذرا نے کچھ اس انداز میں فرخ کو ڈانٹا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے یقین کرنا پڑا کہ وہ جرنل کے بارے میں کچھ نہیں جانتی... اور پھر جرنل کا جو ڈھنڈیا پڑی تو سارا گھر اتھل پتھل ہو گیا۔ گھر کا ہر فرد اپنے لاڈلے اسد کے جرنل تلاش کرنے میں لگا ہوا تھا۔ شذرا انجان و بے پرواہ بنی خود بھی اس تلاش میں شریک رہی۔ مامی اور صائمہ نے بارہا مشکوک نظروں سے اسے گھورا تھا مگر وہ اگنور کر گئی تھی اسد کو شک ہی نہیں یقین تھا اور یہ ہی یقین اسے ڈسٹ بن کی طرف لے گیا جہاں اس کی دن رات کی محنت ٹکڑے ٹکڑے پڑی تھی تو اس وقت جو اس کی حالت تھی' کیفیت تھی' احساسات و جذبات تھے وہ صرف اللہ ہی جانتا تھا۔

''شذرا...'' وہ خنکی میں بھی پسینے میں نہا گیا۔ غصے سے اس کی رگیں پھٹنے والی ہو گئیں۔ اس کا بس چلتا تو آج واقعی شذرا کو جان سے مار ڈالتا۔

''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ میں نے کیا ہے۔''

وقت اور حالات نے شذرا کو اتنا ڈھیٹ بنا دیا تھا کہ وہ ہر برے وقت کا تن کر ڈٹ کر مقابلہ کرنے لگی تھی۔ اسے معلوم تھا یہ ہو گا اس کے کارنامے کا پھول کھلے گا اس لیے وہ تیار تھی اور اس وقت غم و غصے اور شدت ضبط سے جو اسد کی حالت تھی وہ اسے کتنا سکون پہنچا رہی تھی۔ اس بات کا اندازہ تو خود اسد کو بھی تھا تب ہی تو اس نے چور پر یقین کے ساتھ ہاتھ ڈالا تھا۔

''ثبوت... ہونہہ... تمہاری نفرت اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ یہ حرکت تمہاری ہے ورنہ میری ماں' بہنیں تو یہ کرنے سے رہیں... خدا کی قسم اگر مجھے پھپھو کا خیال نہ ہوتا ناں تو تمہیں اپنے ہاتھوں سے دھکے دے کر نکال دیتا اپنے گھر سے۔'' اسد شدید غصے میں بول بھی نہیں پا رہا تھا مگر وہ کب اس کی کسی بات سے متاثر ہو رہی تھی۔

''اور اگر مجھے بھی ماموں کا خیال نہ ہوتا ناں تو کاغذات کے بجائے تمہارے ٹکڑے پڑے ہوتے ڈسٹ بن میں۔'' وہ بھی اسی طرح دانت پیس... پیس کر بولی تو سارا غصہ اسد کے دماغ کو چڑھ گیا۔

''شذرا... اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہو کر اس کے سرخ و سفید بے داغ چہرے پر نشان چھوڑنا چاہ رہا تھا کہ فرخ تڑپ کر آگے بڑھا۔

''اسد بھیا پلیز معاف کر دیں۔'' فرخ نے اس کا ہاتھ پکڑ تو وہ کچھ دیر کیلئے شرمندہ ہو گیا مگر اس کا ہاتھ اٹھانا جلتی پر تیل کا کام کر گیا۔

''چھوڑ دو فرخ مارنے دو اسے دو وقت کی روٹی دیتا ہے ناں تو ان لوگوں کو ہمیں مارنے کا دھکے دے کر گھر سے نکال باہر کرنے کا پورا حق ہے... ہاں مارو... آئو مارو مجھے۔''

شذرا بری طرح روئے گئی' چلائے گئی۔ اسد کو اپنی بات اور حرکت پر افسوس ہونے لگا۔ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ایک تو شذرا کی حرکت دوسرا اس کی ڈھٹائی نے اس کے ضبط کے بند توڑ ڈالے تھے۔ فرخ کو شذرا کی غلطی پر شرمندگی تھی اور اسد کی بات اور ہاتھ اٹھانے کا دکھ بھی مگر وہ ابھی اس قابل نہیں

تھا کہ اپنی مظلوم ماں بہنوں کو ایک الگ چھت تلے لے کر چلا جاتا۔ وہ اسد سے پہلے کمرے سے نکل گیا... شنذرا قالین پر بیٹھی بری طرح رو رہی تھی۔ اسدؔ دل بہت خراب ہوا اس کی بھی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ ایک اپنا نقصان دوسری طرف شنذرا سے بدزبانی... اور... وہ چیزوں کو ٹھوکریں مارتا باہر نکل گیا۔ اور اپنی بات اور ہاتھ اٹھانے والی حرکت کا ازالہ اس نے یوں کیا کہ ماں بہنوں کو کچھ نہیں بتایا کہ اصل واقعہ کیا تھا۔

"نہیں! امی وہ دراصل شہزاد کی فائلوں کے ساتھ میرے جرنل بھی چلے گئے تھے اور میں سمجھا کہ گھر پر ہیں... میری شہزاد سے بات ہو گئی ہے... میرے جرنل اس کے پاس ہیں۔"

نظریں جھکا کر اس نے شنذرا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دی تاکہ مخالفت کی آندھی اس تک نہ پہنچے۔ اس کی اس ادا پر فرخ اس سے لپٹ لپٹ گیا۔ وہ شنذرا کو اسد کے بارے میں بتانا چاہتا تھا مگر اس کی ناراضگی کے خوف سے چپ رہتا... ان دنوں گھر میں بڑی خوشگوار تبدیلی رہنما ہوئی اور جرنل والا واقعہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔ جب زاہدہ بیگم کو خبر ملی کہ ان کی بہن جو کہ لندن میں مقیم تھیں ان کا بیٹا جواد پاکستان آرہا تھا اور اس کا قیام ان کے ہاں ہی تھا۔ زاہدہ بیگم تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھیں۔ ایک طرف وہ اپنی بیٹیوں کو ہدایات دے رہی تھیں کہ ایسے رہنا ویسے رہنا تاکہ دونوں ہی سے کوئی ایک پسند کر لی جائے۔ دوسری طرف شنذرا کے حسن سے خوف زدہ تھیں مگر جواد چونکہ خالصتاً ان کا بھانجا تھا اور اس پر ان کی بیٹیوں کا حق تھا یہ ہی سوچ کر وہ خوش اور مطمئن تھیں اور اسی لیے وہ بیٹیوں کو ہدایات دے رہی تھیں۔

☆...☆...☆

"ارے! بلال یہاں کوئی نہیں آتا سوائے میرے کون ہو سکتا ہے... یوں ہی۔" بلال اٹھ کر دائیں بائیں جھانکنے لگا تو زیب نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"بلال جانے دیں وہم ہو گا آپ کا۔"

"اچھا! حیرت ہے آج کل وہم بھی بڑے خوبصورت رنگین لباس پہننے لگے ہیں۔ محترمہ آپ کو معلوم ہے وہ وہم کون تھا صائمہ بیگم۔"

چونکہ بلال نے صائمہ کو اس لباس میں دیکھا تھا اور اب بھی اسی لباس کی جھلک اس نے دیکھی تھی۔ اس لیے اس کو یقین تھا یہ صائمہ ہی تھی۔

"صائمہ تھی... اوہ..." زیب سنجیدہ سی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"بلال اب آپ جایئے اگر وہی تھی تو پھر سمجھ لیجیے بلال اب ڈھیروں افسانے بنیں گے اور... پلیز بلال آپ جایئے امی اب بہت بیمار رہنے لگی ہیں اور مامی تو ہر وقت انگارے چباتی رہتی ہیں جس میں ہم ماں بیٹی جلتے رہتے ہیں۔" زیب خوف زدہ ہو گئی تھی۔ صائمہ کا سن کر بلال سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔ کتنی

مجبور تھیں یہ ماں بیٹیاں بلال کے دل میں دکھ کی گہری شام اتر آئی۔

''ارے... لڑکی یہ کیا بات ہوئی اب ہماری پھپھو اتنی بھی بہادر نہیں کہ انگارے چباتی ہوں... معلوم بھی ہے ان کے دانت بہت کمزور ہو گئے ہیں روٹی چبا کر نہیں کھا سکتیں تو انگارے... اف اللہ توبہ اتنے گرم ہوتے ہیں... کہیں چبائے ہوں تو تمہیں اندازہ ہو ناں۔''

اسی وقت زیب کتنی ہراساں اور پریشان تھی اس نے بلال کو تڑپا کر رکھ دیا۔ وہ اسے محض ہنسانے کیلئے بولا تو اک ہلکی سی بھٹکتی ہوئی مسکراہٹ کی کرن ابھری اور ڈوب گئی۔

''سوری... بلال مجھے آپ کے سامنے آپ کی پھپھو کے بارے میں نہیں کہنا چاہئے تھا۔''

''زیب... زیب میں تو صرف مذاق کر رہا تھا... ورنہ کیا حقائق میں نہیں جانتا... اچھا ٹھیک ہے میں چلتا ہوں پھر صائمہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر نہ آ جائے...'' بلال کو اپنی تو خیر کیا پرواہ ہوتی وہ نہیں چاہتا تھا زیب پر کوئی بات آئے۔ اسی لیے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کھڑا ہو گیا۔

''اور سنو... میں ان خوبصورت آنکھوں میں صرف اپنا عکس دیکھنا چاہتا ہوں۔ اپنے خواب دیکھنا چاہتا ہوں خوف کے سائے نہیں۔''

جاتے جاتے وہ پلٹ کر آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو اک خوف زدہ سی مسکراہٹ زیب کے لبوں پر آ کر دم توڑ گئی۔

''جی! لیکن اب آپ جایئے۔'' کسی کے آ جانے کے خوف نے بلال کو دھکا دیا تو وہ پلٹ پلٹ کر اسے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا... پھر جانے کب تک وہ رہے وہ باہر نہیں گئی البتہ جب وہ سب چلے گئے تو مامی کے حکم پر وہ باہر آئی... کھانا کھایا اور ڈھیروں کام سنبھال کر بیٹھ گئی۔ سب کچھ روٹین کے مطابق چل رہا تھا۔ سب کے رویے بھی ویسے تھے اور ان کی زندگی بھی بے منزل راستوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ البتہ ان دنوں حالات نے کروٹ لی تھی۔ فائزہ کی... زندگی میں حسن آ گیا تھا۔ حسن بہت اچھا لڑکا تھا اور بڑی اچھی فیملی سے تھا مگر فائزہ کو تو اپنی پر وقار شخصیت کے باعث بہت اچھا لگا تھا اور پھر دھیرے دھیرے دونوں کی اتفاقی... ملاقاتیں محبت میں بدل گئیں تو فائزہ کو ایک بہت ہی اچھی اور مخلص دوست کی ضرورت پڑی۔ خاندان بھر کی لڑکیوں کو سوچا تو سب ہی جیلس اور بے اعتبار لگیں جن سے وہ اپنا یہ راز شیئر نہیں کر سکتی تھی۔

''زیب!'' ایک اچانک اسے اس حیثیت سے زیب سو فیصد فٹ لگی جو اس کی بات سن کر اپنے تک رکھ سکتی تھی اور اسے بہترین مشوروں سے بھی نواز سکتی تھی مگر اب زیب سے اپنے مطلب کیلئے دوستی کی جائے تو وہ کیا سوچے گی کہ اپنے مطلب کیلئے دوستی کا ہاتھ بڑھا رہی ہے... زیب سے دوستی کے ساتھ ہی فائزہ کو اپنی وہ زیادتیاں یاد آنے لگیں جو وہ اس کے ساتھ کر چکی تھی مگر مجبوری یہ تھی کہ اس معاملے میں زیب سے بڑھ کر کوئی مخلص نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا اس روز اس نے حسن کو انتہائی شرمندگی کے ساتھ سب کچھ بتا دیا تو اس نے بھی زیب سے دوستی کرنے کو کہا تو فائزہ نے سارے خوف باتیں بالائے طاق رکھ کر زیب کو گلے لگا کر نہ صرف معافی مانگی بلکہ اس سے دوستی کی درخواست کی تو زیب جسے اپنی قسمت پر یقین نہیں آ رہا تھا رو دی۔

''کیسی... باتیں کرتی ہیں فائزہ ارے یہ سب تو قسمت کا لکھا ہے جو کچھ اسے ملتا ہے... خیر چھوڑو پرانی باتوں کو وہ جو کہتے ہیں ناں کہ صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے... آئندہ پرانی باتوں کا ذکر نہ کرنا اور ہاں صرف ایک التجا ضرور کروں گی۔''

زیب ملتجی لہجے میں بولی تو فائزہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ فائزہ کی ہر ہر بات اور حرکت سے ندامت کی جھلک تھی۔

''ہاں... کہو ناں زیب...''

''بس اب بدلنا نہیں فائزہ کیونکہ... کیونکہ اب۔''

''زیب... میں جانتی تھی کہ تم یہ ہی سمجھو گی کہ میں اپنے مطلب کیلئے... ہاں تمہیں ایسا سمجھنا بھی چاہیے کیونکہ اس سے پہلے مجھے تمہاری طرف بڑھنے کا خیال جو نہیں آیا... یہ درست ہے زیب کہ میری تمہاری دوستی کی وجہ حسن بن رہا ہے مگر اس کا ملنا میرا نصیب ہے مگر میں پوری کوشش کروں گی اور اللہ سے دعا کروں گی کہ مجھے ہدایت دے کہ پھر پہلے

والا رویہ نہ دہراؤں۔ دیکھو پلیز ایک بار مجھ پر اعتماد کر کے دیکھو۔ مجھے معاف کردو۔'' اب فائزہ اسی کے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی اس کے آنسوئوں کی بارش سے زیب کی خفگی اور بدگمانی کے بادل چھٹ گئے۔ یوں اس روز سے فائزہ اور زیب کے درمیان دوستی اور محبت کا رشتہ قائم ہو گیا تو زندگی خوبصورت ہونے لگی تھی۔ دونوں ہی خوش اور مطمئن تھیں۔

☆...☆...☆

وقتی جذبات کا بہاؤ سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے۔ اس وقت تو انسان کو خبر ہوتی ہے نہ ہی احساس ہوتا ہے مگر جیسے جیسے طوفان کا زور ٹوٹ جاتا ہے تب اسے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیا کر گزرا ہے۔ نبیل کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جہاں انسانی جذبات اور احساسات کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ نبیل کی مہوش کے ساتھ شادی بھی گھر کے ایب نارمل ماحول کا نتیجہ تھی جہاں والدین کو صرف اپنی اپنی پروا تھی یا پھر دولت اور اسٹیٹس کی۔ ان کے بیٹے یا بیٹیاں کیا چاہتے ہیں کیا نہیں ان کو اس سے غرض نہیں تھی۔ نبیل کو مہوش پسند آگئی اور پسند ہزار پابندیوں اور خدشات کے باوجود شادی میں بدل گئی... اور اب وہ چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا تھا نہ تو گھر میں اپنی خفیہ شادی کو بے نقاب کر کے مہوش کو گھر لے جا سکتا تھا اور نہ ہی اب بیگم جان جس نے جب دیکھا کہ نبیل بہت بڑی آسامی ہے جھٹ قابو کر لیا اور دونوں کا نکاح کر کے ہی چھوڑا اور نہ نبیل اتنا کمزور نہیں تھا کہ والدین اور بہن بھائیوں کے ہوتے ہوئے بھی خود سے نکاح کر لیتا مگر اب جبکہ حالات کا پنجہ اس کی گردن پر سخت ہو رہا تھا کہ وہ جھنجلا کر رہ گیا تھا گھر میں اس سے کہیں مظلوم اور بے بس بہنیں تھیں وہ کیا کرتا کس سے کہتا للہذا اسے یہ ہی حل نظر آتا کہ جب تک اس بات کو چھپا سکتا ہے چھپاتا۔ اس وقت بھی وہ ماں بیٹی کی عدالت میں سر جھکائے بے سمت سوچوں کے ساتھ بلاوجہ ہی سوچ رہا تھا۔ مہوش گو کہ بیگم جان جیسی خود غرض اور موقع پرست عورت کی بیٹی تھی مگر اس نے نبیل سے سچی محبت کی تھی اس لیے اس وقت نبیل کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر نرم پڑ گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ماں کو دیکھا جو بری طرح نبیل کو گھورے جا رہی تھیں۔

''نبیل! بیٹے دیکھو تم سمجھنے کی کوشش کرو اگر وقت اور آگے بڑھ گیا تو نہ تمہارے ہاتھ کچھ آئے گا اور نہ ہی...''

''اوہو! ممی بس بھی کریں، بہت ہو گیا کہہ تو رہے ہیں نبیل کہ چند ماہ کی مہلت دیدیں... آپ بھی ناں ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کر رہی ہیں آپ جایئے آرام کیجئے۔''

یہ بات تو مہوش نے نبیل کو سنانے کیلئے کی تھی مگر نظروں ہی نظروں میں التجا کی تھی کہ اب جاؤ اسے مزید پریشان نہ کرو اور بیگم جان نے بھی دھمکی آمیز

نظروں میں اسے تنبیہ کی تھی کہ اگر اب ایسا نہ ہوا تو تمہاری یہ شادی ختم کر دی جائے گی اور مہوش کو اس بات کا خوف تھا کہ بیگم جان واقعی اتنی ہی لالچی ہے کہ ایسا کر بھی گزرے گی اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔

''نبیل! پلیز ممی کی باتوں کو مائنڈ نہ کیا کریں ماں ہیں ناں تو میرے مستقبل سے خوف زدہ ہو کر انہوں نے ایسا کہا ہے۔''

ممی کے جانے کے بعد مہوش نبیل کو دلاسا دے رہی تھی۔ جس کے چہرے پر سوچوں کا جال بچھا تھا اور اپنی اس غلطی کا خمیازہ اسے کس سزا کی صورت بھگتنا پڑے گا اس خوف کی گہری دھند میں وہ آگے کا راستہ ہی گنوا بیٹھا تھا۔

''نہیں! مہوش کیا خفا ہونا اور کیا مائنڈ کرنا دراصل کبھی کبھی انسان کی خطا ہی اس کی سزا بن جایا کرتی ہے... اور یہ شادی ہی میری خطا ہے میرا قصور اور سزا ہے۔'' وہ کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو کر آسمان پر آزاد پرندوں کو دیکھنے لگا۔ اسے اک حسد اک جلن ہونے لگی ان پرندوں کی آزادی سے کتنے آزاد تھے وہ اپنے فیصلوں میں وہ جہاں چاہیں جس سمت چاہیں اڑ سکتے ہیں ان کو کسی سے کچھ چھپانا نہیں کوئی جواب نہیں دینا... مگر ایک وہ تھا گھر والوں کے سامنے جواب دے' دنیا کے سامنے جواب دہ' بیگم جان اور مہوش کے سامنے جواب دہ... وہ سوچ کی ان ہی لہروں کے ساتھ ساحل سے بہت دور نکل گیا کہ اچانک مہوش کی ہچکیاں اس کی سماعتوں کے آسمان پر دھند بن کر چھا گئیں وہ چونک کر پلٹا اور جھٹکے سے وہ حقیقت کی دنیا میں آ گیا اور بری طرح روتی مہوش کے قریب آ گیا۔

''مہوش... مہوش یہ... یہ تمہیں کیا ہوا' کیوں رو رہی ہو؟''

وہ انجان بنا کنارے پر کھڑا تھا اس درد کے سمندر کے جس میں وہ ڈوب رہی تھی۔

''ڈونٹ ٹچ... مِی نبیل مجھ سے محبت آپ کی خطا' مجھ سے شادی آپ کی خطا کی سزا... اور میں انجان یہ سمجھ رہی ہوں کہ میں آپ کی محبت ہوں' اعزاز ہوں اور خوشی ہوں... ہوں ناں کتنی احمق کہ عزت کے سارے ستارے آپ ہی اپنی مانگ میں بھر لیے... اب... اب مجھے نہ آپ کی زندگی میں جگہ چاہیے اور گھر تو آپ ہی کا ہے... ناں مجھے... مجھے کچھ نہیں چاہئے نبیل پلیز آپ جائیے اور اپنی مما اور بہنوں کا وہم دور کر دیں کہ آپ نے کوئی شادی نہیں کی... ہو نہ... میں... میں ایک وہم ہی تو ہوں... دور کر دیجئے' جھٹک دیجئے' وہم جھٹک دینے سے اپنی حیثیت اہمیت کھو دیتے ہیں... آپ... آپ بھی۔''

مہوش بری طرح ہرٹ ہوئی تھی وہ جھٹکوں سے رو رہی تھی۔ اب تک تو وہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی اک آس پر وہ اپنی پلکوں سے اپنی راہوں کے خار چن رہی تھی کہ ایک نہ

''پھر تم خود ہی۔''

''جی... جی ممی میں خود بات کر لوں گی آپ جائیے آرام کیجئے۔''

ماں کا ہاتھ معنی خیز انداز میں دبا کر مہوش نے ان کو جانے کو کہا تو وہ نبیل کو گھورتی باہر نکل گئیں۔

''وشی... سوری... سوری... دیکھو میں... میرا مطلب یہ تھا کہ کہیں میں پھر کوئی ایسی بات نہ کر جاؤں کہ تم پھر ہرٹ ہو جاؤ۔''

نبیل مسلسل اسے منا رہا تھا اور جب منانے والا اتنا مہربان ہو تو روٹھنے والا مزید نخرے دکھانے لگتا ہے اور مہوش کا بھی یہ ہی حال تھا نبیل کے روٹھ جانے پر وہ کتنی پریشان ہوئی تھی۔ نماز پڑھ کر اللہ سے اس کے مان جانے کی دعائیں بھی کی تھیں مگر اب نخرے دکھانا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''آپ... بہت خراب ہیں نبیل بس میں آپ سے خفا ہوں آپ... آپ...''

''اوکے! چلو ایسا کرتے ہیں ہم ذرا گھومنے جاتے ہیں باہر ذرا گھومیں پھریں گے تو توجناب کا موڈ ٹھیک ہو جائے... اور پھر ہم شاپنگ کریں گے پھر ڈنر باہر کر کے آئیں گے... چلیں۔''

وہ ماحول کی کثافت کو مٹاتا ہوا بولا اور ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا تو مہوش نے ایک خفا سی نظر اس پر ڈالی اور ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور کچھ دیر بعد دونوں گاڑی میں سوار تھے۔ خوب گھومے پھرے اور نبیل نے آج اسے دل کھول کر شاپنگ کرائی تھی۔ بیگم جان کے لالچ کو بھی اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ ان کیلئے بھی ڈھیر ساری شاپنگ کی اور اب تھک ہار کر وہ ڈنر کیلئے فائیو سٹار ہوٹل میں بیٹھے تھے اپنی طرف سے بہت خاموش اور تنہا گوشہ چنا تھا مگر قیامت کی نظر رکھنے والی شہرین جو راحیل کا ہاتھ پکڑے آ رہی تھی پہلی نظر نبیل اور مہوش پر پڑی۔

☆...☆...☆

راحیل کا ہاتھ پکڑ کر اوپر آتے ہی شہرین کی پہلی نظر نبیل پر پڑی، جو روٹھی ہوئی مہوش کو منانے کیلئے یہاں لے آیا تھا۔

''ہاں ''واقعی یہ لڑکی کون ہے؟'' راحیل بھی بغور مہوش کو دیکھنے لگا جو بڑی مشکلوں سے مانی تھی۔ ''کوئی گرل فرینڈ ہو گی۔ ویسے بڑی خوبصورت ہے بڑا چھپا رستم نکلا یہ نبیل۔'' شہرین خود نارمل سی شکل وصورت کی تھی، اسے مہوش اچھی لگی۔

واقعی حیرت مجھے بھی ہو رہی ہے۔ نبیل کسی لڑکی کے ساتھ، وہ بھی رات کے اس وقت۔ خاصا نامناسب وقت ہے گرل فرینڈ کے ساتھ گھومنے کا۔ پپا کو پتا چل گیا تو برا ہو گا۔ چلیں اس کے پاس یار رہنے دیں۔ شرمندہ ہو جائے گا۔''

راحیل کو نبیل کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر عجیب سا تو لگا مگر اسے مناسب نہیں لگا کہ نبیل کے قریب جائے مگر شہرین یہ بہترین موقع کیونکر کھو سکتی تھی ذلیل کرنے کا۔

''چلیں۔ دیکھتے ہیں۔ لڑکی تو اچھی خوبصورت ہے۔ اس میں شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے۔ اس عمر میں تو یہ کام ہوتے ہی ہیں۔ آئیں۔''

اور اس سے قبل کہ راحیل کوئی جواب دیتا شہرین نے اس کا ہاتھ پکڑا اور عین نبیل اور مہوش کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

''ہیلو نبیل!'' شہرین نے شوخی سے کہا تو نبیل یوں اچانک ان دونوں کو سامنے دیکھ کر بری طرح گھبرا گیا۔

''آ۔ آ۔ آ۔ ''نبیل تو... اس بری طرح گھبرایا کہ کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ وہ بات بھی مکمل نہ کر سکا حیرت اور خوف سے آنکھیں اور منہ کھلا رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یوں مہوش کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا جائے گا۔

"ہاں، ہم لوگ فریش ہونے آئے تھے ساحل پر۔ ویسے حیرت ہوئی تمہیں بھی یہاں دیکھ کر۔ روز آتے ہو کیا یہاں؟"

شہرین نے مہوش کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے بڑے معنی خیز لہجے میں پوچھا، جو اس صورت پر پہلے تو کچھ پریشان ہوئی مگر پھر اس کے چہرے پر اطمینان چھا گیا۔ البتہ نبیل بری طرح بوکھلا گیا۔

"جی۔ جی ہاں۔ میرا مطلب ہے۔ جی نہیں۔"

نبیل گھبراہٹ میں اقرار و انکار کرنے لگا تو شہرین اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہونے لگی۔

"خیر روز آنے میں بھی کوئی قباحت نہیں، لیکن کسی گرل فرینڈ کے ساتھ اس وقت کوئی مناسب بات نہیں۔ کیوں راحی؟"

شہرین نے مہوش کو بغور دیکھتے ہوئے راحیل سے اپنی بات کی تائید چاہی۔ گرل فرینڈز کے نام پر مہوش کے تن بدن میں آگ لگ گئی مگر وہ نبیل کے جواب تک خاموش رہنا

چاہتی تھی جس کی حالت دیدنی تھی۔ کبھی شہرین اور راحیل کو دیکھتا اور کبھی اسے۔

"شیری درست کہہ رہی ہے نبیل! ٹھیک ہے پپا نے ہم تینوں بھائیوں کو ہر طرح کی آزادی دی ہے مگر وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ تم رات کے اس وقت کسی گرل فرینڈ..."

"کیا گرل فرینڈ... گرل فرینڈ لگا رکھی ہے آپ لوگوں نے۔ نبیل! بتاتے کیوں نہیں کہ میں آپ کی فرینڈ ہوں کہ بیوی..."

راحیل نے بھی گرل فرینڈ کہا تو مہوش چیخ پڑی۔ اب حیرت سے راحیل اور شہرین کے منہ اور آنکھیں کھل گئیں۔ نبیل کا تو یہ حال تھا کہ بدن میں کاٹے سے بھی خون کی بوند نہ نکلتی۔

"بیوی... نبیل یہ سب کیا ہے اگر مذاق ہے تو انتہائی بھونڈا ہے اور حقیقت ہے تو انتہائی خطرناک ہے۔

بولو خاموش کیوں ہو۔" راحیل آواز اور غصے پر قابو پاتے ہوئے دھیمے مگر سخت لہجے میں بولا۔ نبیل مجرموں کی طرح سر جھکا کر رہ گیا۔

"نبیل کی خاموشی اور جھکا ہوا سر ہی اس حقیقت کی سچائی کا ثبوت ہے؟" شہرین نے بڑے نخوت بھرے انداز میں مہوش اور نبیل کو گھورا۔

"نبیل! تمہاری خاموشی ان کو شک میں اور مجھے ذلت کے کنویں میں اتار رہی ہے، بتاؤ اپنے بھائی صاحب اور بھابی جان کو کہ میں تمہاری قانونی اور شرعی بیوی ہوں۔"

مہوش نے گم سم کھڑے نبیل کو پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا جس کے حواس اس نئی اچانک افتاد نے معطل کر دیئے تھے۔ مہوش کے ساتھ یوں سرِ عام گھومتے ہوئے اس نے کب سوچا تھا کہ یہ حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے۔

"اس کا ثبوت۔؟ راحیل نے کھا جانے والی نظروں سے مہوش کو گھورا۔

"ہونہہ ثبوت! افسوس کہ مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ میرے جیٹھ جی اور جٹھانی جی یوں سرِ راہ مجھ سے شادی کا ثبوت مانگیں گے ورنہ میں نکاح نامہ ساتھ

رکھتی۔ یہ بھی خبر نہیں تھی کہ میرا شوہر میری گواہی دینے کے معاملے میں گونگا ہو جائے گا تو۔ خدا حافظ۔"

مہوش نے گنگ کھڑے نبیل کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی چھینی اور آگے بڑھ گئی۔

نبیل اس قدر بوکھلایا کہ اسے روک بھی نہ سکا۔

"آپ کی بیگم گاڑی لے کر جا چکی ہیں نبیل! اب ہمارے ساتھ چلوگے یا۔"

شہرین کی باتیں، اس کا لہجہ دماغ خراب کرنے کیلئے کافی تھے۔ غصہ تو نبیل کو بھی آ رہا تھا مگر فی الحال وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس کی کسی بات کا جواب دیتا۔ خاموشی سے پچھلی طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور راستے میں اس نے اپنے اور مہوش کے ملاپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا کیونکہ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔

"ہوں۔ تو یہ ٹھاٹ ہیں موصوف کے۔ سال بھر ہو گیا شادی کو اور گھر میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ اتنی جرأت تمہیں دی کس نے؟ پتا ہے مما، پپا کا کیا حال ہو گا یہ جان کر کہ تم۔ اف میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ۔"

راحیل بڑے ہونے کا سارا رعب اس پر جھاڑ رہا تھا، بہر حال نبیل کی شادی، وہ بھی چوری چھپے۔ کوئی معمولی بات تو نہیں تھی کہ آسانی سے در گزر کر دی جاتی۔

"نبیل کو چھپا رستم میں نے یوں ہی تو نہیں کہہ دیا اور ان محترمہ کے مزاج ملاحظہ کئے تھے آپ نے۔ چوری چھپے شادی رچائی اور اترا یوں رہی تھیں کہ گویا ہزار براتیوں کے ساتھ آئی ہوں۔" شہرین جلتی پر تیل ڈال کر بھڑکانے کا فن خوب اچھی طرح جانتی تھی۔

"میں نے آپ لوگوں کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ وہ میری گرل فرینڈ نہیں، بیوی ہے۔" نبیل قدرے سخت لہجے میں بولا۔

"کون لوگ ہیں یہ؟ کہاں رہتے ہیں اس کے والد، بھائی؟"

راحیل تفتیشی انداز اختیار کرتے ہوئے بولا۔

"جی، اس کے نہ والد ہیں نہ بھائی۔"

"تو کیا آسمان سے ٹپکی ہیں حور بیگم..." شہرین کا انداز جلانے والا تھا

جواب تو نبیل بھی دے سکتا تھا، مگر مصلحت کا تقاضا تھا کہ خاموش رہا جائے مگر راحیل کے سوال کے جواب میں اس نے بتا دیا تھا کہ مہوش کا تعلق کس خاندان سے ہے۔ تفصیل سن کر ایک بار تو گاڑی کے بریک بری طرح چرچرائے۔

"کوئی ڈھنگ کے لوگ نہیں مل سکتے تھے تمہیں، تم نے تو سوسائٹی میں ہماری ناک کٹوا کر رکھ دی ہے۔ نیور۔ نیور دیکھو نبیل! اس سے قبل کہ یہ بات مما پپا تک پہنچے یا ہم سوسائٹی

میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہیں۔ اس رشتے کو ختم کر دو۔ جتنی جلدی ممکن ہو۔ اس بات کا علم صرف مجھے اور شہرین کو ہے۔ ہم دونوں اس کو ہضم کر جائیں گے تم اس لڑکی کو کچھ رقم دے کر ختم کرو اس قصے کو۔"

راحیل نے یوں کہا۔ گویا معمولی بات ہو۔ جیسے کوئی چیز خریدی ہو اور ناپسند ہونے پر واپس کر دی جائے۔ راحیل کی بات سن کر گاڑی کے ہینڈل پر نبیل کی گرفت اتنی سخت ہو گئی کہ اسے اپنے ہاتھ میں درد محسوس ہونے لگا مگر یہ تکلیف اس تکلیف سے کہیں کم تھی، جو غیرت پر چوٹ پڑنے سے ہوئی تھی۔

"غیرت اور عزت کی کوئی قیمت ابھی تک مقرر نہیں ہوئی راحیل بھائی! مہوش میری بیوی ہے۔ میری عزت اور غیرت ہے۔" وہ شدید غصے کے باوجود بھی ضبط کر گیا۔

ہونہہ! ایسی عزت، ایسی بیوی کو جسے تم سوسائٹی میں متعارف نہیں کروا سکتے۔" شہرین کا لہجہ مستقل آگ لگانے والا تھا۔

"کروائوں گا متعارف اور سوسائٹی تو کیا آپ سب کو اسے قبول کرنا ہو گا۔ میری بیوی کی حیثیت سے، میں خود پپا سے بات کروں گا، میں نے کوئی گناہ تو نہیں کیا۔"

نبیل نے باہر نکل کر زور سے دروازہ بند کیا اور آگے بڑھنے لگا۔

"نبیل۔" راحیل کی کڑک دار آواز پر وہ وہیں رک گیا... مگر مڑا نہیں۔

"تم پپا یا مما سے کچھ نہیں کہو گے۔ میں خود مناسب وقت آنے پر بات کر لوں گا۔"

نبیل آگے بڑھ گیا۔

"یہ سارا کیا دھرا اس امجد کے بچے کا ہے۔ ورنہ اسے کہاں ہوش تھا۔ ایسی باتوں کا، اور لے کر بھی کہاں گیا غلط جگہ پر۔" راحیل کو شدید غصہ آ رہا تھا اس نے ٹائی اتار کر دور پھینکی اور موزے کسی دوسری طرف اچھال دیئے۔

"کم آن راحی! آپ یوں اتنا پریشان ہو رہے ہیں۔ نبیل کا ذاتی مسئلہ ہے۔ شہرین نے یوں کہا جیسے کوئی تعلق نہ ہو راحیل کا کسی سے۔

"نہیں شہری! تم نہیں جان سکتیں کہ قیامت آ جائے گی گھر میں، اس انکشاف کے بعد، مما اور پپا دونوں دل کے مریض ہیں اور سوسائٹی میں ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ٹھیک ہے۔ یہ لو میرج کرتا مگر خاندان اچھا نام والا ہوتا۔ ہمارے اسٹینڈرڈ کا ہوتا تو شاید معاملہ دب جاتا مگر اب۔"

راحیل نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

"مائنڈ نہ کرنا راحی! آپ کی تو ساری فیملی ہی ابنارمل ہے، ہر کسی کی دنیا الگ ہے۔ الگ سوچ ہے، نخرے ہیں کہ... توبہ ہے۔ خیر چلیں چھوڑیں۔ آپ اب ریلیکس ہو جائیں، فی الحال اس بات کو بھول جائیں، میں خود کسی مناسب وقت میں سب کو بتا دوں گی۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

اور پھر شہرین کی حوصلہ افزا باتوں سے راحیل چپ ہو گئے۔

☆...☆...☆

شہرین نے درست کہا تھا کہ اس گھر میں سب کی اپنی اپنی دنیائیں تھیں۔ ہر کوئی اپنی دنیا میں گم تھا۔ خواہ خوش تھا یا ناخوش۔

سجل کمرے کی لائٹ آف کئے کھڑکی سے اندر جھانکتے چاند کو دیکھتے ہوئے کتنی ہی دیر سے تیمور کے بارے میں سوچ رہی تھی اچانک اس نے وال کلاک پر

نظر ڈالی۔ دس بج رہے تھے۔ وقت تو نامناسب تھا مگر وہ حنا کو بتائے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے نمبر گھما دیا حنا کا۔

"ہیلو ہاں حنا! میں ہوں سجل۔!" خوش قسمتی سے دوسری طرف ریسیور حنا کے ہاتھ ہی میں تھا سجل نے شکر ادا کیا۔

"خیریت، اس وقت" حنا کو حیرت ہوئی جواب میں سجل نے ساری بات اسے بتا دی۔

"ہاں۔ بس یوں ہی بہت دل بوجھل ہو رہا تھا۔ تم سے بات کر کے ہی میرا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ تم نے مائنڈ تو نہیں کیا اس وقت فون کرنے پر۔"

"کیسی غیروں والی بات کر دی تم نے۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھتی ہوں سجل!

خبردار جو آئندہ غیروں جیسی بات کی تو... اور تمہارا جب جی چاہے، دل بوجھل ہو، فون کر لیا کرو خواہ رات ہو یا دن۔ اب کہو، کیا بات ہے؟"

حنا اس کے گھر کے ماحول کو بڑی اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ دم گھٹنے والی فضا تھی۔ ان کے گھر میں۔ ایک جگہ رہتے ہوئے کسی کو کسی کا خیال نہیں تھا، نہ احساسات کا خیال تھا نہ حال احوال کی خبر تھی۔ سجل نے اس روز والی ملاقات اور تیمور کے بگڑے ہوئے تیور کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

"اچھا، اس نے یہ بات کہی مگر کیوں؟ تم دونوں کے درمیان تو کبھی بات بھی نہیں ہوئی تو پھر اس خود ساختہ خفگی کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟"

"پتا نہیں حنا! کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ میں ایک طرف جذبوں کے جنگل میں... اکیلی ہی بھٹک رہی ہوں اور ایک وقت آئے گا کہ میں اسی جنگل میں کھو جاؤں گی۔ بھٹک جاؤں گی۔ وہ سسک سی پڑی۔ اس کی زندگی میں کچھ بھی رونق نہیں تھی۔ نیا پن نہیں تھا جینے کی کوئی امنگ نہیں تھی۔ بڑی بہنوں کا انجام ہر وقت سامنے رہتا۔

"سجل! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ میں خود بات کروں گی تیمور سے پوچھوں گی اس سے کہ اس نے یہ بات کیوں کی؟

بھلا یہ بھی کوئی تک ہوئی۔ حنا! کیا تم اپنی سجل کو اس کی نظروں میں گرانا چاہتی ہو، جس نے اشارتاً بھی کسی بات کا اظہار نہیں کیا۔ اسے تو پروا بھی نہیں اور میں اس کی خفگی کو اتنی اہمیت دے رہی ہوں۔ بس تم کچھ نہیں کہو گی۔ وہ تو یوں ہی دل بوجھل ہو گیا تھا۔ تو تم سے حال دل کہہ لیا۔ ورنہ میں جانتی ہوں، میرا انجام میری بہنوں سے مختلف تو نہیں ہو گا۔"

سجل پلیز، مت کرو ایسی باتیں، خدا نہ کرے کہ تمہارا انجام ایسا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر امید رکھنی چاہیئے ان شاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا حنا نے سجل کو تسلی دی۔

"حنا! اچھے دوست بھی اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت بنائے ہیں کہ جن سے بات کر کے جی کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے...... سچ تمہاری باتیں تو میرے لئے وٹامن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سجل سب کچھ حنا سے کہہ دینے کے بعد اور اس کی ہمت افزا باتیں سننے کے بعد اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

"اچھا تو میں نے آپ کو یہ وٹامن کی ڈوز پتا ہے اس لئے دی ہے کہ کل آپ یونیورسٹی آئیں، کل لیب ہے؟"

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں اوکے پھر میں نے تمہارا بہت وقت لیا خدا حافظ۔"

سجل نے مسکرا کر کہا اور ریسیور رکھ کر جیسے ہی اٹھی دروازے میں شہرین کو کھڑا دیکھ کر ایک جھرجھری سی آ گئی اسے شہرین کے چہرے پر تحریر ہی ایسی تھی

مشکوک سی۔

"کس کا فون تھا اس وقت؟" وہی چہرے پر تناؤ، لہجہ مشکوک

"حنا کا تھا۔ پوچھ رہی تھی۔ کل یونیورسٹی آئو گی یا نہیں۔"

سجل اس کے انداز سے متاثر ہوئے بغیر نارمل انداز میں بولی۔

"حنا کا فون تھا۔ واقعی ساڑھے گیارہ بجے؟"

شہرین نے وال کلاک پر نظر ڈال کر کچھ اس انداز سے کہا کہ وہ تلملا کر رہ گئی مگر ضبط کر گئی کیونکہ سمجھداری کا یہ ہی تقاضا تھا۔

"جی ہاں، حنا ہی کا فون تھا۔ اس نے نہیں، میں نے کیا تھا۔ ورنہ وہ وقت کا بہت خیال رکھتی ہے۔" سجل نے بھی اسی انداز میں تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ بھی وقت کا خیال رکھا کرو۔ ماں باپ سمیت وقت سے لاپرواہیں سب یہاں۔ اگر وقت کی پرواکی ہوتی تو... شاید بہت پہلے اس گھر کی خلاصی ہو چکی ہوتی۔"

شہرین نے آمنہ اور فاطمہ کو ایک ساتھ اندر آتے دیکھ کر زہریلی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر کہا تو آمنہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"شہرین۔! اگر ہمیں اور ہمارے والدین کو وقت کا احساس نہیں تو احساس تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو بھی نہیں کہ وقت سے پہلے ہی تمہیں تمہاری عمر سے تگنی عمر کے شخص کے ساتھ بیاہ دیا۔"

ہر قسم کے جذبات احساسات کے برداشت کرنے کی ایک حد ہوتی ہے اور جب برداشت کا پیمانہ بہت زیادہ بھر جائے تو چھلک ہی پڑتا ہے۔ آمنہ اور شہرین کی تو شروع دن ہی سے نہیں بنی تھی اور اس وقت بھی اس کی نامناسب بات پر آمنہ چپ نہ رہ سکی، جبکہ فاطمہ بری طرح گھبرا گئی۔ وہ کبھی پریشان ہو کر شہرین کو دیکھتی اور کبھی آمنہ کو۔

"میری اور راحیل کی شادی ایک بزنس ڈیل ہے۔ شاید آپ لوگوں کو اندازہ نہیں کہ اس شادی سے آپ کے پپا کو کتنا فائدہ ہوا ہے۔" شہرین ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔

"ہاں، ہمارے پپا نے تو تمام عمر بزنس ہی کیا ہے لیکن گھاٹے کا سودا پہلی بار کیا ہے۔" آمنہ نے بھی بڑی کاری ضرب لگائی، جس کے نتائج خطرناک تھے۔ اس نے شہرین کو گھاٹے کا سودا کہا تھا۔ کوئی معمولی غلطی نہیں کی تھی۔ اسکی سنگینی کا اندازہ فاطمہ اور سجل کو بھی ہو گیا۔ فاطمہ جلدی سے درمیان میں آگئی۔

"ارے بھئی، کیا بچوں کی طرح لڑ رہے ہو، آمنہ! تمہیں تو بے وجہ غصہ آجاتا ہے۔"

"یہ مانا کہ میں عمر میں آپ تینوں سے چھوٹی ہوں مگر رشتے میں سب سے بڑی ہوں۔ اس لئے مجھے سب بھابی جان کہا کرو۔ رہی بات گھاٹے کی تو یہ بھی پتا چل جائے گا کہ گھاٹے کا سودا ہوا یا۔ شہرین نے نخوت سے آمنہ کو سر سے پیر تک دیکھا۔

"ہونہہ! جان آپ صرف اپنے سے تگنی عمر بڑے شوہر کی ہیں بھابی صاحبہ۔"

''آمنہ۔آمنہ ! تم بہت بول رہی ہو، چلو اپنے کمرے میں اگنور کیا کرتے ہیں۔ چلو شاباش، بری بات ہے جھگڑا نہیں کیا کرتے۔شہرین۔سوری بھابی جان! آپ بھی درست کہتی ہیں، بھلا عمروں سے کیا ہوتا ہے۔اصل بات تو رشتے کی ہے اور آپ رشتے میں ہم سب سے بڑی ہیں۔آمنہ ! چلو اب۔''

فاطمہ نے آمنہ کو اس کے کمرے کی طرف دھکیلا وہ کسی صورت بھی جھگڑا پسند نہیں کرتی تھی۔

ہونہہ بے چاریاں ! شہرین سیڑھیاں اترتے ہوئے بڑبڑائی۔

''آمنہ ! ایسا نہیں کرتے وہ اس گھر کی بہو ہے اور...''

''اور ہم اس گھر کی باندیاں...ہے ناں آمنہ بجو ! اب میں کچھ برداشت نہیں کروں گی۔ مماپپا کو انصاف کرنا ہوگا ہمیں ہمارا حق چاہئے۔محرومیاں سہنے کیلئے ہم اور عیش کرنے کیلئے بہو، بیٹے میں اب کسی کو اپنی حق تلفی کرنے نہیں دوں گی۔

جب سے شہرین گھر میں آگئی تھی اور اس کا رویہ دیکھا تھا۔آمنہ نے بہت کچھ سوچ لیا تھا۔وہ شروع ہی سے جارحانہ عزائم کی مالک رہی تھی۔فاطمہ بے بسی سے اسے دیکھتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی کیونکہ کسی کو سمجھانا اس کے اختیار سے باہر تھا۔اسکے اپنے اختیار میں تو اس کا اپنا آپ تھا۔اپنے احساسات تھے۔

حنا سے بات کرکے سجل کچھ دیر کے لئے پرسکون ہوگئی تھی، مگر اب پھر دل بوجھل ہوگیا تھا مگر یونیورسٹی جانے کا خیال خوشگوار جھونکا بن کر پرسکون کرگیا۔وہ صبح کیلئے کپڑے استری کرنے لگی۔

شروع کے تین پیریڈ فری تھے۔آج صرف لیب تھی۔حنا اور سجل نے سوچا کہ کینٹین سے ہو آئیں۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' آصف اور حسن بھی کسی کونے سے برآمد ہوئے۔

''ہم تو خیر ذرا کینٹین تک جارہے ہیں۔البتہ لگتا ہے کہ حسن صاحب کہیں اسپیشل میٹنگ پر جارہے ہیں۔'' سجل نے حسن کو دیکھا جو آج خوب ڈریس اپ ہوکر آیا تھا۔

''ارے بھئی۔کیا ہوا ہے جلدی بتاؤ۔'' دونوں بے قرار ہوگئیں۔

''خوش خبری یہ ہے کہ حسینہ مان گئی ہے۔''

''نہیں۔''دونوں چلائیں۔حسن جھینپ گیا۔

''ہاں بھئی، سوفیصدی مان گئی ہے۔'' آصف نے ساری تفصیل سے ان کو آگاہ کیا۔

''بدتمیز ! اتنی اچھی خبر اب سنا رہے ہو، باسی ہونے کے بعد۔بہرحال حسن ! مبارک ہو۔بہت بہت مبارک اب اللہ کرے۔آغاز محبت کا انجام بھی بہت خوشگوار ہو، تم دونوں ہنستے رہو۔''

حنا اور سجل کو بہت خوشی ہوئی تھی یہ سن کر۔دونوں نے خلوص دل سے مبارک باد دیتے ہوئے پرخلوص دعائیں بھی دیں۔

''بہت بہت شکریہ۔بہنوں کی دعائیں بہت قیمتی ہوتی ہیں۔''

''بھائی صاحب! خالی خولی دعائوں کا شکریہ ادا کرنے کی نہیں ہو رہی۔ پہلے ہم اپنی ہونے والی بھابی کو دیکھیں گے، پھر ٹریٹ لیں گے۔''

''ہاں حسن! ہم پہلے فائزہ کو دیکھیں گے'' سجل نے بھی حسن کی تائید کی۔

''میں بھی دیکھوں گی، میں بھی دیکھوں گی۔'' ماریہ جو ابھی پوائنٹ سے اتری تھی۔ اس کے کانوں میں بس دیکھنے کی آواز پڑی تھی۔ وہ دیکھنے کا اشتیاق لئے آگے بڑھی۔

''جی کوئی ایسی دلچسپ فلم نہیں چل رہی کہ آپ دیکھیں گی۔''

کل کی ان بن کی وجہ سے آصف نے ماریہ کو دیکھ کر منہ بگاڑا۔

''آصف! خدا کے واسطے منہ مت بگاڑا کرو، قسم سے کئی کئی دن تک مجھے نیند نہیں آتی۔''

''اور ہر وقت آئینہ جو دیکھتی رہتی ہو، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔'' آصف نے پھر اسی انداز میں منہ بگاڑا۔

''ارے بھئی لڑو مرو نہیں ماریہ! میں بتاتی ہوں بات کیا ہے۔''

پھر حنا نے ساری بات بتا دی، تو ماریہ بھی خوش ہو گئی۔

''مبارک ہو حسن! اب تو ٹریٹ پکی۔''

''ہاں ضرور، لیکن میں ذرا ان سے تو بات کر لوں۔''

او ہو ان سے... ان سے بات کر لوں، کیا بات کریں گے ان سے۔''

ختم شُد